سر سید کے آراء وافکار کا
مولانا عبدالحق حقانی کی تفسیر کی روشنی میں
تنقیدی و تحقیقی جائزہ

www.KitaboSunnat.com

(تحقیقی مقالہ برائے ایم فل علوم اسلامیہ)

مقالہ نگار

محمد شریف

رول نمبر: H-7866604

لیکچرر اسلامیات

گورنمنٹ کالج بھکر

نگران تحقیق

پروفیسر ڈاکٹر محمد اکرم رانا

شعبہ علوم اسلامیہ

بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

ALLAMA IQBAL
Open University Library
(ACQUISITION SECTION)
Acc. No. 104598
Date. 05-01-2006

کلیہ عربی و علوم اسلامیہ

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

سیشن 2000ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب وسنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ...عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے

کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

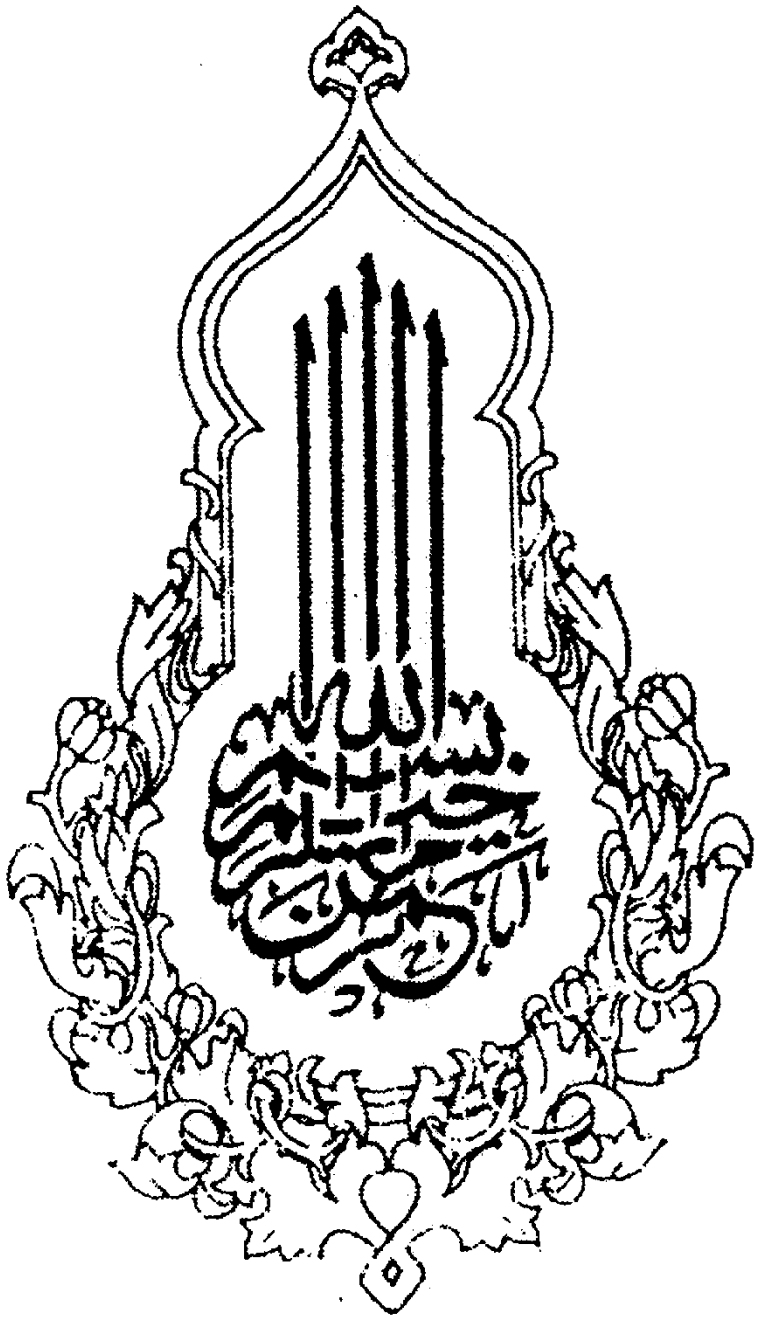

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

انتساب

لِلّٰہِ وَلِرَسُوْلِہٖ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

DECLARATION

I, Muhammad Sharif S/O Ghulam Yasin Roll No. H-7866604 Registration No. 98-PKB-1367 a student of M. Phil at Allama Iqbal Open University, Islamabad, do hereby solemnly declare that the thesis entitled,

"سرسید کے آراء وافکار کا مولانا عبدالحق حقانی کی تفسیر کی روشنی میں تنقیدی وتحقیقی جائزہ"

is submitted in partial fulfillment of the requirement for the degree of Master of Philosophy in Islamic Studies is my original work and has not been submitted or published earlier and shall not in future be submitted by me for obtaining any degree from this or any other university.

Name :

Muhammad Sharif

Roll No. H-7866604

Registration No. 98-PKB-1367

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

The Coordinator,
M. Phil, Islamic Studies Programme,
Allama Iqbal Open University,
Islamabad.

Dear Sir,

Mr. Muhammad Sharif, a student of M.Phil (Islamic Studies) has satisfactorily completed his M. Phil Thesis entitled:

"سرسید کے آراء وافکار کا مولانا عبدالحق حقانی کی تفسیر کی روشنی میں تنقیدی وتحقیقی جائزہ"

Under my guidance and supervision.

I am fully satisfied with the quality of student's research work. He may kindly be allowed to submit his final thesis and dues accordingly.

Sincerely,

Prof. Dr. Muhammad Akram Rana

Islamic Studies Department
Bahu-din-Zakariya University,
Multan

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

Acceptance by the Viva Voce Committee

Title of thesis ''سرسید کے آراء وافکار کا مولانا عبدالحق حقانی کی تفسیر کی روشنی میں تنقیدی وتحقیقی جائزہ''

Name of student, Muhammad Sharif accepted by the faculty of Arabic and Islamic Studies, Allama Iqbal Open University, Islamabad in partial fulfillment of the requirements for the Master of Philosophy degree in Islamiat.

Viva Voce Committee

Dean: 30.3.2004

Chairman/ Director: _____

External Examiner: _____

Supervisor: _____

Date: 30-3-04

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فہرست عنوانات

مقدمہ

اہمیت موضوع

مسئلہ تحقیق

دورانِ تحقیق مشکلات

اسلوب تحقیق

خاکہ تحقیق

مصادر و مراجع کا تعارف

باب اول	عہد سرسید و عبدالحق حقانی	۱
فصل اول	معاشرتی و تہذیبی حالات	۲
فصل دوم	سیاسی و قومی حالات	۹
فصل سوم	علمی و ادبی حالات	۱۶
فصل چہارم	فکری و مذہبی حالات	۲۱
	حوالہ جات	۲۸
باب دوم	تعارف سرسید اور عبدالحق حقانی	۳۰
فصل اول	سرسید احمد خان کے سوانح حیات	۳۱
	پیدائش	۳۱
	سلسلہ نسب	۳۱
	تعلیم و تربیت	۳۱
	زمانہ شباب کے مشاغل	۳۲
	ملازمت	۳۳
	وفات	۳۴
فصل دوم	سرسید احمد خان کی خدمات کا مختصر جائزہ	۳۵
	علمی و ادبی خدمات	۳۵
	قومی و سیاسی خدمات	۳۶
	سماجی و معاشرتی خدمات	۳۷

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

	تعلیمی خدمات	۳۷
	فکری و مذہبی خدمات	۳۸
فصل سوم	عبدالحق حقانی کے حالات زندگی	۴۰
	ولادت	۴۰
	نام	۴۰
	سلسلۂ نسب	۴۰
	ابتدائی تعلیم	۴۱
	تحصیل علم کے لئے سفر	۴۱
	اساتذہ	۴۱
	تلامذہ	۴۲
	وفات	۴۲
فصل چہارم	عبدالحق حقانی کے کارہائے نمایاں	۴۳
	تالیف وتصنیفات	۴۳
	نامی شرح حسامی	۴۳
	شرح حجۃ اللہ البالغہ	۴۳
	عقائد الاسلام	۴۳
	ضیاء القرآن المعروف احسن البیان	۴۳
	تفسیر حقانی	۴۳
	وجہ تصنیف	۴۳
	البیان فی علوم القرآن	۴۴
	رسائل	۴۴
	مناظرہ	۴۴
	مولانا عبدالحق حقانی کی تبلیغی خدمات	۴۴
	انجمن ہدایت الاسلام	۴۴
	اخبار الہدایت	۴۴
	حوالہ جات	۴۸
باب سوم	سرسید کے افکار کا تعارف	۵۰
فصل اول	توحید	۵۳
	ہستی اور صفات باری تعالیٰ	۵۳

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

	رویت باری تعالیٰ	۵۴
	مسئلہ جبر وقدر	۵۴
فصل دوم	نبوت	۵۵
	قصۂ آدمؑ	۵۵
	تصور وجود آدمؑ	۵۵
	نبوت کے متعلق نقطہ نظر	۵۵
	نظریۂ پیدائش عیسیٰؑ	۵۶
	نظریۂ وفات عیسیٰؑ	۵۷
فصل سوم	معجزات کی عقلی توجیہہ	۵۹
	معجزات وکرامات کے متعلق نظریہ	۵۹
	معجزات نبوی کے متعلق نظریہ	۵۹
	تصور معراج النبیؐ	۶۰
	معجزہ شق صدر کے متعلق رائے	۶۱
	معجزات حضرت عیسیٰؑ	۶۱
	۱۔ تکلم فی المہد	۶۱
	۲۔ نزول مائدہ	۶۲
	۳۔ اخبار عن الغیب	۶۲
	۴۔ مردوں کو زندہ کرنا	۶۳
	۵۔ اندھوں اور کوڑھیوں کو چنگا کرنا	۶۳
	۶۔ تائید روح القدس	۶۴
	۷۔ خلق طیر	۶۴
	حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالے جانے کا واقعہ	۶۴
	معجزہ صالحؑ	۶۵
فصل چہارم	مابعد الطبیعیاتی افکار	۶۶
	حقیقت وحی	۶۶
	عقیدہ روح	۶۶
	ملائکہ کے متعلق نقطۂ نگاہ	۶۷
	تصور جبرائیل	۶۸
	تصور شیطان	۶۹
	تصور جنات	۶۹

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

	قانون فطرت اور عقل کے متعلق رائے	۷۰
فصل پنجم	قرآن مجید کی خود ساختہ تاویلات	۷۱
	تحقیق وحقیقت استجابت دعا	۷۱
	شہداء کے متعلق نظریہ	۷۱
	جنگ بدر میں فرشتوں کا نزول ومدد	۷۲
	رمی تراب کی تاویل	۷۲
	عقیدۂ ناسخ ومنسوخ	۷۲
	طوفان نوح کے متعلق نقطۂ نظر	۷۳
	تاویل واقعہ اصحاب فیل	۷۴
	تفسیر واقعہ حضرت نحمیاہ	۷۴
	واقعہ ابراہیم کی تاویل	۷۵
	واقعات عہد حضرت موسیٰؑ	۷۵
	۱۔ واقعہ سبت کی تاویل	۷۵
	۲۔ گائے کا ذبح کرنا	۷۶
	۳۔ حقیقت تجلی للجبل	۷۶
	۴۔ کوہ طور کا بلند کرنا	۷۷
	۵۔ ید بیضاء	۷۷
	۶۔ تخیل تحرک حبل/ثعبان	۷۷
	۷۔ استسقائے قوم موسیٰ	۷۸
	۸۔ من وسلویٰ	۷۸
	۹۔ سایۂ ابر	۷۸
	۱۰۔ قحط، طوفان، جراد وقمل وضفادع ودم	۷۹
	۱۱۔ فرعون کا غرق ہونا	۷۹
فصل ششم	معاد کے بارے نقطۂ نگاہ	۸۱
	تصور جنت ودوزخ	۸۱
	میزان اور وزن اعمال کی تحقیق	۸۲
	نظریۂ اذن شفاعت	۸۳
	حشر اجساد	۸۳
فصل ہفتم	تہذیب وثقافت اور سرسید	۸۴
	فلسفۂ جہاد اور سرسید	۸۴

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

	صیام کے متعلق بحث	۸۴
	تصور ابطال غلامی	۸۵
	حقیقت حج	۸۵
	قطع ید سارق کی تحقیق	۸۶
	ذبیحہ وطعام اہل کتاب	۸۷
	مسئلہ تعدد ازواج	۸۷
	حرمت سود اور نظریہ سرسید	۸۸
	قصاص کے متعلق نظریہ	۸۹
	حوالہ جات	۹۰
باب چہارم	سرسید کے افکار پر نقدِ حقانی	۹۵
فصل اول	توحید	۹۷
	ہستی اور صفات باری تعالیٰ	۹۷
	رویت باری تعالیٰ	۹۸
	مسئلہ جبر وقدر	۹۹
فصل دوم	نبوت	۱۰۰
	قصۂ آدمؑ	۱۰۰
	نبوت کے متعلق نقطہ نظر	۱۰۲
	نظریہ پیدائش عیسیٰؑ	۱۰۳
	نظریہ وفات عیسیٰؑ	۱۰۵
فصل سوم	معجزات کی عقلی توجیہہ	۱۰۷
	معجزات وکرامات کے متعلق نظریہ	۱۰۷
	معجزات نبوی کے متعلق نظریہ	۱۰۷
	تصور معراج النبیؐ	۱۰۸
	معجزہ شق صدر کے متعلق رائے	۱۰۹
	معجزات حضرت عیسیٰؑ	۱۰۹
	۱۔ تکلم فی المہد	۱۰۹
	۲۔ نزول مائدہ	۱۱۰
	۳۔ اخبار عن الغیب	۱۱۰
	۴۔ مردوں کو زندہ کرنا	۱۱۰

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

	۵۔ اندھوں اور کوڑھیوں کو درست کرنا	۱۱۱
	۶۔ تائید روح القدس	۱۱۱
	۷۔ خلق طیر	۱۱۱
	حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالے جانے کا واقعہ	۱۱۱
	معجزہ صالح	۱۱۲
فصل چہارم	مابعد الطبیعیاتی افکار	۱۱۳
	حقیقت وحی	۱۱۳
	عقیدہ روح	۱۱۳
	اثبات ملائکہ	۱۱۳
	تصور جبرائیل	۱۱۶
	تصور شیطان	۱۱۷
	تصور جنات	۱۱۹
فصل پنجم	قرآن مجید کی خود ساختہ تاویلات	۱۲۱
	تحقیق و حقیقت استجابت دعا	۱۲۱
	شہداء کے متعلق نظریہ	۱۲۱
	جنگ بدر میں فرشتوں کا نزول و مدد	۱۲۲
	رمی تراب کی تاویل	۱۲۲
	عقیدۂ ناسخ و منسوخ	۱۲۳
	طوفان نوح کے متعلق نقطۂ نظر	۱۲۳
	تاویل واقعہ اصحاب فیل	۱۲۴
	تفسیر واقعہ حضرت نحمیاہ	۱۲۴
	واقعہ ابراہیم کی تاویل	۱۲۵
	واقعات عہد حضرت موسیٰؑ	۱۲۵
	۱۔ واقعہ سبت کی تاویل	۱۲۵
	۲۔ گائے کا ذبح کرنا	۱۲۶
	۳۔ حقیقت تجلی للجبل	۱۲۶
	۴۔ کوہ طور کا بلند کرنا	۱۲۶
	۵۔ ید بیضاء	۱۲۶
	۶۔ تخیل تحرک جبل/ ثعبان	۱۲۷
	۷۔ استسقائے قوم موسیٰ	۱۲۷

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

	۸۔ من وسلویٰ	۱۲۷
	۹۔ سایۂ ابر	۱۲۸
	۱۰۔ قحط، طوفان، جراد وقمل وضفادع ودم	۱۲۸
	۱۱۔ فرعون کا غرق ہونا	۱۲۸
فصل ششم	معاد کے بارے نقطۂ نگاہ	۱۲۹
	تصور جنت ودوزخ	۱۲۹
	میزان اور وزن اعمال کی تحقیق	۱۳۱
	نظریۂ اذن شفاعت	۱۳۱
	حشر اجساد	۱۳۱
فصل ہفتم	تہذیب وثقافت اور عبدالحق حقانی	۱۳۲
	فلسفۂ جہاد اور حقانی	۱۳۲
	صیام کے متعلق بحث	۱۳۲
	تصور ابطال غلامی	۱۳۳
	حقیقت حج	۱۳۴
	مسئلہ قطع ید سارق کی تحقیق	۱۳۴
	ذبیحہ وطعام اہل کتاب	۱۳۵
	مسئلہ تعدد ازواج	۱۳۶
	حرمت سود اور نظریہ حقانی	۱۳۷
	قصاص کے متعلق نظریہ	۱۳۸
	حوالہ جات	۱۳۹
باب پنجم	افکارِ سرسید اور تنقیدِ حقانی کے ثمرات۔۔۔۔۔۔ایک جائزہ	۱۴۴
فصل اول	تہذیبی وسماجی اثرات	۱۴۵
فصل دوم	قومی وسیاسی اثرات	۱۵۱
فصل سوم	علمی وادبی اثرات	۱۵۹
فصل چہارم	فکری ومذہبی اثرات	۱۶۵
	حوالہ جات	۱۷۸
	خلاصۃ البحث	۱۸۰
	نتائج	۱۸۲

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سفارشات	۱۸۴
فہرست آیات قرآنیہ	۱۸۶
فہرست احادیث نبویؐ	۱۹۰
کتابیات	۱۹۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اظہار تشکر

حمد اس ذات باری تعالیٰ کے لئے جس کی بے بہا رحمت کے سایہ تلے میں نے اس مقالہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ اپنی تمام تر پریشان خاطری، انتشار ذہنی اور علمی بے بضاعتی کے باوجود جو کچھ بھی مجھ سے اس مقالہ کی تحقیق کے سلسلہ میں ہو سکا وہ محض تائید الٰہی اور توفیقِ خداوندی ہے۔ وما النصر الامن عنداللہ (آل عمران:۱۲۶)

اس مقالہ میں جو بھی خوبی اور اچھائی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور میرے رہنما پروفیسر ڈاکٹر محمد اکرم رانا صاحب کی خصوصی توجہ کا نتیجہ ہے۔ اور اگر کوئی خامی ہے تو وہ مجھ جیسے کم علم کی طرف سے ہے۔

اس مقالہ کی تکمیل میں میری ذاتی کوششوں سے کہیں زیادہ مشفق و مربی استاد اور میرے نگران مقالہ پروفیسر ڈاکٹر محمد اکرم رانا صاحب کی رہبری و رہنمائی اور مشفقانہ حوصلہ افزائی کارفرما ہے۔ ڈیپارٹمنٹ ہو یا گھر ہر جگہ اور ہر وقت انہیں اپنی رہنمائی کے لئے میں نے تیار پایا اور جب بھی بذریعہ فون یا خط بات کرنا چاہی تو فوراً راہنمائی کی۔ تحقیقی کام کے دوران ہر مشکل میں امید کی کرن ثابت ہوئے۔ یہ ان کی ذاتی دلچسپی اور علم دوستی کا نتیجہ ہے کہ تائید ایزدی سے یہ کام پایۂ تکمیل تک پہنچا۔

میں شعبہ علوم اسلامیہ گورنمنٹ کالج بھکر کے جملہ پروفیسر حضرات کے علاوہ جناب ڈاکٹر طاہر یعقوب صاحب پرنسپل گورنمنٹ کالج بھکر، جناب پروفیسر حافظ محمد عبداللہ صاحب (ریٹائرڈ پرنسپل)، جناب پروفیسر ڈاکٹر ضیاء الحق صاحب چیئرمین اسلامک لاء کلیہ عربی و اسلامیات علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد، جناب پروفیسر حافظ محمد سجاد صاحب علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد، جیسے مہربان اساتذہ کرام کا شکر گزار ہوں جن کا رویہ میرے لئے ہمیشہ حوصلہ افزائی کا باعث رہا اور یہ میرے لئے بہت بڑا اعزاز بھی ہے۔

تحقیقی کاوش ہمہ جہتی تعاون چاہتی ہے۔ میں جناب پروفیسر محمد اکرم نیازی صاحب صدر شعبہ اسلامیات، جناب پروفیسر حافظ عبدالمجید صاحب اور جناب طارق اقبال صاحب (کمپیوٹر انسٹرکٹر) کا دل کی اتھاہ گہرائیوں سے ممنون ہوں جنہوں نے انتہائی مصروفیات کے باوجود اپنے قیمتی مشوروں سے اور مواد کی تلاش میں بھرپور معاونت کی۔ خصوصاً جناب پروفیسر محمد اکرم نیازی صاحب کی حوصلہ افزائی، عقل مندی اور بروقت رہنمائی نے کبھی مایوس نہیں ہونے دیا۔ ان کا رویہ میرے ساتھ ہمیشہ مشفق والدین جیسا رہا ہے۔ اور ان کی معاملہ فہمی نے مجھے بہت سے مسائل کا شکار ہونے سے بچالیا۔

یہاں پنجاب پبلک لائبریری لاہور، قائداعظم لائبریری لاہور، مین لائبریری پنجاب یونیورسٹی لاہور، مکتبہ السلفیہ لاہور، مین لائبریری اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور اور مین لائبریری گورنمنٹ کالج بھکر کے عملہ خصوصاً پروفیسر تنویر صہبائی صاحب اور عبدالمتین بھائی کا ذکر نہ کرنا بے انصافی ہوگی۔ جنہوں نے کتب کی تلاش میں بھرپور تعاون کیا۔

بوبی کمپیوٹر پوائنٹ ریلوے روڈ بھکر خصوصاً محمد ابراہیم صاحب نے جس طرح ذمہ دارانہ اور دوستانہ ماحول میں مقالہ ہذا کی کمپوزنگ کی، ان کی خدمات کو ہمیشہ یاد رکھوں گا۔ میں ان کے لئے سراپا تشکر ہوں۔

آخر میں اللہ سے دعا ہے کہ میری اس حقیر کوشش کو اپنی رضا حاصل کرنے کا ذریعہ بنائے اور میرے ساتھ تمام معاونین کو دنیا و آخرت کی بھلائی عطا فرمائے۔ آمین

محمد شریف

لیکچرر شعبہ علوم اسلامیہ گورنمنٹ کالج بھکر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رموز واختصارات

میں نے اس تحقیقی مقالہ میں غیر ضروری طوالت سے بچنے کے لیے درج ذیل رموز واختصارات کا استعمال کیا ہے۔

ص = صفحہ نمبر

ے = حوالہ نمبر

" " = دیگر اقتباسات کے لئے

/ = اس مختصر لکیر کے بائیں طرف صفحہ نمبر اور دائیں طرف کتاب کا جلد نمبر ہوتا ہے۔

اس مقالہ میں حوالہ دیتے ہوئے سب سے پہلے مصنف کا مشہور نام، پھر مکمل نام ذکر کیا گیا ہے۔ پھر، کے بعد کتاب کا نام اور بعد ازاں جلد نمبر اور صفحہ نمبر اکھٹے ذکر کیا گیا ہے جبکہ اس کے طبع کا ذکر کتابیات میں کیا گیا ہے۔

قرآنی آیت کے حوالہ جات میں سورۃ کا نام مع سورت نمبر اور اس کی آیت نمبر درج کرنے پر اکتفاء کیا گیا ہے۔ جب کہ احادیث کے حوالہ جات میں کتبِ احادیث کے اندر مختلف ابواب جہاں سے حدیث لی گئی ہے ان کا بھی ذکر کیا گیا ہے اور بعد میں حدیث نمبر درج کیا گیا ہے۔ جبکہ مطبع کا ذکر کتابیات میں موجود ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مقدمہ

اہمیتِ موضوع

بیسویں صدی فکر ونظر اور سائنس وٹیکنالوجی میں انقلابات کے حوالے سے بے مثل اور حیرت انگیز ہے۔ یہ وہ دور ہے جب یورپ میں عیسائیت نے مادیت کے آگے گھٹنے ٹیک دیئے اور مادہ پرستی کا سیلاب مذہب کو بہالے گیا۔ الحاد وتشکیک، دہریت اور انکار خدا کی زبردست تحریکیں اٹھیں جن کی رہنمائی بڑے بڑے فلاسفہ اور جدید علم وفن سے آراستہ وپیراستہ لوگوں کے ہاتھ میں تھی فطرتاً دنیا بھر کے ادیان و مذاہب اس سے شدید متاثر ہوئے۔ عیسائیت نے کئی صدیوں سے اسلام اور اہل اسلام کے خلاف بغض وعناد اور بہتان واتہام کی جو شدید مہم چلا رکھی تھی۔ اس کا رخ اب اس نے ایک اور طرف پھیر دیا۔ وہ خود تو مادیت کے سامنے ٹھہرنے کے قابل نہ تھی چنانچہ شکست کھا گئی اور نام نہاد نئی تہذیب کا دم چھلا بن گئی۔ مگر جدید تہذیب اور مادیت کے علمبرداروں کو اسلام کے خلاف اکسانے اور تخریب اسلام کی کوششوں کو پیش از پیش تیز کر دینے میں کامیاب ہوگئی۔ اس دور میں دنیا بھر کے اسلامی ممالک یا تو غلام بنا لئے گئے یا آزادی کی جدوجہد کے آخری مراحل میں تھے چنانچہ اسلام اور جدید تہذیب میں شدید تصادم ہوگیا اور یورپ اپنے سارے علم وفن کے اسلحہ سے اسلام اور اس کی شاندار روایات پر پل پڑا۔ مسلم ممالک میں الحاد وزندقہ اور دہریت کی حوصلہ افزائی کی گئی اور ایک جدید طبقہ ہر جگہ ایسا پیدا ہوگیا جو ذہن ودماغ کے لحاظ سے پورا مغربی لیکن مرز وبوم کے اعتبار سے مسلم یا مشرقی تھا۔ اب مسلمانوں میں ایک زبردست داخلی کشمکش شروع ہوگئی۔ بہت سے فکری مسائل پیدا ہوئے۔ مختلف ممالک میں بعض لوگ تفسیر قرآن کے حوالے سے فکر ونظر کے محاذ پر تجدد ومغربیت کے طوفان کی نذر ہوگئے۔ کئی ایک روایات سے چمٹے رہے۔ کچھ نے درمیانی راہ اختیار کی اور اپنی بساط کے مطابق اسلام کی خدمت ودفاع کا فریضہ سرانجام دینے کی کوشش کی۔

مذکورہ حوالے سے خطۂ برصغیر پاک وہند سب سے زیادہ اہم ہے۔ یہاں انگریزی حکومت اچھی طرح قدم جما چکی تھی۔ یہ اپنے ساتھ جدید علوم، جدید تنظیمات اور اس کے متعلقہ آلات ومصنوعات اور افکار وخیالات کا ایک بڑا لشکر لائی تھی۔ ہندوستانی مسلمان اس وقت زخم خوردہ، مضمحل اور شکستہ خاطر تھے۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں ان کی عزت وخودداری پر ضرب کاری لگی تھی۔ دوسری طرف ان کو نئے فاتح کا رعب، نئے حالات کی دہشت، ناکامی کی شرم اور مختلف شکوک وشبہات اور تہمتوں کا سامنا تھا۔ ان کے روبرو ایک ایسا فاتح تھا جو قوت اور خود اعتمادی سے لبریز تھا۔ ایک ایسی تہذیب تھی جو جدت ونشاط انگیزی اور تخلیقی صلاحیتوں سے مالا مال تھی۔ اس پیچیدہ نفسیاتی کیفیت اور نازک حالت میں تعلیمی اور سیاسی زاویۂ نظر اور تعبیر قرآن واسلام کے نقطۂ خیال سے تین بڑے بڑے مدرسہ ہائے فکر سامنے آئے۔

پہلے کے علمبردار روایتی اور راسخ العقیدہ علمائے دین تھے۔ ان کو اکثر وبیشتر قرآن حکیم کی متوارث تعبیر، زہد وتقوی، ایثار واخلاص، تہذیب اسلامی کے دفاع، دینی غیرت وحمیت اور اسکی راہ میں قربانی کے سلسلہ میں عالم اسلام کا سب سے طاقتور دینی عنصر قرار دیا جاسکتا ہے۔ ان میں مشہور عالم دین مولانا عبدالحق حقانی نہایت اہم شخصیت ہیں۔ انہوں نے ''فتح المنان'' کے نام سے قرآن مجید کی ایک تفسیر لکھی۔ جو تفسیر حقانی کے نام سے مشہور ہے۔ تفسیر میں ہندوؤں اور عیسائیوں کے علاوہ دیگر گروہوں خصوصاً نیچری طبقہ کے افکار ونظریات اور اعتراضات کے تحقیقی، تنقیدی اور الزامی جوابات دیے گئے ہیں۔ چونکہ سرسید نے اپنی تفسیر میں عقلیت پسندی کا حد سے زیادہ اظہار کیا تھا۔ اس لئے مقدمۂ تفسیر میں ان کا تعاقب کیا ہے اور ان کی انتہاء پسندی کی مخالفت کی ہے۔ ساتھ ہی ان مفسرین پر بھی تنقید کی ہے۔ جو روایت پسندی کے دائرے سے نکلنے پر کسی طرح آمادہ نہیں ہوتے۔ دونوں کو اعتدال کا راستہ اختیار کرنے کی ترغیب دی ہے۔ تاہم مفسر حقانی اور اس قبیل سے تعلق رکھنے والے دیگر علمائے کرام بالعموم اپنے دائرۂ فکر میں گردش ایام کے اعتبار سے کسی ادنیٰ مداخلت کے روادار نہ تھے۔ چنانچہ یہ جدید علوم اور تہذیب مغرب کی طرف کھلنے والے دروازوں کو مقفل کر کے قرآن کی روایتی تشریح اور اسلامی تہذیب وثقافت کے تحفظ کے لئے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قلعہ بند ہو کر اپنا کام کرتے رہے دوسرے لفظوں میں ان لوگوں نے تہذیب مغرب کے ساتھ دو بدو مقابلہ اور اقدام کی بجائے زیادہ تر دفاعی پوزیشن اختیار کی۔

دوسرے مدرسۂ فکر کے ذمہ دار مسلمانوں میں ایک ایسا متوازن فکر پروان چڑھانے کے خواہاں تھے جو قدیم، جدید دونوں کے محاسن کا جامع، اصول میں سخت اور بے لوچ اور فروع میں وسیع اور لچکدار ہو۔ ان کے نزدیک دینی نصاب تعلیم ایک تغیر و ترقی پذیر ذریعۂ تعلیم و تربیت تھا جس کو زمانہ کی تبدیلیوں اور تقاضوں کے مطابق (اپنی روح و مقاصد اور اساسی علوم کی حفاظت کے ساتھ) بدلتے اور ترقی کرتے رہنا چاہئے۔ وہ ان کے نزدیک ایک جامع اور متحجر نصاب ہونے کی بجائے ایک زندہ و نامی جسم کی طرح زندگی، ترقی اور وسعت کی صلاحیتوں سے بھرپور ہے۔ دوسرے لفظوں میں دین ایک ابدی حقیقت ہے جس میں کسی تبدیلی کی ضرورت نہیں لیکن علم ایک پھلنے پھولنے والا درخت ہے جس کی نشوونما برابر جاری رہے گی۔ اسلام ان کے نزدیک ایک عالم گیر اور جاوداں نظام زندگی ہے۔ اس لئے ذہن انسانی کے ارتقاء اور تغیرات کی مختلف منزلوں سے اس کا سابقہ پڑنا، ان بدلے ہوئے حالات و تصورات و افکار میں راہنمائی کا فرض انجام دینا اور پیدا ہونے والے شکوک و شبہات کو رفع کرنا ایک قدرتی امر ہے اس مقصد کے لئے اس ذریعہ تعلیم کو بھی، جو اسلام کے نمائندوں اور اس کے شارحین کو تیار کرتا ہے، اپنے دائرہ کو برابر وسیع کرتے رہنے اور اپنی صلاحیت اور زندگی کا ثبوت دینے کی ضرورت ہے۔ یہ ایک مبارک قدم، نیا زاویۂ نگاہ اور عالم اسلام میں ایک اچھوتا تصور تھا۔ یہ محض اصلاحِ نصاب کی ایک تحریک نہ تھی بلکہ ایک مستقل دبستان فکر تھا جس کی تقلید ہر اس ملک کو کرنا چاہئے تھی جو قدیم و جدید کے معرکے میں مبتلا اور کشمکش کا شکار تھا۔ لیکن اس فکری تحریک کو قدیم و جدید دونوں طبقوں کا (اس وسیع خلیج کی وجہ سے جو ان کے درمیان حائل تھی) وہ موثر پرجوش تعاون حاصل نہ ہو سکا جس کی وہ مستحق تھی۔ اس کا بڑا سبب ان اہل فکر و دعوت کی کمی تھی جو ان دونوں ثقافتوں کے حامل ہوں اور دونوں کو اچھی طرح ہضم کر چکے ہوں اور ان اجزاء سے جو بظاہر متضاد نظر آتے ہیں ایک پاکیزہ، خوشگوار اور مفید آمیزہ بنا سکتے ہوں۔ جس طرح شہد کی مکھی مختلف پھولوں اور درختوں سے رس حاصل کر کے شہد تیار کرتی ہے۔

تیسرا مدرسۂ فکر تجدد پسندوں اور مغربی علوم و تہذیب کے دلدادگان کا ہے۔ اس کے سرخیل سرسید احمد خان ہیں۔ یہ طبقۂ فکر بالعموم دانستہ یا نادانستہ مغربی تہذیب اور اسکی مادی بنیادوں کی تقلید اور جدید علوم کو اس کے عیوب و نقائص کے ساتھ بغیر کسی تنقید و ترمیم کے اختیار کر لینے کا داعی ہے۔ سرسید احمد خان قرآن کی تفسیر کچھ اس انداز سے کرتے ہیں کہ وہ ان کے عہد کی سائنسی معلومات اور مغربی معیاروں کے مطابق ہو اور اہل مغرب کے ذوق و مزاج کے ساتھ ہم آہنگ ہو وہ ان غیبی حقائق اور طبعی اسرار سے انکار کرتے ہوں۔ جو حواس اور تجربہ کی دسترس سے بہت دور ہیں اور بادی النظر میں جدید علوم کے مطابق نظر نہیں آتے۔ سرسید احمد خان ایک ذہین، ذکی الحس اور دردمند قسم کے آدمی تھے انہوں نے متوسط درجہ کی دینی تعلیم پائی تھی اور دینی علوم اور کتاب و سنت پر ان کی نظر گہری اور وسیع نہ تھی جلد رائے قائم کر لینے اور جرأت کے ساتھ اس کا اظہار کرنے کے عادی تھے۔ وہ انگریزوں سے اس طرح متاثر ہوئے جس طرح کوئی مغلوب غالب سے یا کوئی کمزور طاقتور سے متاثر ہوتا ہے۔ انہوں نے شخصی طور پر انگریزی تہذیب اور طرز معاشرت کو اختیار کیا۔ اور دوسروں کو بھی بڑی گرم جوشی اور قوت کے ساتھ اس کی دعوت دی۔ ان کا خیال تھا کہ اس ہم رنگی، حاکم قوم کی معاشرت و تمدن اختیار کرنے اور ان کے ساتھ بے تکلف رہنے سے وہ مرعوبیت، احساس کمتری اور احساس غلامی دور ہو جائے گا جس میں مسلمان مبتلا ہیں اور حکام کی نظر میں ان کی قدر و منزلت بڑھ جائے گی اور وہ ایک معزز اور مساوی درجہ کی قوم کے افراد معلوم ہونے لگیں گے۔ وہ مغربی تہذیب اور معاشرہ سے اس قدر متاثر ہوئے کہ ان کے اعصاب، دل و دماغ اور ساری فکری صلاحیتیں اس سے وابستہ ہو گئیں۔ وہ دورہ انگلستان کے بعد ۱۲ اکتوبر ۱۸۷۰ء کو تہذیب مغرب کے گرویدہ اور ہندوستان کی مسلم سوسائٹی میں مغربی اقدار اور اصولوں کی بنیاد پر اصلاح و تغیر کے پرجوش داعی اور مبلغ بن کر واپس ہوئے اور پورے خلوص اور گرمجوشی کے ساتھ انہوں نے اس تحریک و دعوت کا علم بلند کیا اور اپنی ساری صلاحیتیں اور قوتیں اس کے لئے وقف کر دیں۔ ان کا نقطۂ نظر خالص مادی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہوگیا۔وہ مادی طاقتوں اور کائناتی قوتوں کے سامنے بالکل سرنگوں نظر آنے لگے۔وہ جدید تصورات ونظریات سے مسحور ہوکر اور عقل کو امام مان کر قرآن مجید کی ایسی تفسیر کرنے لگے جو مغرب کے چلے ہوئے نظریات پر فٹ ہو سکے۔قرآن کی اس جسارت کے ساتھ تاویل وتشریح نے ایک نئے فکری انتشار، بے راہ روی اور بے باکی کا دروازہ کھول دیا اور آگے چل کر لوگوں نے اس سے ایسا غلط فائدہ اٹھایا کہ قرآن کی تفسیر بازیچۂ اطفال بن گئی۔انکار حدیث، انکار ختم نبوت اور فکر وعمل کے تمام گوشوں میں غایت درجہ کی مغربیت وتجدد اسی تحریک کے ثمرات ہیں۔

فکری کش مکش اور نظریاتی تنوع کے اس دور میں برصغیر پاک وہند میں تحریک تجدد کے بانی سرسید احمد خان نے مذہبی مسلمات، طرز معاشرت اور دیگر شعبہ ہائے زندگی کے بارے میں جن افکار ونظریات کا اظہار کیا ہے۔ان کو منظر عام پر لانے کی ضرورت ہے۔اور پھر مفسر حقانی کا ''علم الکلام'' اس بات کا متقاضی ہے کہ متجددین کے عقلیت پرستانہ رجحانات کا جواب دینے کے لئے جو اسلوب استدلال اختیار کیا گیا ہے۔اس کو خاص وعام تک پہنچایا جائے۔اور ایک عام قاری کے استفادے کے لئے موضوع تحقیق بنایا جائے۔یہی مقاصد میرے اس مقالے کا جذبہ محرکہ ہیں۔میں نے مقدور بھر کوشش کی ہے۔کہ سرسید احمد خان کے افکار ونظریات کا ان کے اصل مآخذ سے من وعن موثر انداز سے تذکرہ کروں۔اور تفسیر حقانی کی روشنی میں ان آراء وافکار کا تنقیدی وتحقیقی جائزہ لوں۔لیکن یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ تفسیر حقانی علم مخاصمہ کا ایک بحر ژخار ہے۔اور ایم فل کے مقالے میں ایک محدود حد تک ہی گہرائی میں جایا جاسکتا ہے۔تفسیر حقانی کے علوم ومعارف کی حقیقت کو جاننا اعلیٰ درجے کی علمی تحقیقات کا متقاضی ہے۔

مسئلہ تحقیق

سابقہ موضوع تحقیق کے تعارف کی وضاحت کے نتیجے میں مسئلہ تحقیق یہ ہے کہ

''سرسید کے آراء وافکار کا مولانا عبدالحق حقانی کی تفسیر کی روشنی میں تنقیدی وتحقیقی جائزہ''

دوران تحقیق مشکلات

مولانا عبدالحق حقانی کی تفسیری خدمات اور دیگر کتب کے علاوہ ان کی سوانح حیات پر لکھی جانے والی کتب پاکستان میں انتہائی قلیل بلکہ نہ ہونے کے برابر ہیں۔جس کے لئے مجھے مختلف لائبریریوں کی چھان پھٹک میں بہت زیادہ وقت صرف کرنا پڑا۔

انفارمیشن ٹیکنالوجی کے موجودہ دور میں تازہ ترین معلومات بہم پہنچانے کا جو طریقہ کار ویب سائٹس کی صورت میں موجود ہے اپنے موضوع سے متعلقہ ویب سائٹس کا خاطر خواہ مطالعہ کیا گیا ہے۔لیکن سوائے مولانا حقانی کی چند تصنیفات کے تعارف کے کوئی خاص قابلِ ذکر تحقیقی کام نظر سے نہیں گزرا۔

راقم نے معلومات بہم پہنچانے کے جدید ذرائع کے علاوہ ملک کے اندر موجود دینی مدارس کا دورہ کیا اور ان مدارس کے علمائے کرام کے انٹرویوز کیے لیکن راقم اس بات کا برملا اعتراف کرتا ہے کہ ان مدارس کے اندر قرآن وسنت کی بیانیہ تعلیم تو بہتر انداز میں دیے جانے کا بندوبست ہے۔لیکن تحقیقی اور تنقیدی طرز تعلیم کی بہت تشنگی پائی جاتی ہے چنانچہ اپنے موضوع سے متعلق میری تشفی ان مختلف مدارس میں جانے سے بھی نہ ہوسکی۔

اسلوب تحقیق

راقم نے اپنے اس تحقیقی مقالہ کے لیے جس طریقۂ تحقیق کا انتخاب کیا ہے۔وہ تاریخی اور بیانیہ طریقۂ تحقیق ہے جس میں مختلف کتب، شخصیات اور اداروں سے استفادہ کیا گیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خاکہ تحقیق

راقم نے اپنے اس موضوع کو جس مسئلہ تحقیق کے حل کے لیے منتخب کیا ہے۔اس کی بنیاد پر درج ذیل خاکہ تشکیل دیا ہے۔جو کہ پانچ ابواب اور ہر باب کی کم از کم چار فصول اور زیادہ سے زیادہ سات فصول پر مشتمل ہے۔خاکہ درج ذیل ہے۔

باب اول — عہد سرسید و عبدالحق حقانی

- فصل اول — معاشرتی و تہذیبی حالات
- فصل دوم — سیاسی و قومی حالات
- فصل سوم — علمی و ادبی حالات
- فصل چہارم — فکری و مذہبی حالات

باب دوم — تعارف سرسید اور عبدالحق حقانی

- فصل اول — سرسید احمد خان کے سوانح
- فصل دوم — سرسید احمد خان کے کارہائے نمایاں
- فصل سوم — عبدالحق حقانی کے سوانح
- فصل چہارم — عبدالحق حقانی کے کارہائے نمایاں

باب سوم — سرسید کے افکار کا تعارف

- فصل اول — توحید
- فصل دوم — نبوت
- فصل سوم — معجزات کی عقلی توجیہہ
- فصل چہارم — مابعد الطبیعیاتی افکار
- فصل پنجم — قرآن مجید کی خود ساختہ تاویلات
- فصل ششم — معاد کے بارے نقطۂ نگاہ
- فصل ہفتم — تہذیب و ثقافت اور سرسید

باب چہارم — سرسید کے افکار پر نقدِ حقانی

- فصل اول — توحید
- فصل دوم — نبوت
- فصل سوم — معجزات کی عقلی توجیہہ پر تنقید
- فصل چہارم — مابعد الطبیعیاتی افکار
- فصل پنجم — قرآن مجید کی خود ساختہ تاویلات پر محاکمہ
- فصل ششم — معاد کے بارے میں نقطۂ نگاہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فصل ہفتم تہذیب وثقافت اور حقانی

باب پنجم افکارِ سرسید اور تنقیدِ حقانی کے ثمرات۔۔۔۔۔۔ایک جائزہ

فصل اول قومی وسیاسی اثرات

فصل دوم علمی وادبی اثرات

فصل سوم تہذیبی ومعاشرتی اثرات

فصل چہارم فکری ومذہبی اثرات

خلاصۃ البحث

نتائج

سفارشات

مراجع ومصادر

مصادر ومراجع کا تعارف

راقم نے اپنے اس تحقیقی مقالہ کے لئے یونیورسٹیوں کے منظور شدہ معیار کے مطابق صرف ان مصادر ومراجع سے استفادہ کیا ہے جو سند کا درجہ رکھتے ہیں۔جس کی تفصیل اگلے صفحات میں کتابیات کی صورت میں موجود ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

باب اول

عہد سرسید و عبدالحق حقانی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فصل اول

معاشرتی وتہذیبی حالات

اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے ساتھ ہی سلطنت مغلیہ مصائب وآلام کا شکار ہوگئی۔ ملکی اور غیر ملکی طاقتیں اسے صفحہء ہستی سے مٹانے کے لیے سرگرم عمل نظر آنے لگیں۔ پچاس برس ہی کا عرصہ گزرا تھا کہ پلاسی کی جنگ نے ہندی مسلمانوں کی قسمت کا فیصلہ کر دیا اور وہ طوق غلامی کے مستحق قرار دیے گئے۔ تاجروں کو تاجداری کا شرف حاصل ہوگیا۔ یہ کالے کوسوں سے آئی ہوئی تجارت پیشہ قوم سرزمین بنگال سے آگے بڑھی اور پچاس سال کے اندر ہی اس نے دہلی پر بھی قبضہ جمالیا۔ دوسری طرف شمالی ہند میں سکھوں نے اٹھارہویں صدی کے آخر میں دو سال کے اندر پنجاب میں اپنے قدم جمالیے۔ سندھ، کشمیر اور سرحدی علاقے بھی ان کی ہوس ملک گیری اور ستم رانی کا شکار ہوگئے۔ مغل شہنشاہ کی سلطنت سکڑتے سکڑتے لال قلعہ کی چار دیواری کے اندر محدود ہو کر رہ گئی۔ اسکی حیثیت ایک وظیفہ خوار سے زیادہ نہ رہی۔ ان سیاسی حالات کا اثر مسلمانوں پر شدید تھا۔ وہ اقتصادی اور مذہبی اعتبار سے پستی کے بدترین درجے پر جا پہنچے۔ شاہ ولی اللہ اور ان کی اولاد نے حالات کا رخ موڑنے کی انتہائی کوشش کی۔ بالآخر بالاکوٹ کی سرزمین کو لالہ زار بنا کر مجاہدین نے جامِ شہادت نوش کیا۔ ان شہدا کا خون اکارت نہیں گیا۔ اس کے ذریعے مسلمانانِ ہند میں جذبہء جہاد پیدا ہوگیا اور ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی صورت میں اس جذبہ کا عملی ظہور ہوا۔ یارانِ وطن کی عیاری نے اس جنگ کو کامیابی کا منہ دیکھنے نہ دیا۔ تمام ذمہ داری مسلمانوں کے سر تھوپ دی گئی۔ دوسرے تو دامن جھاڑ کر اس سے الگ ہوگئے۔ سینکڑوں مسلمان خاندان موت کے گھاٹ اتار دیے گئے۔ اس زمانے میں مسلمان ہونا ہی سب سے بڑا جرم تھا۔ برائے نام مغل حکومت کا بھی خاتمہ کر دیا گیا۔ مسلمانوں کی خوش حالی اقتدار اور جاگیردارانہ نظام سے وابستہ تھی۔ جائدادوں اور جاگیروں کے چھن جانے اور اقتدار ہاتھ سے نکل جانے کے باعث وہ اقتصادی بدحالی کا شکار بھی ہوگئے۔

جب انگریزوں کو برصغیر میں اقتدار حاصل ہوگیا تو انھوں نے منظم طور پر مسلمانوں کی معاشی اور سماجی زندگی کو بھی بڑی حد تک مفلوج کر دیا۔ مسلمان جنھیں معاشرہ میں گذشتہ چھ، سات صدیوں سے ایک باعزت مقام حاصل تھا۔ اب ان میں اتنی سکت باقی نہ رہی تھی کہ وہ انگریزوں کے خلاف کوئی اقدام کر سکتے ہندو اس تبدیلی پر بہت خوش تھے اور انھوں نے مسلمانوں کو تباہ کرنے کی ہر اسکیم میں انگریزوں کے ساتھ مکمل تعاون کیا۔

اس سے قبل مالیہ کی وصولی کے ذمہ دار مسلمان تھے لیکن برطانوی عہد میں لارڈ کارنوالس کے دوامی بندوبست کے نظام کے اجرا کی وجہ سے مسلمان اس سے محروم ہوگئے۔ ان کی جگہ ہندو مقدموں اور ساہوکاروں نے لے لی۔ جب ان ہندوؤں کو زمیندار بنا کر حقوق مالکانہ عطا کر دیئے گئے۔ تو اس سے مسلم مزارعین کے تمام قدیم حقوق ختم ہوگئے۔ انھیں فوجی ملازمت سے بھی نکال باہر کیا گیا۔

فارسی کی بجائے بنگالی کو دفتری زبان کا درجہ دیا گیا۔ ہندو اس سے بے حد خوش ہوئے، اس کے بعد بنگالی کی بجائے انگریزی زبان کو رائج کر دیا گیا جس کا مقصد لارڈ میکالے کے خیال میں یہ تھا کہ ہمیں فی الحال صرف اتنا کرنا چاہیے کہ ایک طبقہ پیدا کر دیں جو ہمارے اور ان کروڑوں انسانوں کے درمیان ترجمان کا کام دے جن پر ہم حکمراں ہیں۔ ایسا طبقہ جو خون اور رنگ کے اعتبار سے ہندوستانی ہو مگر ذوق، رائے، اخلاق اور ذہن کے اعتبار سے انگریز ہو۔ ۱۸۴۴ء میں سرکاری ملازمت کے حصول کے لئے انگریزی سے واقفیت لازمی کر دی گئی۔ اسی دوران ہندوؤں نے یہ زبان سیکھ لی تھی اور مسلمان اس زبان سے نفرت کرتے تھے نتیجہ یہ ہوا کہ اعلیٰ خدمات پر ہندو فائز ہونے لگے اور مسلمانوں کی حالت دن بدن خراب ہوتی گئی۔ اس صورتحال پر مولانا حالی نے کیا خوب کہا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یاران تیز گام نے محمل کو جالیا
ہم محو نالہء جرس کارواں رہے

برطانوی حکومت کی یہ واضح پالیسی تھی کہ مسلمانوں کو منظم طریقہ سے تباہ کر دیا جائے۔ حکومت کی واضح ہدایات تھیں کہ غیر مسلموں کے ساتھ ترجیحی سلوک کیا جائے۔ مسلمانوں کی اس خستہ حالی سے متاثر ہو کر ایک انگریز افسر ڈبلیو۔ ڈبلیو ہنٹر نے ''ہمارے ہندوستانی مسلمان'' کے موضوع پر ایک کتاب لکھ دی۔ وہ لکھتے ہیں۔

''ہر شخص کو یقین ہو گیا ہے کہ ہم نے ملک کی مسلمان رعایا کے حقوق پورے نہیں کئے اور ہندوستان کی آبادی کا ایک بہت بڑا حصہ جس کی تعداد تین کروڑ کے لگ بھگ ہے اپنے آپ کو برطانوی حکومت کے ماتحت تباہ و برباد ہوتا دیکھ رہا ہے۔ اس کو شکایت ہے کہ جو لوگ کل تک اس ملک کے فاتح اور حکمران تھے آج نان جویں کے روکھے سوکھے ٹکڑوں کو بھی ترس رہے ہیں۔ اس کے جواب میں یہ کہنا کہ یہ سب کچھ نتیجہ ہے ان کے اپنے انحطاط کا۔ عذر گناہ بدتر از گناہ کا مصداق ہوگا۔ کیونکہ ان کا انحطاط بھی تو ہماری سیاسی غفلت اور لاپروائی سے مترتب ہوا جب تک اس ملک کی عنان حکومت ہمارے ہاتھ نہیں آئی تھی تب بھی مسلمانوں کا یہی مذہب تھا۔ وہ ایسا ہی کھانا کھاتے اور جملہ ضروریات میں ویسا ہی بود و ماند رکھتے تھے۔ جیسا کہ اس زمانے میں۔ وہ اب بھی وقتاً فوقتاً اپنے احساس قومیت اور جنگی اولوالعزمیوں کا مظاہرہ کرتے رہتے ہیں۔ بایں ہمہ یہ وہ قوم ہے جسے برطانوی حکومت کے ماتحت تباہ و برباد کر دیا گیا ہے۔'' [1]

''۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی ناکامی کا نتیجہ آخری مغل حکمران بہادر شاہ ظفر کی معزولی اور تمام ہندوستان پر باقاعدہ انگریزی حکومت کے قیام کی صورت میں نکلا۔ انگریزوں نے جنگ آزادی میں حصہ لینے کی پاداش میں ہندوستان کے مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا۔ گاؤں کے گاؤں جلا کر راکھ کر دیئے۔ مسلمانوں کی جائیدادیں ضبط کر کے انہیں کوڑی کوڑی کا محتاج کر دیا۔ صاحب حیثیت مسلمانوں پر سختیاں بڑھ گئیں۔ بڑے بڑے سیاسی رہنما شہید کر دیئے گئے۔ یا قید و بند میں ڈال دیئے گئے۔ بہت سے مسلمان تنگ آ کر ہمیشہ کے لئے وطن چھوڑ کر چلے گئے۔ انگریزوں نے ایک ایک انگریز کی موت کے بدلے ایک ایک ہزار ہندوستانیوں کو ہلاک کیا۔ یہ ظلم و بربریت اور وحشت اور درندگی کی حد تھی۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے خاتمہ کے بعد ہندوستان کے مسلمان سیاسی اقتصادی اور معاشرتی طور پر پس چکے تھے وہ احساس کمتری کا شکار ہو چکے تھے انہیں اپنی منزل کا کوئی پتہ نہیں تھا۔ سیاسی اور عملی طور پر انگریز سارے ہندوستان پر قابض ہو چکے تھے۔'' [2]

۱۸۵۷ء کی ناکام جنگ آزادی کے بعد انگریزوں نے مسلمانوں سے بھرپور انتقام لیا۔ ہزاروں بے گناہ مسلمانوں کو تختہ دار پر کھینچ دیا اور ان کے خاندانوں کو ذلیل و خوار کیا۔ انگریزوں کی سفاکی اور بربریت کا اندازہ ایک انگریز مصنف ایڈورڈ ٹامسن کی کتاب "The Otherside of the Coin" سے بخوبی ہو سکتا ہے۔

برطانوی حکمرانوں نے مسلمانوں کی جنگ آزادی میں ناکامی کو اسلام کی ناکامی قرار دیا اور ان کے زوال کو اسلام کے زوال سے نسبت دی۔ اور یہ پروپیگنڈہ کیا کہ مسلمان (نعوذ باللہ) ایک غلط مذہب کے ماننے والے ہیں ورنہ ان کی اس قدر بے حرمتی نہ ہوتی۔ ایک انگریز گورنر سر ولیم میور کے مطابق (نعوذ باللہ) قرآن اور محمد ﷺ کی تلوار تہذیب اور آزادی اور سچائی کی سب سے بڑی دشمن ہے۔

اس قسم کے غلط نظریات کا پرچار کر کے مسلمانوں کے مذہبی جذبات سے انگریزوں نے کھیلنا شروع کیا۔ ان کے مذہب اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پیغمبر ﷺ کے خلاف بے بنیاد الزام تراشیوں پر مبنی کتابیں لکھیں گئیں اور انہیں ظالم اور جاہل بنا کر دنیا کے سامنے پیش کیا گیا۔ دوسری جانب سرکاری ملازمتوں کے دروازے مسلمانوں پر بند کر دیئے گئے اور ہندوؤں کے ساتھ ہمدردانہ رویہ اختیار کیا گیا۔

مغرب کے جدید سرمایہ داری نظام نے قدیم جاگیرداری اور سیاسی قوت کو کمزور اور مفلوج کر کے نئے تجارتی اور صنعتی اداروں کے بل بوتے پر ایشیائی اور مشرقی سمندروں کی طرف یلغار شروع کر دی تھی۔ اور رفتہ رفتہ مشرقی اور مغربی ممالک کے درمیان تجارت کی اجارہ داری مسلمانوں کے ہاتھوں سے چھین لی تھی۔ قدیم تجارتی راہوں پر آباد صنعتی اور کاروباری مراکز اقتصادی طور پر انحطاط اور زوال کا شکار ہو چکے تھے جن کے دوبارہ ابھرنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی۔ مسلمانوں کی حکومت پر عیسائی حکومتوں کی یہ فتح دراصل فرسودہ اور بوسیدہ جاگیرداری نظام پر جدید سرمایہ داری نظام کی فتح تھی، جس کی روک تھام اور مقابلے کے لئے مسلمان حکومتیں فی الحال کچھ نہ کر سکتی تھیں۔ تجارت وصنعت پر قبضہ کرنے کے ساتھ ساتھ ایشیا پر مکمل اور مؤثر تسلط قائم کرنے کے لئے انہوں نے ہر جائز و ناجائز حربہ استعمال کیا تھا، اور دغا، فریب، لوٹ مار اور ڈاکہ زنی سے ملتی جلتی، اخلاقی گراوٹ، عہد شکنی اور مسلح لڑائیوں سے مطلق العنان بادشاہوں اور نوابوں کو شکست دے کر یا کمزور کر کے ان کا سب کچھ لوٹ لیا تھا اور ساری قوت اپنے ہاتھوں میں لے لی تھی۔ اس دولت سے انہوں نے بڑی بڑی مشینیں ایجاد کر کے اپنے صنعتی انقلاب کو حتی الامکان فروغ دیا تھا اور اب یورپ اور انگلستان کے کارخانوں کی بنی ہوئی چیزیں نہایت سستے داموں مشرقی ممالک کی منڈیوں میں فروخت ہونے لگی تھیں۔ جس کے نتیجے میں قدیم گھریلو صنعت تباہ ہو گئی۔ اور مختلف شہروں کے صنعتی مرکز موت کی نیند سو گئے۔ اور مشرقی ممالک مغربی سرمایہ داروں کے محتاج و دستِ نگر ہو کر رہ گئے۔

ہندوستان میں انگریزوں کے تسلط سے قبل تقریباً ساری کی ساری تجارت ہندوؤں کے ہاتھ میں تھی۔ مسلمان تاجروں کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی۔ مسلمان دستکاروں اور ان کی قائم کردہ چھوٹی موٹی گھریلو صنعتوں کی آمدنی کا بیشتر حصہ ہندوؤں کی جیب میں جاتا تھا۔ اس وقت صرف گجرات کاٹھیاواڑ اور بمبئی وغیرہ میں چند ایسے مراکز ضرور تھے جہاں مسلمان تاجر نظر آتے تھے۔ جنہوں نے ہندوؤں کی دیکھا دیکھی بدنظمی اور طوائف الملوکی سے الگ رہ کر اپنے آپ کو نئے نئے تقاضوں کے مطابق ڈھالنے کا عزم کر لیا تھا۔ لیکن مجموعی طور پر سارے عالم اسلام پر نکبت و ادبار کے بادل چھا رہے تھے۔ اور مسلمانوں کی حالت سیاسی اور اقتصادی اعتبار سے روز بروز بدتر ہوتی جا رہی تھی۔

''سرگزشت پاکستان'' کے مصنف سردار محمد خان عزیز لکھتے ہیں۔

> ''ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸۵۷ء کی شکست کے بعد مسلمانوں کے پاؤں تلے سے زمین ہی نکل گئی تھی۔ ان کا سارا بھرم سیاسی طاقت کے بل بوتے پر تھا وہ ختم ہوئی تو ان کے نزدیک ساری دنیا میں اندھیرا چھا گیا۔ ان کی ساری خوشحالی اور تمام زندگی سیاسی اقتدار ہی سے وابستہ تھی۔ جاگیردارانہ نظام ختم ہوتے ہی گویا وہ بھی ختم ہو گئے۔ عہدے، جاگیریں، روزگار اور اقتدار سب کچھ چھن گیا۔ اب ان کو دوہری مشکلات کا سامنا تھا۔ وہ اقتصادی بدحالی میں مبتلا تھے۔ اکثر نے عمر بھر کچھ نہ سیکھا تھا۔ ان کی زندگیوں کا سارا انحصار عہدوں اور جائدادوں پر تھا۔ اب انہیں فکرِ معاش تھی لیکن معاش کے دیگر ذرائع سے وہ قطعاً نا آشنا تھے۔ ان کا حاکمانہ اقتدار تو ختم ہو چکا تھا۔ اب سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ ابھی تک نئے حالات کے مطابق انہیں ہندوؤں کی طرح محکوم بننے کا ڈھنگ بھی نہیں آیا تھا۔'' [۳]

دورِ وسطیٰ کی دیگر حکومتوں کی طرح ہندوستان نے بھی جاگیردارانہ تہذیبی صفات اور خصوصیات کو صدیوں سے سینے سے لگا رکھا تھا۔ ایسے معاشرتی اقتدار کے دوران میں تہذیبی قیادت ہمیشہ بالائی طبقے کے ہاتھ میں رہتی ہے۔ وہی طبقہ سب سے زیادہ متمدن اور مہذب کہلاتا ہے جو زمین کا مالک ہوتا ہے۔ زمینداروں اور جاگیرداروں کے زیر اثر جس قسم کے دیہی نظام نے ترقی کی تھی اس میں ذہنی، روحانی، مادی اور جذباتی نقطۂ نظر سے کسی قسم کی آسودگی کا امکان نظر نہ آتا تھا۔ آسودگی کا سارا سامان اونچے طبقے کے لئے وقف تھا۔ متوسط

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

طبقے کا کچھ حصہ ملازمت پیشہ تھا اور کچھ تجارت سے کسبِ معاش کرتا تھا۔ بالائی طبقہ دنیا و مافیہا سے بے خبر دادِ عیش میں مصروف تھا۔ یہی ان کی تہذیب تھی۔ یہی لوگ سب کے لیے تہذیبی خواب دیکھتے اور اپنی مرضی کے مطابق ان میں رنگ بھرتے رہتے۔ اس تہذیبی سرمایہ میں عوام کا نہ تو کوئی خاص حصہ تھا اور نہ ہی اس تہذیب کی جڑیں عوام کی زندگی میں نظر آتی ہیں۔ اکثریت کو اپنی نمائندگی کا موقعہ زندگی کے کسی شعبہ میں نہ ملا تھا۔ بعض مورخین کا کہنا ہے کہ تہذیبیں بھی انسانی جسم کے مشابہ ہیں جس طرح موسم بدلتے ہیں اسی طرح تہذیبیں بھی تغیر پذیر ہوتی ہیں۔ جس طرح انسان قانونِ فطرت کے مطابق زندگی کی مختلف منزلوں سے گزر کر بڑھاپے میں رو بہ انحطاط ہو کر بالآخر موت کی نیند سو جاتا ہے۔ اسی طرح مختلف تہذیبیں بھی اپنے عروج پر پہنچ کر خود بخود زوال کی طرف مائل ہو جاتی ہیں۔ اور پھر ایک دن صفحۂ ہستی سے معدوم ہو جاتی ہیں۔ لیکن یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ جس تہذیب کی بنیاد عوام کی آرزوؤں اور تمناؤں کی گہرائیوں سے اٹھتی ہے وہ جوہڑ کے بند پانی کی شکل اختیار نہیں کرتی بلکہ عوام کے سینے سے میٹھے پانی کے ایک چشمے کی طرح پھوٹتی ہے اور ایک زندہ و جاوید جاں بخش جوئے رواں کی طرح جہاں سے گزرتی ہے عوام کے جسم و جان میں تر و تازگی اور زندگی کی لہر دوڑاتی چلی جاتی ہے۔ جب کسی تہذیبی عمل میں پوری کی پوری قوم شریک ہوتی ہے تو تہذیب زندہ اور توانا رہتی ہے۔ اس میں ارتقائی عمل بھی جاری رہتا ہے اور عوام اپنی تہذیب کی مشاطگی میں بھی مصروف رہتے ہیں۔ ہندوستان میں جس قسم کی تہذیب نے جنم لیا تھا اس کی ترقی کا انحصار انسانی شخصیت کی ذاتی قدر و منزلت کی بناء پر بہت کم تھا۔ اس کا خمیر باپ دادا کی دولت اور چند عقائد سے اٹھایا گیا تھا اس پر تصنع اور بناوٹ کا خول چڑھایا گیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اپنے تہذیبی کارناموں کے باوجود خود کو اتنی کمزور اور ناتواں سمجھتی تھی کہ مغرب سے آئی ہوئی تہذیبی اقتدار کے سامنے اپنے پورے قد و قامت میں کھڑی نہ رہ سکی اور فوراً شکست کھا گئی۔ دراصل یہ فکری کمزوری کی شکست تھی۔ چنانچہ ہزیمت خوردہ ذہنوں نے یاسیت کے عالم میں عملی اور فکری زندگی سے فرار کی نئی راہیں اختیار کر لیں۔ اور ایسا معلوم ہونے لگا کہ سیاسی میدان میں شکست کھانے کے بعد وہ قوم جس کا پرچم کل تک دہلی کے قلعہ پر لہرا رہا تھا۔ زندگی کے ہر میدان میں سرنگوں اور زبوں حال ہو کر رہ جائے گی۔

مسلمانوں کی اخلاقی پستی کا ذکر کرتے ہوئے مصنف سردار محمد خان عزیز مزید لکھتے ہیں۔

> '' اخلاقی پستی مسلمان سوسائٹی کی جڑوں تک پہنچ چکی تھی۔ لوگ محض رسمی اخلاق و آداب پر جان دیتے تھے۔ قومی اخلاق کی روح کبھی کی ختم ہو چکی تھی۔ زندگی کا اخلاقی پہلو نہ تو افراد میں نظر آتا تھا اور نہ ہی اس کی اجتماعی شکل کہیں نظر آتی تھی۔ ہر شخص کی اپنی الگ دنیا تھی۔ ہر شخص نے اپنے اپنے اخلاقی ضابطے وضع کر رکھے تھے۔ ہر شخص اجتماعی زندگی سے الگ تھلگ انفرادیت کے خول میں گھرا بیٹھا اپنے تئیں مطمئن زندگی گزار رہا تھا۔ امراء اور اہلِ ثروت انفرادی اور باہمی حقوق سے قطعاً بے خبر دن رات عیش و عشرت میں مصروف تھے اور چند مصنوعی قسم کی رسمی اور روائتی حد بندیوں کے ساتھ جنسی لذت کوشیاں ان کی زندگیوں کا شعار بن چکا تھا۔'' ؎

مصنوعی اخلاق اور رسمی آداب کو معاشرے کا حاصل سمجھنے والے یہ لوگ اپنی مصروفیتوں کا خاصہ حصہ طوائفوں کے ٹھکانوں پر گزارتے۔ طوائفوں کے کارندے کم سن اور خوش شکل بچیوں کو کہیں سے اٹھا لاتے اور چند ٹکوں کے عوض ان کے ہاتھ فروخت کر دیتے۔ یہ اغوا شدہ معصوم اور بیگناہ لڑکیاں اپنی کم سنی اور خوف و ہراس کی وجہ سے اپنے ماحول سے بہت جلد سمجھوتہ کر لیتیں طوائفیں اپنی ضروریات کے مطابق ہر فن میں انہیں ''تعلیم'' دیتیں۔ رقص و سرود کی خاص محفلوں میں کبھی کبھی ان کی جھلک دکھائی جاتی اور جب وہ جوان ہو جاتیں تو کثیر رقمیں وصول کر کے انہیں شرفا کے بستروں کی زینت بنا دیا جاتا۔ ایسے جنسی اختلاط کے نتیجے میں جو لڑکیاں تولد ہوتیں انہیں بھی پال پوس کر انہیں شرفا کی لذت کوشیوں کے لئے پیش کر دیا جاتا۔ اس طرح بڑے بڑے اشراف اور شرفا بعض دفعہ بے خبری میں اپنے ہی جگر گوشوں کے ساتھ رنگ رلیاں مناتے اور جنسی بے راہروی کا یہ حیا سوز چکر کہیں ختم نہ ہوتا۔ مصنوعی تہذیب و شرافت اور رسم و رواج قوم کو گھن کی طرح کھا

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

رہے تھے۔عوام اور خواص ایک ہی رنگ میں رنگے ہوئے نظر آرہے تھے۔

علیگڑھ مسلم یونیورسٹی کے ایک نامور طالبعلم اور جامعہ ملیہ اسلامیہ کے پروفیسر اختر الواسع لکھتے ہیں۔

''۱۸۵۷ء کا انقلاب کئی اعتبار سے ہندوستان کی تاریخ میں بڑی اہمیت کا حامل ہے۔تاریخ ہند کا یہ وہ اہم موڑ ہے جس نے قومی درد رکھنے والے افراد کو حالات کا جائزہ لینے پر مجبور کیا۔سیاسی نظام کی تبدیلی نے زندگی کی بدلی ہوئی قدروں کا احساس دلایا۔اس کا اثر یوں تو پورے ہندوستانی معاشرے پر پڑا لیکن مسلمان بالخصوص بے حد متاثر ہوئے۔مسلمانوں کے معاشرے میں معاشرتی، مذہبی اور تمدنی خرابیاں تو پہلے ہی موجود تھیں لیکن ان کا احساس عام نہ تھا۔سیاسی زوال کے بعد ان خرابیوں کا احساس دن بدن بڑھتا چلا گیا۔'' ۵

سیاسی زوال کی وجہ سے مسلمانوں کا معاشی وقار گر گیا۔حکومت، عہدے، جاگیر اور منصب جو ان کی معاشی برتری اور اقتصادی خوشحالی کا ذریعہ تھے سب ختم ہو گئے۔مستزاد یہ کہ نئی فاتح قوم مسلمانوں کو شک وشبہ کی نظر سے دیکھنے لگی۔دراصل انگریزوں کو اندیشہ یہ تھا کہ مسلمان اپنا کھویا ہوا وقار حاصل کرنے کی پھر کوشش کریں گے۔اس لئے ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کی پوری ذمہ داری مسلمانوں کے سر ڈالی گئی اور اس کے نتیجے میں جو عبرت ناک سزائیں مسلم اکابرین کو جھیلنی پڑیں۔ان کی داستان نہایت خوں چکاں ہے۔

مسلمانوں کے لئے یہ ایک لمحۂ فکریہ تھا۔جاگیردار بدحال تھے ایسے نازک وقت میں مسلم دانش ور طبقے نے حالات کا ٹھنڈے دل سے جائزہ لیا۔اسباب زوال تلاش کیے اور پھر اس نتیجے پر پہنچے کہ مسلمانوں کی معاشرتی، تمدنی اور تعلیمی پس ماندگی سب سے بڑا روگ ہے اور جب تک ان خرابیوں کو دور نہیں کیا جائے گا ہندوستانی معاشرے میں مسلمانوں کو عظمت کی نظر سے نہیں دیکھا جا سکتا۔

اس طرح اس انگریزی حکومت کی برکتوں سے نہ صرف تمام جاگیردار، تعلقہ دار، انعام دار اور معافی دار فقط ''نادار'' بنا دیے گئے بلکہ عام لوگ بھی زندگی کا سہارا کھو بیٹھے۔پہلے زمانے میں کاشت کار اور کسان خوشحال تھے اور وہ خوش حال تھے تو ملک بھی سرسبز وشاداب تھا، گاؤں میں پنچایتیں مقرر تھیں جن کے ذریعے دیہات کے باشندے اپنے آپس کے جھگڑوں کا بغیر کسی دوڑ دھوپ اور الجھن کے، خود ہی فیصلہ کر لیا کرتے تھے مگر ملک پر انگریزی راج مسلط ہونے پر یہ پنچایتیں ختم کر دی گئیں۔انصاف بھی مہنگا ہو گیا۔

جواہر لال نہرو ہندوستانی معاشرے میں تبدیلی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''مغرب کا اثر ہندوستان پر دراصل انیسویں صدی میں صنعتی تبدیلیوں اور دوسری تحریکوں کے ذریعے سے پڑا۔ خیالات کی دنیا میں بھی ایک ہیجان اور انقلاب پیدا ہوا۔ذہنی افق، جو عرصہ دراز سے محدود ہو کر رہ گیا تھا وسیع ہوا۔ پہلا ردعمل جو انگریزی تعلیم یافتہ طبقہ تک محدود تھا یہ ہوا کہ ہر مغربی چیز اچھی سمجھ کر قبول کر لی گئی۔کچھ ہندو، ہندوانہ رسم ورواج سے متنفر ہو کر عیسائیت کی طرف مائل ہوئے اور بنگال میں بعض بڑے بڑے لوگوں نے اپنا مذہب تبدیل کر دیا۔ان حالات سے متاثر ہو کر راجہ رام موہن رائے نے ہندو مذہب کو نئے ماحول اور اس کے مخصوص تقاضوں کے مطابق ڈھالنا چاہا۔چنانچہ انہوں نے برہمو سماج کی تحریک شروع کی جس کی بنیاد عقلیت اور سماجی اصلاح پر قائم تھی۔ان کے جانشین کیشب چندر سین نے اس کو عیسائیت سے قریب تر کر دیا۔'' ۶

اس سے قبل ہی مسلمانوں کی معاشی حالت خراب تھی لیکن جنگ آزادی کے بعد مصائب میں اور اضافہ ہو گیا۔مسلمان امراء کی تمام جاگیریں اور جائدادیں ضبط کر لی گئیں۔تجارت وصنعت وحرفت کی جملہ مراعات ختم کر دی گئیں۔بنگال کے مسلم کاریگر جو ململ تیار کرنے میں دنیا بھر میں شہرت رکھتے تھے ان کی انگلیاں بے رحمی سے کاٹ دی گئیں تا کہ وہ انگریزی کارخانوں کے تیار کردہ مال کا مقابلہ نہ کر سکیں۔ان پر اعلیٰ ملازمتوں کے دروازے بند کر دیئے گئے۔پہلے ہی سے مسلمانوں کی اکثریت ناخواندہ تھی۔خوش قسمت افراد کو زیادہ سے زیادہ کلرکی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نصیب ہوتی تھی۔غرض اقتصادی طور پر وہ بری طرح تباہ ہو گئے۔

انیسویں صدی کے شروع میں ہندوستانی تجارت کا آفتاب غروب ہو گیا انگریز جو ایک تجار قوم ہے ہندوستان کو تجارتی معاملے میں بہت امیر سمجھتی تھی اور ایسٹ انڈیا کمپنی کی تجارت کا مقصد ہی یہاں کی بے پناہ دولت کو اپنے ملک لے جانا تھا دھیرے دھیرے کلکتہ میں کمپنی نے اپنے قلعے بنانا شروع کر دیئے اور اپنے سامان کی حفاظت کے بہانے اچھی خاصی فوج بھی وہاں رکھنا شروع کی۔ ہندوستان کی اشیاء مغربی ممالک میں کافی شہرت پا چکی تھیں اہل یورپ کو ڈھاکے کی ململ بہت عزیز تھی یورپ کے لوگ ڈھاکہ کی ململ کو پریوں کا کارنامہ صرف اس کی نزاکت کی بنا پر تصور کرتے تھے۔ ہندوستانی شال۔زری۔ہاتھی کے دانت اور صندل کی لکڑی کے کام سے یورپ کی بازاریں بھری رہتی تھیں اور یورپ کے لوگ بڑے فخر کے ساتھ انہیں استعمال کرتے تھے۔یہ ایک تاریخی بات ہے کہ جب ملکہ میری یورپ سے انگلینڈ آئی تو اپنے ساتھ ہندوستان کے بُنے ہوئے کپڑے بھی لائی جو یہاں بڑے مقبول ہوئے۔

لیکن ہندوستان میں انگریز تجارتی حالت میں جتنے طاقتور ہوتے گئے ہندوستانی تجارت پر اتنا ہی زوال آتا گیا۔ہندوستانی سامان باہر بھیجا جانا بند ہو گیا اور ولائتی سامان ہندوستانی بازاروں میں سستے داموں پر نظر آنے لگا۔ہندوستان صرف کچے مال کی منڈی رہ گیا۔ ہندوستان کے زبردست کارخانے ویدہ و دانستہ تباہ کئے گئے اور عمدہ کاریگروں کے انگوٹھے کاٹ لئے گئے۔سورت، ڈھاکہ، مرشد آباد کے کارخانے جان بوجھ کر تباہ کئے گئے۔سر چارلس ٹریولین نے جو شہادت ایوان عام کی سلکٹ کمپنی کے سامنے دی تھی اس میں اس نے بھی ہندوستان کی تجارت کی تباہی پر افسوس کیا تھا۔انگریزوں کی اس پالیسی سے ہندوستانی رعایا کا ایک بڑا طبقہ بیکاری اور مفلسی کا بری طرح شکار ہو گیا وہ خاندان جو بڑی شاندار زندگی بسر کر رہے تھے نانِ شبینہ کو محتاج ہو گئے۔

انگریزوں نے مسلمانوں کو مکمل تباہی سے ہمکنار کرنے کے لئے ضروری سمجھا کہ ان کے ثقافتی ورثہ کو ملیا میٹ کر دیا جائے اور ثقافتی مراکز کی اینٹ بجادی جائے۔اس لئے انہوں نے دہلی کو لوٹنے کے بعد لکھنؤ، آگرہ، بریلی، فیض آباد، پٹنہ، شاہ جہاں پور اور کئی دوسرے شہروں کو لوٹا۔وہاں سے مسلم ثقافت کے نمونے، کتابیں، دفینے، مصوری و خطاطی کے نادر شاہکار اور قیمتی دستاویزات ہتھیا کر برطانوی میوزیم میں پہنچا دیں۔

انگریز اپنی تہذیب و ثقافت پر نازاں تھے۔وہ اپنی تہذیب کو پورے برصغیر میں پھیلانا چاہتے تھے اور مقامی باشندوں کو اپنے تہذیبی انداز میں ڈھالنا چاہتے تھے اس مقصد کی راہ میں مسلمانوں کی ثقافت بڑی رکاوٹ تھی۔مسلمان اپنے ثقافتی ورثہ پر فخر کرتے تھے اس لئے انگریزوں نے پہلے مسلم ثقافت اور تہذیب کے اثرات کو مٹانا ضروری سمجھا۔اسلامی عظمت کے نشان ختم کر دیئے۔مسلم عہد کی عمارتوں کو اکھاڑا گیا، ان کی بے حرمتی کی گئی اور مسلمانوں کا ان کے ماضی سے رشتہ کاٹ کر جدید اور مغربی طور طریقوں کی طرف مائل کرنا چاہا زبان اور ثقافت کی تباہی کا نقصان بہت بڑا نقصان تھا جو مسلمانوں کو اٹھانا پڑا۔

"تخلیقِ پاکستان" کے مصنف فاروق ملک مسلمانوں کی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد معاشرہ میں گورے اور سکھ سپاہی درندوں کا روپ دھار کر مسلمانوں کے خون کے پیاسے ہو گئے۔جس معاشرہ میں "مسلمان ہونا جرم ہو" وہاں اس قوم کے افراد سے کس قدر بیہمانہ سلوک ہوا ہو گا۔اس کا اندازہ منطقی طور پر لگایا جا سکتا ہے۔مسلمان بستیوں سے نکل بھاگے۔موت ان کا مقدر بنی اور جو بچ گئے وہ ویرانوں اور جنگلوں میں جان بچانے کے لئے چھپ گئے۔مسلمانوں نے اپنے نام تبدیل کر لئے اور ہندوؤں اور عیسائیوں کا انداز اختیار کر کے ظالموں اور انسانوں کے شکاریوں سے پیچھا چھڑا لیا۔ہندوؤں نے موقع غنیمت جانا۔ حالانکہ وہ جنگ میں مسلمانوں کے ہمراہ رہے تھے لیکن انہوں نے بڑی چالاکی سے مسلمانوں کو مجرم کہہ کر اپنی جانیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بچالیں۔وہ مخبر اور ایجنٹ بن گئے۔یوں بھی وہ چاہتے تھے کہ مسلمانوں کا نام ونشان برصغیر سے مٹ جائے تاکہ انگریزوں کے جانے کے بعد وہ خود سیاسی اقتدار سنبھال سکیں۔ہندو،سکھ اور انگریز تینوں قوتوں نے ملی بھگت سے مسلمانوں کی زندگی اجیرن کردی۔معاشی طور پر مفلوج مسلمان معاشرہ میں سب سے گھٹیا مقام پر رہنے کے لئے مجبور کردیئے گئے۔'' ۷

اسی پس منظر میں مولانا ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں۔

''لیکن اس ظلم و بربریت اور غیر معمولی سنگ دلی اور بے رحمی کی وجہ سے جس کا مظاہرہ انگریزی حکومت نے مسلمانوں کے معاملہ میں کیا تھا،جن کو وہ ۱۸۵۷ء کے غدر کا اولین رہنما اور حقیقی قائد تسلیم کرتی تھی،نیز عیسائیت کی ترویج و اشاعت میں حکومت کی سرگرمی اور گرم جوشی اور مغربی تہذیب کی عوام میں غیر معمولی تیزی کے ساتھ مقبولیت اور مسلمانوں کے عقائد اور اخلاق و معاشرت میں اس کے اثرات کی وجہ سے ان لوگوں کو اقدام کے بجائے دفاعی پوزیشن اختیار کرنے پر مجبور ہونا پڑا،انھوں نے اس کی فکر شروع کی کہ دینی جذبہ،اسلامی روح،اسلامی زندگی کے مظاہر اور تہذیب اسلامی کے جتنے بچے کھچے آثار باقی رہ گئے ہیں،ان کو محفوظ رکھنے کی کوشش کی جائے،اور اسلامی تہذیب اور ثقافت کے لئے قلعہ بندیاں کرلی جائیں اور پھر ان قلعوں میں (جن کو عربی مدارس کے نام سے پکارا گیا ہے) مبلغ اور داعی تیار کئے جائیں۔'' ۸

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فصل دوم

سیاسی وقومی حالات

شہنشاہ اورنگ زیب نے انچاس برس کی طویل حکمرانی کے بعد جب ۱۷۰۷ء میں وفات پائی تو جنوبی ہند کی چند راجدھانیوں کو چھوڑ کر سارا برصغیر سلطنت مغلیہ کے زیر نگیں تھا ماسوائے قندھار کے افغانستان کا سارا علاقہ بھی مغلیہ سلطنت کا حصہ تھا۔ ۱۷۱۲ء سے لیکر ۱۷۱۹ء تک تخت نشینی کی خانہ جنگیوں کے باوجود ۱۷۴۰ء تک مملکت مغلیہ اپنے قدموں پر کھڑی تھی لیکن اسی سال ۴۰۔۱۷۳۹ء میں نادرشاہ نے شمالی ہند پر حملہ کر دیا اور مغلیہ فوجوں کو پے در پے شکستیں دیتا ہوا دہلی تک جا پہنچا اور لوٹ کھسوٹ کرنے کے بعد بہت جلد واپس چلا گیا نادرشاہ کا حملہ سلطنت مغلیہ پر شدید ترین ضرب کاری تھا۔ جس نے ان کے عسکری نظام کی بنیادیں کمزور کر دیں۔ کچھ عرصے کے بعد مغل پھر سنبھل گئے اس وقت افغانستان کا علاقہ سلطنت سے کٹ کر الگ ہو چکا تھا لیکن برصغیر ہند میں ابھی تک پنجاب، کشمیر، سندھ، گجرات، وادی گنگا اور بنگال کے وسیع علاقے سلطنت مغلیہ میں شامل تھے۔ بنگال کا نیم مطلق العنان گورنر مرشد قلی خان دہلی کے شہنشاہ کو خراج ادا کرتا تھا۔ راجپوت خاندان جنہوں نے تقریباً ہر عہد میں سر اٹھائے رکھا تھا اس وقت عدم تنظیم اور عدم مرکزیت کا شکار ہو کر خاموش ہو گئے تھے۔ مرہٹوں کی عسکری تنظیم بھی ابھی تک اس قابل نہ تھی کہ مغلوں کے مقابلے میں ایک متوازی قوت کی حیثیت سے کھڑی ہو سکتی۔ برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی کی سرگرمیاں بھی ابھی تک بمبئی۔ مدراس اور کلکتہ کے ساحلوں تک ہی محدود تھیں یہاں ان کے اپنے قلعے تھے جن میں تھوڑی بہت فوج رہتی تھی لیکن فوجی دستوں کی تعداد اتنی نہ تھی کہ جس کے بل پر انگریز ملک کے اندرونی معاملات میں براہ راست دخل دینے کے قابل ہوتے۔ البتہ موقع ملنے پر وہ اتنا ضرور کرتے کہ فرنچ ایسٹ انڈیا کمپنی کی فوجوں کے مقابلے میں کسی نہ کسی راجدھانی کی مسلح امداد کے لئے کھڑے ہو جاتے۔ اٹھارہویں صدی کے وسط میں طوائف الملوکی کے حالات پیدا ہو چکے تھے۔ چھوٹی چھوٹی راجدھانیوں کی وفاداریاں رفتہ رفتہ ختم ہو رہی تھیں۔ دہلی کے نواحی علاقوں میں مستقل خانہ جنگیوں اور لڑائیوں کی وجہ سے آبادیاں معدوم ہو رہی تھیں اور آئے دن کسی نہ کسی طرف سے حملہ آوروں کا خطرہ لاحق رہتا تھا۔ سارا شمالی ہندوستان عدم تحفظ اور باہمی خلفشار میں مبتلا تھا۔ شہروں اور قصبوں کی گھریلو صنعتیں رو بہ زوال ہو کر ختم ہو رہی تھیں۔ اور روپیہ پیسہ کہیں نظر نہ آتا تھا۔

بالغ نظر لوگوں کو یہ محسوس ہو رہا تھا کہ مرکزی قوت کمزور ہو چکی ہے اور اب اس میں اتنی سکت نہیں رہی کہ زیادہ عرصے تک قائم رہ سکے۔ ۶۳۔۱۷۵۶ء میں آسٹروی جنگِ جانشینی پھر چھڑ گئی جس کی وجہ سے ہندوستان میں فرنچ ایسٹ انڈیا کمپنی اور برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی میں مقامی افراتفری سے سیاسی فوائد اٹھانے کے لئے پھر مقابلے شروع ہو گئے۔ اس دوران ۱۷۵۶ء میں سراج الدولہ نے قاسم بازار میں انگریزوں کی ملکیتی فیکٹریوں پر قبضہ کر کے کلکتہ پر دھاوا بول دیا اور کمپنی کی قلعہ بندیوں کو مسمار کر کے گورنر ڈریک کو بھاگ جانے پر مجبور کر دیا۔ ڈریک کی فوج نے شکست کھا کر ہتھیار ڈال دیئے۔ ڈریک دریائے ہگلی میں لنگر انداز ایک جہاز کے ذریعے جان بچا کر بھاگ گیا۔ اگر سراج الدولہ کی فوجیں ڈریک کا تعاقب کر کے اس کے جہاز پر قبضہ کر لیتیں تو عین ممکن تھا کہ آئندہ سال آنے والا جنگ پلاسی کا المیہ پیش نہ آتا۔ ۲۲ جون ۱۷۵۷ء کو دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا۔ اس جنگ میں سراج الدولہ نے اپنی فوجوں کی کمان میر جعفر کے سپرد کر رکھی تھی اور وہ پہلے ہی سے انگریزوں سے ساز باز کر چکا تھا۔ اتفاقاً لڑائی کے دوران بارش ہونے لگی۔ میر جعفر نے اس موقع کو غنیمت جانا اور یہ مشورہ دیا کہ کچھ دیر کے لئے فوجیں پیچھے ہٹالی جائیں۔ فوجوں کا پیچھے ہٹنا تھا کہ جنگ کا نقشہ ہی بدل گیا اور عارضی پسپائی مستقل شکست میں بدل گئی۔ سراج الدولہ میدان جنگ سے بھاگ کھڑا ہوا۔ میر جعفر کے لڑکے میران کو اس کے تعاقب میں بھیجا جس نے انگریز فوجوں کی مدد سے سراج الدولہ کو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

موت کے گھاٹ اتار دیا۔ جنگِ پلاسی میں سراج الدولہ کی شکست سے یہ حقیقت واضح ہوگئی تھی کہ ہندوستان کے حکمرانوں میں خواہ وہ مغل تھے یا مرہٹے یا سکھ ان میں سے کوئی قوم بھی اس قابل نہ تھی جو ہندوستان کو انگریزوں کے غلبے سے محفوظ رکھ سکتی۔ اس کا اصل سبب خواہ باہمی سر پھٹول ہو، غداریاں ہوں یا انگریزوں کا بہتر عسکری نظام۔ ۱۷۵۷ء سے لیکر ۱۸۵۷ء تک کی پوری صدی ذہنی، فکری، سیاسی، معاشی اور معاشرتی انحطاط کی صدی ہے۔ جس دوران میں مغرب کے نئے سرمایہ داری نظام نے مسلمانوں کو زندگی کے ہر محاذ پر شکست دی۔ اٹھارہویں صدی کے آخر میں میسور کے افق سے ایک آفتابِ حُریّت طلوع ہوا تھا لیکن وہ بھی شعلے کی طرح چمکا اور بجھ گیا۔

سولہویں صدی میں مغل حکومت کے قیام سے لیکر نادر شاہ کے حملے (۳۹-۱۷۴۰ء) تک پوری دو صدیوں تک کا عرصہ ایک ایسا وقفہ ہے جس کے دوران ہندوستان بیرونی حملوں کی یورش سے بالکل محفوظ رہا۔ اس کے بعد اندرونی انتشار اور باہمی کشمکش بھی ظہور میں آئی اور بیرونی مداخلت بھی۔ ان حالات کا واضح اثر یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ مرکزی مشینری روبہ زوال اور کمزور ہوتی گئی اور ملک کے اندر کئی قسم کے قومی عناصر مختلف شکلیں اختیار کر کے ابھرنے لگے بعضوں نے اس تاریخی عمل کو مسلمان حکومت کے خلاف ہندو قوم کی بیداری کا نام دیا ہے لیکن اس کی نوعیت ایسی نہ تھی۔ اٹھارہویں صدی کے اختتام پر جس نئی طاقت نے اچانک اہمیت حاصل کر لی تھی وہ انگریزوں کی بڑھتی ہوئی قوت تھی۔ جو برق رفتاری کے ساتھ ہندوستانی معاشرے پر چھا رہی تھی اور حالات بتا رہے تھے کہ اب سیاسی لحاظ سے اہمیت کا مرکز نہ مغل تھے نہ بنگالی، نہ مرہٹوں اور نظام کی کوئی اہمیت تھی اور نہ ہی اودھ اور میسور کی مسلمان اور ہندو اور سکھ بھی کسی سیاسی شمار میں نہ تھے۔ اس وقت سیاسی حیثیت صرف ایسٹ انڈیا کمپنی کی تھی جس کے ہاتھ میں اصل قوت اور اقتدار تھا اور کمپنی کو اپنی عملی حیثیت کا احساس بھی تھا۔ انیسویں صدی کے آغاز میں ملک میں کئی تاریخی تبدیلیاں ہوئی تھیں۔ باہمی کشمکش اور چھوٹی بڑی لڑائیاں بھی آئے دن ہوتی رہتی تھیں۔ فتوحات بھی ہوتی رہتی تھیں اور شکستیں بھی لیکن ان واقعات نے ہندوستان کے معاشی اور معاشرتی نظام پر کوئی قابلِ ذکر اثر نہ ڈالا تھا لیکن ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہاتھ میں ساری قوت سمٹ کر آجانے کے بعد سارا معاشرتی ڈھانچہ ہی تبدیل ہو رہا تھا۔ اس تبدیلی کی رفتار اتنی تیز تھی کہ اس کو کسی متبادل نظام کی مدد سے بند باندھ کر روکنا تقریباً محال نظر آ رہا تھا۔ ہندوستان میں معاشرتی تبدیلی کا یہ تجربہ قطعاً نئی نوعیت کا تھا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے جدید سرمایہ داری اور نئے نئے تجارتی اداروں کے بل بوتے پر کئی دوسری تجارتی کمپنیوں کو شکست دیکر ہندوستان میں برطانوی استحکام کی تکمیل کر لی تھی اور اس کے طفیل اپنے صنعتی انقلاب کو مضبوط قدموں پر کھڑا کر لیا تھا۔ انگلستان کی صنعتی ترقی کی رفتار جس سرعت سے روز بروز ارتقائی مراحل طے کر رہی تھی اسی تناسب سے ہندوستان کی معیشت روبہ انحطاط ہو رہی تھی اور اس کی ترقی اور آگے بڑھنے کی صلاحیت تقریباً ختم ہو چکی تھی۔ یہاں کی صنعتی ترقی جس منزل میں تھی وہیں رک کر رہ گئی۔

۱۸۵۷ء کے واقعات نے ایک تاریخی فیصلہ کر کے ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کے خاتمہ کا اعلان کر دیا تھا۔ اب ہندوستان میں سب کچھ انگریز حکمرانوں کے ہاتھ میں تھا۔ مسلمانوں کے لئے یہ المیہ سیاسی موت کے مترادف تھا۔ انگریزوں کو ہندوؤں سے نہ کوئی تاریخی دشمنی تھی اور نہ ہی مذہبی اور سیاسی لیکن مسلمانوں کے ساتھ سب تھیں۔ چنانچہ جنگِ آزادی کے نتیجہ میں صرف مسلمان ہی انگریزوں کے قہر و غضب کا نشانہ بنے۔ انگریزوں نے سیاسی اقتدار مسلمانوں سے چھینا تھا جس کی بنا پر ان کے دلوں میں یہ شبہات پوری طرح جاگزیں ہو چکے تھے کہ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی جس کو بعد میں انگریز مؤرخین نے غدر کا نام دیا مسلمانوں نے چھیڑی تھی اور وہی اس فساد کے محرک تھے اور آئندہ بھی جب کبھی موقع پائیں گے انگریزوں کے خلاف اگر کوئی قوم صف آراء ہوگی تو وہ صرف مسلمانوں کی قوم ہوگی۔ چنانچہ انتقام کی آگ مسلمانوں کے خلاف ہر طرف بھڑک اٹھی۔ انگریزوں نے ان کے گھر برباد کئے ان کی معیشت تباہ کر دی۔ ان کی زمینیں چھین کر ہندوؤں کو دے دیں۔ ان کو معاشی اور معاشرتی طور پر ذلیل و خوار کیا گیا۔ ان کی ورسگاہوں کی بے حرمتی کی گئی۔ ہزاروں بے گناہوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا اور جو بچ گئے ان کا معاشی استحصال کیا گیا۔ انگریز حکومت کا یہ دور معاشی استحصال کے نقطۂ نظر سے اپنی مثال نہیں رکھتا۔ اگر انگریز

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

زمینداری اور جاگیرداری نظام کو مکمل طور پر ختم کر دیتے تو یہ بھی ایک غنیمت قدم ہوتا اور اس کی وجہ سے ہندوستانی عوام معاشی ترقی میں کئی قدم آگے بڑھ جاتے۔ لیکن ایسا کرنے کی بجائے انگریز نے اسی فرسودہ اور بوسیدہ نظام کو ایک نئے سانچے میں ڈھال دیا اور اس کی روح کو اس طرح قائم رکھا تا کہ استحصالی عمل حسب سابق جاری رہے۔ دستکاری اور صنعت تو پہلے ہی تباہ ہو چکی تھی۔ اب نئے زمینداری نظام میں کاشتکار پر بھی حملہ ہوا۔ اس میں بھی سب سے زیادہ نقصان مسلمانوں ہی کا ہوا۔ کیونکہ انگریزوں نے ایک طرف تو سرکاری محاصل کی شرح ناقابلِ برداشت حد تک بڑھا دی اور دوسری طرف انگریزی فوجوں نے اس کی وصولی میں وہ وہ ظلم و تشدد کیا جس کی مثال نہیں دی جا سکتی۔ اس طرح لوٹ کھسوٹ کے ساتھ ساتھ انگریز ملازمین اپنی نجی تجارت بھی کرتے اور ہندوستانی جاگیرداروں، نوابوں اور راجاؤں کے ٹھیکیدار بھی بن جاتے اور عوام اور جاگیرداروں کے درمیان رابطہ بن کر امکان بھر استحصال کرتے۔ یہ ملازمین جو کمپنی کی طرف سے صرف پچاس (۵۰) ساٹھ (۶۰) روپے ماہانہ پاتے تھے چند ہی سال میں اتنی دولت جمع کر لیتے کہ واپس انگلستان جا کر ٹھاٹھ کی زندگی گزارتے۔ سیم و زر کی فراہمی میں ہر قسم کی حیا سوز اور اخلاق باختہ حرکتیں کرنے والے انگریزوں کے یہ کارندے شرفا کی بے عزتیاں کرتے۔ ان کے گھروں میں بلا اجازت گھس جاتے لیکن ان کی سرکوبی کے لئے کوئی قانون حرکت میں نہ آتا۔ اس وقت ایک دشواری یہ بھی تھی کہ ہندوستانی عدالتیں انگریزوں کے خلاف مقدمات کی سماعت بھی نہ کر سکتی تھیں نہ صرف یہ بلکہ بعض اوقات تو مقامی عیسائیوں کے خلاف بھی مقدمات کی سماعت میں مشکلات حائل تھیں۔

اورنگ زیب کی وفات کے بعد سلطنت مغلیہ میں کوئی ایسا حکمران نہ ہوا جو اتنی وسیع سلطنت کا نظام سنبھالتا اور ملک کو ان تمام بغاوتوں سے بچاتا جس کی آگ خود اورنگزیب کے زمانہ میں اندر اندر سلگ رہی تھی اور جو اس کی وفات پر اچانک بھڑک اٹھی۔ تخت کے لئے شہزادوں کی باہمی جنگوں نے سلطنت کو کمزور کر دیا۔ امراء و رساء حکومت کی کمزوری سے فائدہ اٹھانے لگے۔ دربار میں سازش کا جال بچھ گیا۔ فوج میں بھی گروہ بندیاں ہونے لگیں اور انیسویں صدی کے اوائل ہی میں مغلیہ سلطنت صرف برائے نام رہ گئی جس کے زیادہ تر صوبے سرکش جاگیرداروں کے ہاتھ میں چلے گئے۔ مغل بادشاہ ان بدلتے ہوئے حالات کا مقابلہ نہ کر سکے اور انہیں چند اندرونی اور بیرونی طاقتوں کا لوہا ماننا پڑا۔ مغل بادشاہ اب بھی دہلی کے تخت پر جلوہ افروز ہوتا تھا مگر مغلوں کا جاہ و جلال صرف تاریخی کتابوں تک محدود ہو چکا تھا۔ جاٹ، مرہٹہ، سکھ اپنا سر اٹھانے لگے اور مرکزی حکومت کمزور ہو گئی۔ علاقائی سلطنتیں قائم ہو گئیں اور ان کی آڑ میں ان حالات کا سب سے زیادہ فائدہ انگریزوں نے اٹھایا۔ وہ اپنا سیاسی وقار روز بروز بڑھاتے چلے گئے۔ رفتہ رفتہ علاقائی سلطنتیں اُن کے سیاسی نظام سے منسلک ہوتی چلی گئیں۔

یہاں ڈاکٹر شان محمد "سرسید تاریخی و سیاسی آئینے میں" میں ہندوستاں کی سیاسی و قومی حالت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> "انگریز سترھویں صدی میں تجارت کی غرض سے ہندوستان آئے اور انہوں نے ۱۶۰۰ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی قائم کی تھی۔ انہوں نے دیگر یورپین قوموں کو جن میں فرانسیسی ڈچ اور پرتگیز شامل تھے شکست دیدی اور یہاں کی سیاست میں قدم جمانے کے لئے پس پردہ کام کرنے لگے۔ اٹھارویں صدی کے اختتام میں انہوں نے کافی طاقت پکڑ لی اور دھیرے دھیرے وہ سیاسی میدان میں کھل کر آ گئے۔ انیسویں صدی کے وسط میں وہ ہندوستان کی سیاست پر بہت اچھی طرح غالب ہو چکے تھے۔" ۹

انیسویں صدی کے شروع میں ہندوستان کی سیاسی حالت قابل رحم تھی۔ مرہٹہ، مسلمان، سکھ ایک دوسرے کے دشمن تھے لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ بھی نہیں چاہتے تھے کہ کوئی بیرونی طاقت ان کو مغلوب کرے۔ تینوں قومیں یہ محسوس کرتی تھیں کہ انگریز ان کے سب سے بڑے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دشمن تھے لیکن افسوس ہے کہ وہ انگریزوں کے مقابلہ میں متحد نہ ہو سکے اور ان کی باہمی لڑائیوں نے انگریزوں کو پھلنے پھولنے کا موقع دیا۔

بقول شیخ محمد اکرام

''سیاسی لحاظ سے ڈیڑھ سو سال (۱۸۰۰۔۱۹۴۷ء) کا یہ زمانہ محکومیت کا دور تھا۔ ۱۸۵۷ء کی ناکام جنگِ آزادی کے بعد مسلمانوں کی حالت ہر لحاظ سے انتہائی پستی کو پہنچ گئی تھی۔'' ۱۰

انحطاط و زوالِ سلطنت کے ساتھ ساتھ عام مسلمانوں کی بربادی بھی جاری رہی وہ ہر شعبہ زندگی میں پست ہو گئے اور سیاسی طور پر تو ان کی قوت و قیمت باقی نہ رہی۔ اگر چہ ملک کی عام تباہی کا اثر ہندو اور مسلمان دونوں پر تھا لیکن ہندوؤں کے نقصان کی دوسری شکل میں کچھ نہ کچھ تلافی ہو جاتی البتہ مسلمانوں کا نقصان کسی صورت میں بھی مرہون تلافی نہ تھا بلکہ ان کے نقصان سے جو فائدہ ہوتا تھا اس کا معقول حصہ انگریزوں کے ان ایجنٹوں (ہندوؤں) کو ملتا تھا بہر حال ان تمام اسباب سے جو مسلمانوں کی تباہی کے لئے فراہم تھے سخت ترین نتائج نکلے اور ایک قلیل وقفہ میں ایک بڑی قوم تباہ ہو گئی۔

بنگال میں اس تباہی کے متعلق سر عبدالرحیم صدر اسمبلی نے مسلم لیگ کے خطبہ صدارت ۱۹۲۵ء میں کہا تھا کہ:۔

''ایسٹ انڈیا کمپنی کے دور حکومت میں بھی آج سے تین نسلیں پیشتر بنگال کا زیادہ حصہ مسلمان جاگیردار، امین دار، اور زمینداروں کے قبضہ میں تھا اور انتظام دیوانی مسلمان آفیسروں کے ہاتھ میں۔ مثلاً دیوان، مفتی، قاضی، مولوی، صدر اعلیٰ، صدر امین اور کوتوال علاوہ محرروں اور نقل نویسوں کے سب مسلمان ہوتے تھے۔ تعلیم کا رواج عام تھا اور میں یہ کہنے کے لئے تیار ہوں کہ اس زمانہ میں زیادہ تعلیم یافتہ افراد کا شمار تھا۔ ہر باوقعت مسلمان اپنے مکان کے ساتھ ساتھ ایک مکتب اور ایک مدرسہ رکھتا تھا۔ ان مدرسوں سے عربی، فارسی کے ماہرین پیدا ہوتے تھے جو عدالتوں میں وکیل اور منصف کی حیثیت سے نمایاں خدمت انجام دیتے تھے۔ میں نے خود ان مدرسوں کو تباہ شدہ حالت میں دیکھا ہے۔ فوجی اقتدار حاصل کرنے کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی کی اولین پالیسی یہ ہوئی کہ اس نے مسلمانوں کو فوج میں بھرتی کرنا بند کر دیا۔ دیوانی اور پولیس کے انتظامات کی تفصیل پر مسلمان آفیسروں کی مدد سے عبور حاصل کرنے کے بعد کورٹ آف ڈائرکٹرز نے اختلاف آراء کے باوجود اپنی پالیسی یکا یک تبدیل کر دی اور بنگالی و انگریزی کو اردو فارسی کے بجائے عدالتوں میں جگہ دی۔ یہ تبدیلی سیاسی بناء پر ہوئی جس کے لئے انتظامی اسباب بھی موجود تھے۔'' ۱۱

ڈاکٹر سر ولیم ہنٹر نے اپنی کتاب ''ہندوستانی مسلمان'' کے چوتھے باب میں مسلمانوں کی اقتصادی حالت اور ان کی مشکلات پر بحث کی۔ اس میں وہ لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کو حکومت سے بہت سی شکایات ہیں۔ ایک شکایت یہ ہے کہ

''وہ (مسلمان) ہمیں اس بات کا ملزم ٹھہراتے ہیں کہ ہم نے ان پر ہر قسم کی باعزت زندگی کا دروازہ بند کر دیا ہے وہ ہمیں اس بات کا ملزم ٹھہراتے ہیں کہ ہم نے ایک ایسا طریقہ تعلیم رائج کر دیا ہے جس سے ان کی قوم بہرہ ور نہیں ہو سکتی اور جو ان کی ذلت و خواری کا سبب بن گیا ہے وہ ہمیں یہ بھی الزام دیتے ہیں کہ ہم نے مسلمان قاضیوں کی برطرفی سے ہزار ہا خاندانوں کو مبتلائے آفات کر دیا ہے'' ۱۲

ڈاکٹر ہنٹر نے ان شکایات پر بالتفصیل بحث کی ہے اور مسلمانوں کی حالت زار کا نقشہ کھینچا ہے۔ بالخصوص مشرقی بنگال کے خاندانی مسلمانوں کی پستی اور افلاس کے متعلق ڈاکٹر ہنٹر لکھتے ہیں۔

''اگر کوئی سیاست دان ایوانِ عام میں سنسنی پیدا کرنی چاہتا تو اس کے لئے یہ کافی ہے کہ مسلمان امراء کے گھرانے کی سچی داستان بیان کر دے وہ اپنی کہانی اس طرح شروع کرے گا۔ ایک قابل عزت شہزادہ بہت بڑے علاقہ پر حکمرانی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کر رہا ہے وہ اپنی فوج کا سپہ سالار ہے اس کے بیمار خدمت گار ہیں وہ مشرقی شاہانہ دربار کی تمام روایات کو برقرار رکھتا ہے اور بستر مرگ پر مسجدوں کی تعمیر اور مذہبی اوقاف کا حکم دے کر اپنی روح کو تسکین دیتا ہے۔ اس کے بعد وہ اس کے موجودہ بے عقل جانشیں کی تصویر کھینچے گا۔ وہ ان جنگلوں میں جب انگریز شکاریوں کی آمد کی خبر سنتا ہے تو اپنے آپ کو چھپا لیتا ہے اور اگر اس کے خادم مجبور بھی کریں کہ اجنبیوں کی عزت افزائی کرنا ضروری ہے تو وہ ان سے ملاقات پر ہمیشہ ایک ہی بات دُوہراتا ہے اور وہ یہ کہ فلاں تاجر نے ابھی ابھی اس کے محل کو چند سو روپوں کے عوض قرق کرالیا ہے۔'' ۱۳

اس کے بعد ڈاکٹر ہنٹر سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کے تناسب کا مقابلہ دوسری قوموں کے ساتھ کرتے ہیں۔ پہلے مال اور منصفی کے محکموں میں مسلمانوں کی حالت زار بتائی ہے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں۔

''بہر حال غیر مشہور محکموں میں جہاں بنگال کی جماعتیں تناسب کا بہت زیادہ خیال نہیں کرتیں مسلمانوں کی حالت اور بھی بدتر ہے ۱۸۶۹ء میں ان محکموں میں تناسب یہ تھا اسسٹنٹ گورنمنٹ انجینیرز کے تین درجوں میں چودہ ہندو تھے اور مسلمان ایک بھی نہ تھا۔ نو آموز طبقہ میں چار ہندو، دو انگریز، مسلمان ایک بھی نہیں۔ محکمہ پبلک ورکس کے سب انجینئروں اور اوورسیروں میں چوبیس ہندوؤں کے مقابلہ میں صرف ایک مسلمان تھا۔ اوورسیروں میں تریسٹھ ہندوؤں تھے اور دو مسلمان تھے۔ اکاؤنٹنٹ آفس میں پچاس نام ہندو کے تھے اور مسلمان کا صفر۔ اپر سبارڈینیٹ محکمہ میں بائیس ہندو تھے اور مسلمان ایک بھی نہیں''۔ ۱۴

سرکاری ملازمتوں کے علاوہ ہائی کورٹ کے وکیلوں کی فہرست بڑی عبرت آموز تھی، ایک زمانہ تھا کہ یہ پیشہ بالکل مسلمانوں کے ہاتھ میں تھا۔ اس کے بعد بھی ۱۸۵۱ء تک مسلمانوں کی حالت اچھی رہی اور مسلمان وکلاء کی تعداد ہندوؤں اور انگریزوں کی مجموعی تعداد سے کم نہ تھی۔ لیکن ۱۸۵۱ء سے تبدیلی شروع ہوئی۔ اب نئی طرز کے آدمی آنے شروع ہوئے اور امتحانات کا طریقہ بھی بدل دیا گیا۔ ۱۸۵۲ء سے ۱۸۶۸ء تک جن ہندوستانیوں کو وکالت کے لائسنس ملے۔ ان میں ۲۳۹ ہندو تھے اور ایک مسلمان۔

ڈاکٹر ہنٹر لکھتے ہیں۔

''ابھی پچھلے ہی دنوں ایک بہت بڑے محکمہ کے متعلق معلوم ہوا کہ وہاں ایک شخص بھی ایسا نہیں جو مسلمانوں کی زبان پڑھ سکے۔ دراصل کلکتہ کے سرکاری دفتر میں مسلمان اب اس سے بڑھ کر اور کوئی امید بھی نہیں رکھ سکتے کہ قلی اور چپڑاسی، دواتوں میں سیاہی ڈالنے والا یا قلموں کو ٹھیک کرنے کے سوائے کوئی اور ملازمت حاصل کر سکیں۔'' ۱۵

ڈاکٹر ہنٹر کی کتاب بڑی مفصل ہے۔ اس کے مندرجہ بالا اقتباسات ہی سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ ۱۸۷۰ء کے قریب دوسری قوموں کے مقابلے میں مسلمانوں کی حالت کیا تھی؟ ملازمتوں میں وہ نہ ہونے کے برابر تھے اور چونکہ سرکاری ملازمتوں کے ہاتھ میں کئی طرح کا اختیار ہوتا ہے اس لئے یہ کمی انہیں مہنگی پڑ رہی تھی۔ شمالی ہند کے مسلمانوں نے تجارت میں کبھی امتیاز حاصل نہیں کیا۔ اور زمینیں قرضے کی وجہ سے ان کے ہاتھ سے نکلی جا رہی تھیں۔

جواہر لال نہرو ہندوستان کی حالت زار پر یوں تبصرہ کرتے ہیں۔

''اس کے بعد ایک زبردست کوشش ہندوستانی صنعت کو کچل ڈالنے کی مختلف طریقوں سے کی گئی۔ کچھ ایسے محصول اور چنگیاں عائد کر دی گئیں کہ ہندوستانی مال کا ملک کے اندرونی حصے میں بھی آنا جانا رک گیا۔ برطانوی مال کی درآمد پر اس تمام عرصہ میں کوئی روک ٹوک نہ تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پارچہ بافی کی ہندوستانی صنعت مٹ گئی۔ اسے بننے والوں اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دستکاروں کی ایک بڑی تعداد بیکار ہوگئی۔اس عمل کی رفتار بنگال اور بہار میں بہت تیز تھی۔دوسرے مقامات پر بھی رفتہ رفتہ حکومت کی توسیع اور ریل کی تعمیر کے ساتھ ساتھ یہی صورت پیش آئی۔انیسویں صدی کے دوران میں یہ سلسلہ برابر جاری رہا۔اس کی زد میں تمام پرانی صنعتیں مثلاً جہاز سازی، دھات کے کام، شیشہ کا کام، کاغذ سازی اور اسی قسم کی دوسری دستکاریاں۔" ۱۶

پرانی صنعت اور نئے صنعتی طریق کار کی ٹکر کا یہ نتیجہ ایک حد تک لازمی تھا لیکن سیاسی اور اقتصادی دباؤ نے اس عمل کو اور تیز کر دیا۔ہندوستان میں نئے صنعتی طریقوں کو رواج دینے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی بلکہ اس میں ہر طرح سے رکاوٹ ڈالی گئی۔ملک کا معاشی اور اقتصادی ارتقاء روک دیا گیا اور نئی صنعت کی نشوونما کو ختم کر دیا گیا۔ہندوستان میں باہر کی مشینیں نہیں آسکتی تھیں۔اس طرح ایک خلا پیدا کر دیا گیا جس کو برطانوی مال ہی سے پر کیا جاسکتا تھا۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بیکاری اور افلاس روز بروز بڑھتا گیا۔نوآبادیات کے اقتصادی نظام کے ماتحت ہندوستان صنعتی انگلستان کی ایک زراعتی نوآبادی بن گیا جس کا کام کچا مال مہیا کرنا اور انگلستان کی مصنوعات کے لئے بازار پیدا کرنا تھا۔دستکاروں کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جانے سے بے روزگاری انتہا کو پہنچ گئی۔سوال یہ تھا کہ لاکھوں کاریگر کیا کریں جو اب تک صنعتی مشاغل میں مصروف تھے۔ان کا کہیں ٹھکانہ نہ تھا ان کے پرانے پیشوں میں کچھ رہا نہیں تھا نئے پیشوں کا دروازہ ان پر سختی سے بند تھا البتہ وہ موت کی آغوش میں پناہ لے سکتے تھے نا قابل برداشت حالات سے نجات پانے کی ایک یہی راہ ہے جو ہمیشہ کھلی رہتی ہے۔چنانچہ وہ لاکھوں کی تعداد میں مرکھپ گئے۔

جواہر لال نہرو مزید لکھتے ہیں۔

" پھر بھی ان میں بہت سے فاقہ کشی کی تکلیف اٹھانے کے لئے بچ رہے اور جوں جوں برطانوی پالیسی ملک کے دور دراز گوشوں کو متاثر کرتی رہی اور بے روزگاری بڑھتی گئی ان کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔دستکاروں اور صناعوں کے گروہ کے گروہ بیکار ہو کر رہ گئے۔قدیم ہنر ان کے کسی کام کے نہ تھے۔آخر انہوں نے زمین کی طرف توجہ کی زمین ابھی تک موجود تھی لیکن زراعتی اراضی کا چپہ چپہ گھرا ہوا تھا اور اس میں اتنی گنجائش نہیں رہی تھی کہ یہ سب لوگ اچھی طرح کھپ جائیں۔چنانچہ زمین پر بار ہو گئے یہ بار بڑھتا گیا اور اس کے ساتھ ساتھ ملک کا افلاس بڑھا اور زندگی کا معیار انتہائی پستی کو پہنچ گیا۔دستکاروں کے مجبوراً کھیتی کی طرف ڈھل جانے سے زراعت اور صنعت کے تناسب میں خلل پڑ گیا اور یہ برابر بڑھتا چلا گیا۔رفتہ رفتہ زراعت لوگوں کا واحد پیشہ بن گئی اس لئے کہ مزدوری کمانے کی اور راہیں مسدود ہو چکی تھیں۔" ۱۷

دورِ زوال میں مسلمانوں کو اپنی بقا کے لئے جہاں ایک طرف انگریز کے مقابلے میں آنا پڑا وہاں دوسری طرف مسلماں ہندو سیاست کا نشانہ بھی ہوئے گویا اب مسلمانوں کا مقابلہ ہندوؤں ہی سے نہیں انگریزوں سے تھا۔۱۸۵۷ء کی جدوجہد میں اگرچہ ہندوؤں کا ایک طبقہ مسلمانوں کے ساتھ اشتراک عمل پر آمادہ تھا لیکن تاریخ کا یہ ایک عبرت ناک واقعہ ہے کہ ناکامی کی سزا صرف مسلمانوں کو ملی۔مسلمانوں کی عظمت رفتہ ان کی فکری نشوونما کے لئے ایک آئیڈیل کے طور پر صرف زندہ ہی نہیں رہی اس میں عزم و حوصلہ اور قوت و جبروت کا پلّہ بھاری رہا۔شاید اسی لئے ۱۸۵۷ء کی جدوجہد کا نشانہ انگریزوں نے مسلمانوں کو بنایا۔بقول سرسیّد احمد خان ہندو تو گنگا نہا کر پوتر ہو گئے۔لیکن مسلمانوں کے قصور معاف نہ ہو سکے اور آئندہ مسلمانوں کو دو محاذوں پر لڑنا تھا۔

میاں عبدالرشید اپنی تصنیف میں ہندوستان کے مسلمانوں کی حالت یوں بیان کرتے ہیں۔

"انگریزوں کے یہاں آنے سے پہلے اس برعظیم کے مسلم معاشرہ کی حالت بھی کچھ اسی قسم کی تھی۔عوام کے ذہنوں پر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تنگ نظر ملاؤں کا قبضہ تھا جو دن رات فروعی مسائل میں الجھے رہتے تھے اور اعلیٰ فکر و عمل سے عاری تھے۔ سیاسی لحاظ سے یہ برعظیم چھوٹے چھوٹے نوابوں اور راجاؤں میں بٹا ہوا تھا۔ جو یا تو ایک دوسرے سے دست و گریبان رہتے اور یا دن رات عیش و عشرت میں پڑے رہتے۔ اور یہ باہمی لڑائیاں اور عیش و عشرت انھیں اپنے عوام کی بہتری کے متعلق سوچنے کی فرصت ہی نہ دیتے۔ ہر طرف دوست پروری اور اقربا نوازی کا زور تھا۔ معاشی لحاظ سے یہاں کے عوام اور کاشتکار جاگیردارانہ نظام تلے کراہ رہے تھے۔'' ۱۸

سید ابوالحسن علی ندوی ''ہندوستان میں مغرب و مشرق کی کشمکش'' کے عنوان سے یوں رقمطراز ہیں۔

''ہندوستان میں انگریزی حکومت (جو مشرق میں تہذیب مغرب کی نمائندہ اور وکیل تھی) کے قدم اچھی طرح جم چکے تھے، وہ اپنے ساتھ جدید علوم اور جدید تنظیمات اور اس کے متعلقہ آلات و مصنوعات اور افکار و خیالات کا ایک بڑا لشکر ساتھ لائی، ہندوستانی مسلمان اس وقت زخم خوردہ، مضمحل اور شکستہ خاطر تھے، ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں ان کی عزت و خودداری پر ضرب کاری لگی تھی، دوسری طرف ان کو نئے فاتح کا رعب، نئے حالات کی دہشت، ناکامی کی شرم اور مختلف شکوک و شبہات اور تہمتوں کا سامنا تھا، ان کے روبرو ایک ایسا فاتح تھا جو قوت و خود اعتمادی سے لبریز تھا، ایک ایسی تہذیب تھی جو جدت و نشاط انگیزی اور تخلیقی صلاحیتوں سے مالا مال تھی، بہت سے ایسے مشکلات اور مسائل تھے، جو فوری اور دور اندیشانہ حل اور فیصلہ کن اور واضح موقف (پالیسی) کے طلب گار تھے۔'' ۱۹

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فصل سوم

تعلیمی وادبی حالات

جب انگریزوں نے دیکھا کہ یہ قوم توپ وتفنگ سے نہیں دب سکتی تو انہوں نے اپنی پالیسی میں تبدیلی اور حکمت عملی میں ترمیم کی ضرورت محسوس کی اور تحریر وتصنیف، تعلیم وتدریس اور پروپیگنڈہ مشنری کے ذریعہ سرد جنگ کا آغاز کیا جس کا مقصد مسلم نسل کے فکر وعمل سے مذہب اور دین کی وابستگی کو ختم کرنا اور بنیادی عقائد کے سلسلے میں ان کے ذہنوں میں شکوک وشبہات پیدا کرنا تھا۔ چنانچہ عیسائی لٹریچر کا ایک طوفان پورے ملک میں پہنچایا گیا اور عیسائی مشنریوں کی فوج ظفر موج مختلف وسائل اور ہتھکنڈوں کے ذریعہ اس مہم میں لگ گئی۔

مسلمانوں کو تعلیم سے محروم رکھنے کے لئے مدارس میں عربی، فارسی کی تعلیم ممنوع قرار دی گئی۔ اب فارسی کی بجائے انگریزی کو سرکاری زبان کا درجہ حاصل ہو گیا۔ مسلمان اساتذہ کی تعداد کم کر دی گئی۔ مسلمان طلبہ کو نماز جمعہ ادا کرنے کی ممانعت کر دی گئی اور انھیں مذہب سے بیگانہ کرنے کے لئے عیسائیت کی تبلیغ کی گئی۔ لارڈ میکالے نے جو تعلیمی منصوبہ بنایا اس کے متعلق اس نے دعویٰ کیا کہ اس نظام کے تحت تعلیم یافتہ افراد جسمانی طور پر ہندوستانی ہوں گے لیکن ذہنی طور پر وہ انگریز بن جائیں گے۔ ان حالات کے تحت مسلمان علماء نے انگریزی تعلیم کے حصول کو کفر قرار دیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس میدان میں مسلمان ہندوؤں سے بہت پیچھے رہ گئے۔ ہندو انگریزی تعلیم حاصل کر کے تمام اعلیٰ ملازمتوں پر فائز ہونے لگے۔ اپریل ۱۸۶۹ء میں ہر دو ہندوؤں کے مقابلے میں ایک مسلمان تھا اس کے بعد بتدریج تناسب اور بھی کم ہوتا گیا۔ بنگال میں سرکاری ملازمتوں کی تقسیم اپریل ۱۸۷۱ء کے مطابق کل گزیٹڈ ملازمتوں میں ۲۱۱۱ میں سے صرف ۹۲ کے قریب مسلمان فائز تھے۔ ۱۸۵۲ء تا ۱۸۶۸ء تک ہائی کورٹ کے وکلاء کی فہرست کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کل ۲۴۰ میں سے ۲۳۹ ہندو اور صرف ایک مسلمان تھا۔

ولیم ہنٹر کے قول کے مطابق۔

> ''الغرض مسلمان یہاں تک اب قعر مذلت میں گر چکے تھے کہ وہ سرکاری ملازمتوں کے قابل ہوں تب بھی ان کو سرکاری اعلانات کے ذریعہ ملازمت سے باز رکھا جاتا تھا۔ ان کی قابل رحم حالت پر کوئی توجہ نہ کرتا۔ اعلیٰ حکام تو ان کی ہستی کو تسلیم کرنے کے لئے بھی تیار نہیں۔'' [۲۰]

مسلمانوں کی تعلیمی پستی کا اندازہ اس امر سے بخوبی ہو سکتا ہے کہ ۱۸۷۰ء میں بمبئی، مدراس اور کلکتہ کی یونیورسٹیوں کے کل ۵۲۵ گریجویٹوں میں صرف ۷۱ مسلمان تھے۔ اس طرح مسلمان طلباء کی تعداد برائے نام تھی۔

تعلیمی میدان میں بھی انگریزوں نے اپنی زبان کو فروغ دینے کی پالیسی پر عمل کیا۔ میکالے کا جو گورنر جنرل کی کونسل میں قانون کا ممبر تھا خیال تھا کہ انگریزی تعلیم حاصل کرنے سے ہندوؤں کا ایک بڑا گروہ جلد ہی عیسائی مذہب قبول کر لے گا۔ مغربی علوم پر اس کو بڑا ناز تھا اور وہ اکثر کہا کرتا تھا کہ یورپ کی اچھی لائبریری کی صرف ایک الماری ہندوستان کی بڑی سے بڑی لائبریری سے اچھی ہوگی۔ راجہ رام موہن رائے کی تحریک سے ہندوؤں نے مغربی علوم کی طرف رجحان کر لیا تھا لیکن مسلمانوں میں نہ تو اس پایہ کا کوئی رہنما تھا جو ان کو مغربی تعلیم کی طرف ترغیب دیتا اور نہ وہ خود ہی اس کو سیکھنا چاہتے تھے۔ بقول ڈاکٹر تاراچند

> ''مسلمان اب بھی دور متوسط کے تعلیمی نظام میں خوابیدہ تھے اور وہ اپنے مکتبوں اور مدرسوں ہی میں تعلیم حاصل کرتے رہے۔ خیر آباد، جونپور اور آگرہ مشرقی علوم کے زبردست مراکز تھے جہاں افغانستان اور بخارا وغیرہ کے طلباء تحصیل

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

علوم کے لئے آتے تھے اور اپنے ملکوں کو عالم فاضل ہو کر واپس ہوتے تھے۔ مسلمانوں نے انگریزی کی تعلیم کی مخالفت کی۔ ان کا خیال تھا کہ انگریزی پڑھ کر نوجوان مذہب سے برگشتہ ہو جاویں گے رامچند (جو دہلی کالج میں ریاضی کے بڑے مشہور پروفیسر تھے) اور ڈاکٹر چمن لال (جو ایک سرجن تھے) نے انگریزی پڑھ کر عیسائیت قبول کر لی تھی ان مثالوں نے ان کے اندیشوں کو اور قوی کر دیا تھا۔'' ۲۱

عیسائی مبلغین اس ملک میں حضرت عیسیٰ کی وفات کے ۱۸۰ سال بعد ہی آ گئے تھے پرانے ریکارڈ دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں ایک بڑی تعداد میں ہندوستانیوں کو عیسائی بنا لیا تھا۔ ۱۸۳۰ء کے بعد مشنری پروپیگنڈے کو کافی کامیابی حاصل ہوئی اور ڈاکٹر الگزینڈر ڈف نے اس سلسلہ میں کافی شہرت حاصل کی۔ بنگال کے اعلیٰ ہندو طبقے اس کو محسوس کرنے لگے اور ''ہندو مذہب خطرے میں ہے'' کے نعرے عام ہونے لگے۔ یہ مشہور ہوا کہ جو اپنے بچوں کو انگریزی اسکول بھیجتا ہے وہ اپنے مذہب کو الوداع کہتا ہے۔

اختر الواسع مسلمانوں کی تعلیمی حالت کے بارے میں لکھتے ہیں۔

''مسلمانوں کی اس ابتر حالت کا سبب یہ تھا کہ وہ جدید تعلیم سے بالکل بے بہرہ تھے۔ ۱۸۷۵ء میں ہندوستان میں انگریزی تعلیم بہت ترقی کر چکی تھی۔ لیکن جیسا الفریڈ کرافٹ کی تعلیمی رپورٹ سے ظاہر ہوتا ہے مسلمان تعلیمی اعتبار سے بہت پسماندہ تھے۔ پورے ملک میں مسلمان گریجویٹ کی تعداد بیس (۲۰) تھی جن میں سے ۱۷ بی۔ اے اور تین ایم۔ اے تھے لیکن مسلمانوں کو اپنی تعلیمی پسماندگی کا کوئی احساس نہیں تھا وہ اپنے قدیم علوم پر فخر کرتے تھے جدید علوم سے ناواقفیت بھی ان کی بے روزگاری اور افلاس کا بڑا سبب تھا۔'' ۲۲

انگریزی تعلیم کے بارے میں مسلمانوں کے مقابلے میں ہندوؤں میں شدید دلچسپی پائی جاتی تھی۔ اس وقت انگریزی جاننے کا مطلب تجارت میں فروغ، سودی کاروبار میں توسیع اور ملازمت کے حصول میں آسانی تھا۔ ان تینوں پیشوں سے ہندو اکثریت وابستہ تھی۔ ہندوؤں کی اس دور کی سرگرمیوں کا سب سے بڑا محور تعلیم تھا۔ متعدد تعلیمی ادارے قائم ہوئے جن میں قدیم مذہبی علوم کے ساتھ جدید انگریزی علوم کی تدریس کا اہتمام ہوتا۔ اس وقت مسلمان انگریزوں سے مذہبی اور سیاسی اعتبار سے کبھی مفاہمت پر آمادہ نہ ہو سکتے تھے۔ چنانچہ ان کا انگریزی زبان اور تہذیب سے دور رہنا فطری امر تھا۔ ان کے برعکس ہندو انگریزوں سے انگریزی تعلیم حاصل کر کے بڑی حد تک انگریزی خیالات اور تہذیب کے حامل ہو گئے۔ انہوں نے حکمران طبقے سے بے پناہ اثرات قبول کیے۔ اور اس طرح وہ انگریزوں سے زیادہ قریب ہو گئے۔

مسلمان قوم بحیثیت مجموعی مغربی تعلیم سے متنفر تھی۔ ان کا اپنا تعلیمی نظام بکھیر دیا گیا تھا۔ مساجد اور مکتب کی بندش نے مسلم طلبہ کے تعلیمی مواقع قریب قریب ختم کر دیئے۔ علمائے کرام کثیر تعداد میں شہید ہو چکے تھے اور تعلیمی میدان میں ایک وسیع خلاء پیدا ہو چکا تھا۔ اسلامی درس و تدریس کا سلسلہ منقطع ہوا اور مسلمانوں نے اپنی اولاد کو سرکاری اور مغربی تعلیمی اداروں میں بھیجنے سے احتراز کیا تو عملاً تعلیم کے دروازے مسلمانوں پر بند ہو گئے۔ وہی قوم جو انیسویں صدی کے شروع تک باقی ساتھی اقوام سے بہت آگے تھی ۱۸۵۷ کے بعد یک دم تعلیمی پسماندگی کا شکار ہو گئی۔ مشن سکولوں اور کالجوں کا جال برصغیر میں بچھ گیا۔ ہندوؤں نے مغربی تعلیم کی افادیت اور اہمیت کا احساس بہت پہلے کر لیا تھا۔ راجہ رام موہن رائے جیسے دور اندیش ہندو لیڈروں نے ہندوؤں کو جدید مغربی تعلیم کی طرف راغب کیا تھا جس سے وہ مسلمانوں کے مقابلے پر زیادہ آگے نکل گئے۔ انگریزوں نے کلکتہ، مدراس اور بمبئے میں یونیورسٹیاں کھول دی تھیں لیکن ان اداروں میں مسلم طلبہ کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی مثلاً ۱۸۷۰ میں گریجوایٹ بننے والے ۵۱۷ طلبہ میں صرف ۷ مسلمان تھے۔

انگریزوں نے تمام آزاد تعلیمی اداروں کی جگہ یونیورسٹیاں قائم کر دیں اور حکومتی امداد اور نگرانی میں چلنے والے گورنمنٹ کالجوں کو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بھی ان یونیورسٹیوں سے ملحق کر دیا۔ایک جیسا نصاب ترتیب دیا گیا اور امتحانات کا انعقاد صرف اور صرف یونیورسٹیوں کا فریضہ قرار پایا۔اس نظام کو ہندوؤں نے دل سے قبول کیا اور مسلمان پیچھے رہ گئے۔مسلمانوں کے تعلیمی ورثہ کو ختم کرنے کے لئے ان کے تعلیمی ادارے خانقاہیں اور مدرسے بند ہو چکے تھے۔بعض کو تو سرے سے گرا ہی دیا گیا۔شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی اور مرزا مظہر جان جاناں کی خانقاہیں مسمار ہو گئیں۔ان خانقاہوں میں علمی ذخائر اور کتب خانے تھے جو برباد کر دیئے گئے۔مدرسہ رحیمیہ جو شاہ ولی اللہ کے والد مولانا عبدالرحیم نے شروع کیا تھا۔ حکومت نے چھین لیا اور اسے رائے بہادر لالہ رام کشن داس کے نام پر ایک ہندو سکول میں بدل دیا گیا۔رائے بہادر حکومت کے مخبر تھے۔ ۱۸۵۷ء سے پہلے مسلم تعلیمی ادارے مخیّر لوگوں کی امداد سے چلائے جاتے تھے۔اکثر اداروں کے ساتھ اراضی اور جاگیریں وقف تھیں جن کی آمدن سے اداروں کا خرچ چلتا تھا۔مخیّر لوگ کوڑی کوڑی کو محتاج ہو گئے اور انگریزوں نے تمام جاگیروں اور اداروں سے وابستہ جائیداد پر قبضہ کر لیا۔بنگال کے علاقے میں ساری زمین کا چوتھا حصہ تعلیمی اداروں کے لئے وقف تھا۔

تعلیمی اداروں کی تباہی کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کا علمی ورثہ جو کتب خانوں کی صورت میں دلی، لکھنؤ اور دیگر شہروں میں پھیلا ہوا تھا برباد کر دیا گیا۔مغلوں کی شاہی لائبریری آگ کی نذر ہو گئی۔ساتھ ہی ۲۴۰۰۰ کتب بھی جل گئیں۔مفتی صدرالدین کے کتب خانے اور ساری جائیداد پر حکومت نے قبضہ کر لیا۔نواب ضیاء الدین لوہارو بڑے اعلیٰ پائے کے عالم دین اور شاعر تھے۔ان کا قیمتی کتب سمیت اعلیٰ درجے کا کتب خانہ جلا دیا گیا۔شاہ ولی اللہ اور ان کے فرزندوں کی کوششوں سے ایک عظیم لائبریری وجود رکھتی تھی۔انگریز افواج نے اسے بھی ختم کر دیا۔خواجہ میر درد، نذر حسین میرزا، مولوی محمد باقر اور شیخ عبدالحق محدث کی لائبریریوں کے ساتھ بھی یہی حشر ہوا۔علم و حکمت کے نادر خزانے جلا کر خاک کر دیئے گئے۔مسلمانوں کی وراثت تباہ و برباد ہو گئی۔

جنگ آزادی سے پہلے اردو زبان میں شائع ہونے والے اخبارات ۳۵ تھے۔ان میں سے پندرہ سے زیادہ اخبارات مسلمانوں کی ملکیت تھے یا ان کے ایڈیٹر مسلمان تھے۔ان اخبارات پر بھی عذاب ٹوٹا۔اردو زبان میں چھپنے والے اخبارات کی تعداد بارہ رہ گئی۔بارہ میں سے ایک اخبار کا مالک مسلمان تھا۔مسلم اخبارات کے ایڈیٹروں پر مقدمات چلائے گئے۔انہیں سزائیں بھی ملیں اور اخبارات بھی ہمیشہ کے لئے بند کر دیئے گئے۔مسلمانوں کی معاشرتی، اخلاقی اور سیاسی تربیت کا کام یہی اخبارات کر رہے تھے۔بندش کے بعد مسلمان اس سہولت سے محروم کر دیئے گئے۔

تعلیمی شعبہ میں رفتہ رفتہ مسلمانوں کے لئے تمام مواقع ختم ہوتے گئے۔حکومت نے بھی انہیں سہولتیں نہ دیں۔مسلم اداروں کی بندش، مشنری اداروں کے فروغ، جدید مغربی تعلیم کے اجراء اور مسلمانوں کی عمومی معاشی و معاشرتی حالت وہ رکاوٹیں تھیں جو مسلمانوں کو تعلیم کے حصول سے منع کرتی رہیں۔

ہندو قومیت کے فروغ کو برطانوی سرپرستی سے بڑی تقویت پہنچتی رہی۔خود ہندو ادیبوں، شاعروں اور صحافیوں نے بھی اس سلسلے میں اہم کام انجام دیا۔اصلاحی اور قومی انجمنوں کے بانی، مصلحین اور قائدین بھی تحریروں اور تقریروں کے ذریعے یہ کام کرنے لگے۔لیکن مدھوسودن دت، رنگا لال بنرجی، بیم چندر بنرجی، بپن چندر سین اور بہاری لال چکرورتی کی شاعری، دینا بندھو مترا کے ڈراموں اور بنکم چندر چٹرجی کے ناولوں نے یہ کام زیادہ مؤثر انداز سے انجام دیا۔ان کے علاوہ کالیبر ستہ سنہا کے قدیم قومی مذہبی ادب کے ترجموں اور دوارکا ناتھ ودیا بھوشن اور راجندر لال مترا کے مضامین بھی اسی ذیل میں آتے ہیں، بنکم چندر چٹرجی نے نہ صرف ہندوؤں میں قومیت کے احساس کو مزید تقویت دی، بلکہ افسانوں اور گیتوں کے ذریعے مسلمانوں کے خلاف نفرت کے جارحانہ جذبات کو ابھارا۔اس سلسلے میں اس کا ناول ''آنند مٹھ'' نمائندہ تصنیف ہے۔ہندوؤں کا قومی گیت ''بندے ماترم'' جو اب بھارت کا قومی ترانہ ہے، اسی ناول میں شامل تھا۔

ان کوششوں کے نتیجہ میں ہندوؤں میں ایک ایسا طبقہ پیدا ہو گیا تھا جو ایسی ہی سرگرمیوں میں بہت جلد مستعد ہو گیا اور تحریر و تقریر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے کام لینے لگا چنانچہ اس عمل سے ہندو قوم نے قوت کا ایک نیا احساس حاصل کیا۔ اب یہ قدرتی امر تھا کہ اس نئی حاصل شدہ قوت کو مسلمانوں کے خلاف بھی استعمال کیا جائے۔ انیسویں صدی کے اواخر میں اس قوت نے برطانوی حکومت کے زیر سایہ جدید شکل اختیار کی۔ ''آریہ سماج'' کی تحریک اس کی ایک مثال ہے۔ اس جماعت سے ہندو قومیت کو بڑی تقویت پہنچی۔ اس کا مقصد ایک مشترکہ مذہب اور تہذیب کی بنیاد پر ایک ہندوستانی قوم کی تشکیل تھا۔ اس لئے اس جماعت کا خاص منصوبہ، شدھی کی صورت میں سامنے آیا۔ آریہ سماجی برملا کہتے تھے کہ وہ اس دن کے منتظر ہیں جب مسلمانوں اور انگریزوں دونوں سے بدلہ لیں گے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ مسلمان ہندوستان میں رہیں۔ ایک جماعت کی حیثیت سے اس نے مسلمانوں کی جتنی مخالفت کی، اتنی کسی اور جماعت نے اس وقت نہیں کی۔ اس کا بانی دیانند سرسوتی مسلمانوں کا شدید مخالف تھا۔

''اس جماعت کے زیر اثر انیسویں صدی کے اواخر تک برعظیم میں ہندوؤں کی دیگر کئی جماعتیں قائم ہوئیں اور تحریک شروع ہوئی۔ بال گنگا دھر تلک نے ہندو دیوتا گنیش یا گنپتی کی تقریب منانے کا اہتمام شروع کیا۔ اس سے ایک تو مذہبی فرقہ پرستی کا اظہار مقصود تھا اور دوسرے ہندوؤں میں مسلمانوں کے خلاف نفرت پیدا کرنا تھا۔ تلک نے مسلمانوں کی دل آزاری کے لئے اس تقریب کو محرم کی صورت میں ترتیب دیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ اس نے ہندوؤں کو مسلمانوں کے مقابلے میں ابھارنے کے لئے شیواجی کو ایک قومی ہیرو کی حیثیت سے پیش کرنا شروع کیا۔ اس نے اپنی تحریروں اور تقریروں کے ذریعے شیواجی کے عقیدت مندوں کا ایک طبقہ پیدا کر دیا۔ مسلم سلطنت کے خلاف بغاوت کرنے والا لٹیرا قومی ہیرو کے درجے تک پہنچا دیا گیا۔ مسلمانوں کے خلاف شیواجی کی سرگرمیوں کو جلسوں اور تقریروں میں سراہا جانے لگا۔ اس طرح تلک نے ہندو قوم پرستی کی ایسی ٹھوس بنیادیں سارے برعظیم میں قائم کر دیں جن پر آنے والے زمانوں میں وقتاً فوقتاً مختلف شدتوں کی جارحانہ اور مسلم دشمن تحریکات پیدا ہوتی رہیں''۔ ۲۳

خورشید مصطفےٰ رضوی انگریزوں کی تعلیمی پالیسی کے اثرات کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''تعلیمی پالیسی کا دوسرا مقصد یہ تھا کہ ہندوستان کو رفتہ رفتہ عیسائی بنا دیا جائے اور جو مقصد بدزبان پادریوں کی زہر افشانیوں سے حل نہ ہو سکا وہ یوں پورا ہو جائے۔ سر فیڈرک ہلیڈے نے دارالعوام میں کہا تھا کہ میں سمجھتا ہوں کہ ہندو کالج میں انجیل کی تعلیم اس قدر زیادہ ہے کہ انگلستان کے کسی پبلک اسکول میں بھی اتنی نہیں ہے۔ اس پالیسی کا نتیجہ جو ہونا چاہیئے وہی ہوا، دنیا کے دوسرے ممالک تھوڑی مدت میں سائنس، انجینئرنگ، صنعت و حرفت اور زراعت و تجارت میں کہیں سے کہیں پہنچے مگر ہندوستان جہاں کا تہاں ہی رہا۔ روحانی بصیرت کو اس تعلیم نے فنا کر دیا، ہماری ذہنیت ہر لحاظ سے غلامانہ ہو گئی اور بچوں کو غلط، من گھڑت اور فرقہ ورانہ تعصب سے بھرپور تاریخیں پڑھائی گئیں جن سے منافرت اور تنگ نظری ان کے دماغوں میں رچ کر رہ گئی۔'' ۲۴

انیسویں صدی کے آخر میں اردو زبان کے استعمال پر ہندوؤں کی جانب سے مخالفت شروع ہوئی۔ اپنی قومی اور اصلاحی کوششوں کی وجہ سے اس دور میں ہندو اپنی ہندی قومیت کے جذبے سے اب اس حد تک سرشار ہو چکے تھے کہ اب انہیں ایسی ہر چیز سے نفرت ہو رہی تھی جو انہیں ان کے ماضی کی یاد دلاتی جب مسلمان یہاں حکمران تھے۔ اٹھارویں صدی تک مسلمانوں کی طرح سب ہندو اردو کو برعظیم کی عام بول چال کی واحد زبان سمجھتے تھے۔ لیکن ہندوستانی معاشرے کے مختلف طبقات میں انگریزی حکمتِ عملی کی فتح بعض اوقات بالکل متضاد قسم کے رجحانات کی پرورش کا سبب ہوئی۔ جدید تعلیم کا اجراء تو ہوا لیکن انگریزی اور مقامی زبانوں کی تعلیم کے مابین کوئی تناسب قائم نہ رہنے کے باعث تعلیمی حلقوں میں ایک تو بے چینی پیدا ہو گئی اور دوسرے طویل فاصلے پیدا ہوئے۔ اور یہ امر مسلمانوں کے سلسلے میں بھی نمایاں رہا۔ اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وقت مسلمان انگریزوں سے مذہبی اور سیاسی اعتبار سے کبھی مفاہمت پر آمادہ نہ ہو سکتے تھے۔ چنانچہ ان کا انگریزی سے دور رہنا فطری تھا۔ انہوں نے اپنے لیے فارسی اور اردو ہی کو غنیمت جانا۔ اس طرح وہ اپنی تہذیب سے دور نہ ہو سکے۔ ان کے مقابلے میں جو ہندو مغربی تعلیم سے قریب ہوئے ان میں اپنے مذہب کے احیاء اور اس کی اصلاح کا جذبہ پیدا ہوا۔ کیونکہ وہ مغربی علوم کے سہارے قومیت کے جدید تصورات سیکھ رہے تھے۔ اس طرح دونوں قوموں نے اپنے اپنے اظہارِ خیال کے لیے رجعت پسندی کو اختیار کیا۔ چنانچہ ہندوؤں نے سنسکرت کے الفاظ کی بھرمار کر دی اور مسلمانوں کے ذریعہ اظہار میں عربی و فارسی کے الفاظ شامل ہونے لگے۔ انگریزوں کے دارالحکومت کلکتہ میں فورٹ ولیم کالج کے قیام کے بعد انیسویں صدی کی ابتداء میں اردو کو فارسی رسم الخط کے علاوہ دیوناگری رسم الخط میں لکھا جانے لگا۔ اور یہ کام انگریزوں کی شہ پر ہندوؤں نے بڑھ چڑھ کر کیا۔ چنانچہ دیوناگری میں لکھی جانے والی اردو ہندوؤں کے تعصب کے نتیجے میں سنسکرت سے زیادہ قریب ہوتی گئی اور ہندی کہلائی۔ یہ ایک اہم واقعہ تھا جس نے ہمیشہ کے لیے ہندوستان کی تہذیبی اور سیاسی زندگی میں ہلچل پیدا کر دی۔ یہ ہندو اور مسلم قومیتوں کا اعلانیہ اظہار تھا جس نے آگے چل کر دو قومی نظریے کو بھرپور قوت عطا کی۔

عبیداللہ فہد فلاحی انگریزوں کے مقاصد تعلیم پر یوں روشنی ڈالتے ہیں۔

"دوسری طرف ایک نیا نظام تعلیم نافذ کیا گیا جو علامہ اقبال کے بقول دین و مروت کے خلاف ایک سازش تھی۔ انگریزی تعلیم کے نام پر عیسائیت کی تبلیغ کی جارہی تھی۔ چنانچہ ڈائرکٹر کمپنی مسٹر چارلس گرانٹ نے اس نظام تعلیم کا بنیادی مقصد ان لفظوں میں بیان کیا تھا: یہ بات بالکل انگلستان کے اختیار میں ہے کہ وہ ہندوؤں کو بتدریج ہماری زبان سکھانے اور بعد میں اس کے ذریعہ ہمارے فنون، فلسفہ اور مذہب کی تعلیم دے مگر بلاشبہ سب سے اہم تعلیم جو ہندوؤں کو ہماری زبان سے ملے گی وہ ہمارے مذہب کی معلومات ہوگی۔ مسلمانوں نے اپنی سلطنت کے زمانے میں ہندوستان کے کیرکٹر میں کوئی تبدیلی نہیں کی اور ان کو اپنے حال پر چھوڑ دیا اس اندیشے سے کہ تعلیم پھیلنے سے کسی زمانے میں ہماری حکومت متزلزل نہ ہو جائے اور ہمارے فوائد کو نقصان نہ پہنچے۔ ہمیں ہندوستانیوں کو سچے مذہب (عیسوی) سے اور بہترین اخلاق سے اور علوم فنون کے اصول سے محروم نہیں کرنا چاہیے۔" ۲۵

ڈاکٹر فوق کریمی ہندوؤں پر انگریزی تعلیم کے اثرات کا جائزہ لیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"ہندوستان میں سب سے پہلے دہلی کالج میں انگریزی تعلیم کا انتظام کیا گیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب انگریزی تعلیم، زبان اور انگریزی کلچر سے ہندوستانیوں کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً نفرت تھی دوسرے مذہبی عقائد نے انگریزوں سے اور بھی منافرت پیدا کر دی تھی۔ دہلی کے کالج کے اساتذہ کے عیسائی مذہب قبول کرنے پر لوگ کچھ اور بھی مشتعل ہو گئے تھے۔" ۲۶

فرانسیسی مستشرق گارسن دتاسی ہندوستان کی سرکاری تعلیم کے نتائج پر بڑے وثوق سے لکھتا ہے۔

"اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہندوستانی نوجوان نہ صرف مشن اسکولوں بلکہ سرکاری اسکولوں میں جو تعلیم حاصل کر رہے ہیں اُس کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہ عیسائیت کی طرف مائل ہونگے۔ مسلمانوں کو خاص کر اس بات کا احساس ہے اور وہ اپنے بچوں کو ان مدارس میں بھیجنے سے احتراز کرتے ہیں اس لئے ان کا عقیدہ ہے کہ مذہب اسلام کے علاوہ نجات کا کوئی دوسرا راستہ نہیں۔ لیکن ہندو لوگ اس بات میں زیادہ سخت نہیں لہذا انھیں کی جماعت کے افراد مسیحی تبلیغ سے متاثر ہو رہے ہیں۔" ۲۷

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فصل چہارم

فکری و مذہبی حالات

مشرکین، یہودی اور عیسائی شروع سے ہی اسلام اور مسلمانوں کو اپنا مخالف تصور کرتے تھے اور اس دشمنی کا اظہار ان کی طرف سے مختلف ادوار میں مختلف طریقوں سے ہوتا رہا ہے۔ صلیبی جنگیں جس میں لاکھوں جانیں موت کے گھاٹ اتار دی گئیں۔ اس میں شکست کھانے کے بعد عیسائیوں اور یہودیوں نے متحد ہو کر مسلمانوں کے خلاف کام کرنا شروع کر دیا انہیں یقین تھا کہ وہ طاقت کے ذریعے مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے لہٰذا انہوں نے مسلمانوں میں تفرقہ ڈالا اور ان میں فحاشی و بے حیائی اور مادہ پرستی کی فضا پیدا کرنے کا منظم پروگرام بنایا۔

یورپ میں جب نشاۃ ثانیہ کا آغاز ہوا اور مسلمان سیاسی طور پر زوال کا شکار ہوئے تو اہل مغرب نے قلم کے زور سے مسلمانوں سے بدلہ لینے کی بھرپور ناکام کوشش کی انہوں نے یہودیوں اور عیسائیوں کو اسلام کے خلاف اکسانے کیلئے سرتوڑ جدوجہد کی یہاں تک کہ انہوں نے کہا کہ پیغمبرِ اسلام کی ولادت باسعادت کے ساتھ ہی عیسائیت کو ناکامیوں کا سامنا کرنا پڑنے لگا تھا۔

عیسائیوں نے تاریخی حقائق کو چھپا کر اپنے ہم مذہب لوگوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ مسلمان ہمیشہ جارح رہے ہیں بیت المقدس پر مسلمانوں کے قبضہ نے بھی عیسائیوں کو چین سے نہیں بیٹھنے دیا۔ عیسائی قیادت نے بیت المقدس چھیننے کے لئے بہت جتن کیے اور اپنے آپ کو مظلوم ثابت کرنے اور مسلمانوں کے خلاف بدگمانیاں پیدا کرنا شروع کر دیں چنانچہ عیسائیوں نے صلیبی جنگوں کی شکست کا انتقام لینے کے لیے اسلام اور حضور اکرمؐ کے بارے میں حقائق کو اپنے مقصد کے لیے غلط انداز میں استعمال کیا تاکہ مسلمانوں کو ان کے دین سے دور کیا جائے۔

ڈاکٹر رفیع الدین ان کے تعصب کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:۔

> ''مستشرقین کے دلوں میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بالعموم ایک شدید قسم کا تعصب موجود ہوتا ہے لہٰذا جب وہ اپنے میکانکی کام سے ذرا ہٹ کر مسلمانوں کے معتقدات اور نظریات کی توجیہہ کرنے لگتے ہیں تو ان سے یہ توقع کرنا بھی عبث ہوتا ہے کہ وہ اسلام کے متعلق کوئی موافقانہ رائے قائم کریں گے۔ یہی سبب ہے کہ ان کی تحقیق کا ایک حصہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اعتراضات سے معمور ہے۔'' ۲۸

برصغیر پاک و ہند میں انگریز تجارت کی غرض سے آئے اور دیکھتے ہی دیکھتے ریشہ دوانیوں سے پورے برصغیر پاک و ہند پر قبضہ کر کے مسلمانوں کو بے دخل حکومت کر دیا۔ لہٰذا ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد مسلمان باقاعدہ طور پر حکومت سے بے دخل ہو گئے۔ انگریز اس جنگ کو بھی مسلمانوں سے ہی جنگ سمجھتے تھے ابھی وہ پہلی ذلت کو نہ بھولے تھے کہ مسلمانوں کی اس جدوجہدِ آزادی نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ انگریز مسلمانوں کو اپنا اصلی اور ازلی دشمن سمجھتے تھے اسکی وجہ مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) چونکہ انہوں نے اقتدار مسلمانوں سے چھینا تھا اس لئے ان کو اپنا حریف سمجھتے تھے۔

(۲) دوسری وجہ یہ تھی کہ وہ لوگ یہ سمجھتے تھے کہ اسلام نے آ کر یہود و نصاریٰ کی کمر میں چھرا گھونپا ہے لہٰذا وہ اسلام اور اس کے ماننے والوں کے دشمن ہو گئے۔

انگریز اپنی حکمرانی کے بل بوتے پر مسلمانوں کو ان کے مذہب سے دور کرنا چاہتے تھے اس مقصد کے لیے انہوں نے دو طرح کا طرزِ عمل اختیار کیا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۱۔تاج برطانیہ کے ہمنوا مسلمانوں کو مغرب بھیج کر انگریزی تعلیم کے ذریعے ان کے ذہن کی صحیح آبیاری کی۔

۲۔برصغیر میں ایسا نظام تعلیم رائج کیا کہ جو شخص بھی اس نظامِ تعلیم کے تحت تعلیم حاصل کرتا وہ ان کا گرویدہ ہو جاتا۔انگریز سرکار نے اپنے مقصد کے حصول کے لئے پادریوں کو استعمال کیا۔جگہ جگہ مشنری سکول کھولے گئے۔عیسائیت کی تعلیم عام کردی گئی اس سے ہندو قوم تو کسی حد تک متاثر ہوئی لیکن مسلمان آسانی سے ان کا شکار نہ ہوئے لیکن کسی حد تک وہ اس میں کامیاب بھی جا رہے تھے۔لارڈ میکالے نے اپنی رپورٹ میں لکھا ہے کہ ہمیں ایک ایسی جماعت بنانی چاہیئے جو خون اور رنگ کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہو مگر مذاق اور رائے الفاظ اور سمجھ سے انگریز ہو۔

انگریز نے تعلیم یافتہ افراد کو وظائف دے کر انگلستان بھیجا پھر انہوں نے مسلمانوں کی کتب کے ترجمہ و تالیف کا اہتمام بھی کیا ان تعلیم یافتہ افراد کی وہاں مکمل ذہنی تطہیر کی جاتی جس سے وہ مرعوب ہو کر انگریزوں کے گن گاتے۔مسلمان سیاسی رہنما بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اسی کے زیر اثر عقلیت پرستی کو بنیاد بنا کر قرآن و حدیث کی تاویل کی اور عقلی استدلال کے زور پر اپنے طور پر کچھ مذہبی مسلمات کی اس انداز سے تشریح کی کہ انہیں عیسائی علماء اور دانش وروں کے لئے قابل قبول بنایا جا سکے۔

مسلمانوں کے ذہن جب اس حد تک کمزور ہو گئے کہ وہ ہر بات اور مذہبی عقیدے کی عقلی تشریح کرنے لگے تو اس موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انہوں نے اسلام پر اعتراضات کا سلسلہ شروع کیا جن سے ان کا مقصد یہ تھا:۔

۱۔مسلمانوں کے دلوں میں اسلام کے بارے میں بدگمانیاں پیدا کردی جائیں۔

۲۔اسلام کی بات کو توڑ موڑ کر پیش کیا جائے۔

۳۔اپنا زور اس بات کو ثابت کرنے پر لگایا کہ قرآن منزل من اللہ نہیں۔

۴۔نبی ﷺ کا استہزاء تا کہ ان کی محبت ان کے دل میں کم ہو جائے اور ان کی باتوں پر عمل کرنا چھوڑ دیں۔

اسلام نے سرزمین برصغیر پاک و ہند پر گہرے اثرات چھوڑے جبکہ ہندوؤں کا خیال تھا کہ دوسرے مذاہب کی طرح اسلام بھی ہندومت میں مدغم ہو جائے گا لیکن ایسا نہ ہو سکا جس سے ہندوؤں نے مسلمانوں کے خلاف ریشہ دوانیاں شروع کر دیں۔انہوں نے اسلام کے خلاف تقریراً اور تحریراً دونوں طرح سے کام کرنا شروع کیا۔دیانند کی کتاب ''ستیارتھ پرکاش'' میں چودھویں باب کا اضافہ کیا گیا جس میں اسلام اور آنحضور ﷺ پر رکیک حملے کئے گئے۔

۱۸۳۰ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے عیسائی مشنریز کو تبلیغ کی عام اجازت دے دی تھی۔یہ وہ زمانہ تھا جب ہندوستان میں قحط کے آثار پیدا ہو چلے تھے ہزار ہا ہندوستانی بھوک کے شکار تھے۔لہٰذا عیسائی مبلغین قحط سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بھوکے بچوں اور آدمیوں اور عورتوں کو کھانا تقسیم کرتے پھر عیسائی مذہب کی اچھائیاں بیان کرتے،اس طرح کافی لوگوں نے مجبوراً عیسائی مذہب قبول کر لیا۔۱۸۵۸ء میں ۴۰۹ عیسائی تبلیغی جماعتیں ہندوستان میں کام کر رہی تھیں۔۱۸۷۲ء میں ان کی تعداد ۶۰۶ ہو گئی تھی۔اس سے عیسائی مذہب کی تبلیغی اسپرٹ کا انداز ہ کیا جا سکتا ہے۔ابتداء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کا رویہ غیر جانب دارانہ تھا۔لیکن ۱۸۵۷ء کے بعد گورنمنٹ نے ان عیسائی جماعتوں کو خفیہ طور پر مدد دینا شروع کر دی اس سے ان کا تبلیغی کام اور تیز ہو گیا۔

انگریزوں کا یہ خیال تھا کہ قدرت نے انھیں ہندوستان کا حکمراں اس لئے بنایا ہے کہ وہ تمام ہندوستانیوں کو عیسائی بنا لیں۔لہٰذا اس کا اثر رفتہ رفتہ عوام اور خواص میں شروع ہو گیا۔دہلی کالج میں ماسٹر رام چندر جو ایک عالم فاضل ہندو تھے دوسرے اُن کے دوست چمن لال اور مولوی کریم الدین مصنف ''واقعات ہند'' کے بھائی عماد الدین نے اپنے مذہب کو چھوڑ کر عیسائی مذہب قبول کر لیا تھا۔عیسائی مذہب کا یہ اثر تو اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں پر تھا اور جو لوگ جاہل اور مفلوک الحال تھے اور خاص طور پر دیہاتیوں میں جہاں عیسائی تبلیغی جماعتیں اور ساتھ ساتھ کھانا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور کپڑے بھی تقسیم کر رہی تھیں وہاں کیا اثر ہوا ہوگا۔

ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت ختم ہوئی تو اس صورت حال نے اس طبقے کو پریشان کیا جو مغل اور دیگر حکومتوں سے وابستہ تھے، جاگیردار تھے یا فوجی خدمات کے صلے میں ٹھاٹھ باٹھ کی زندگی بسر کرتے تھے۔اب نئی حکومت میں وہ پریشان حال ہو رہے تھے،ایک طرف یہ مادی زندگی کا کرب ان کو ستا رہا تھا تو دوسری طرف انگریز اپنی حکومت کی توسیع کے ساتھ ساتھ اپنے مذہب کی تبلیغ پر بھی بہت مصر تھے،ایسی دستاویزی شہادتیں لا انداز مصنفین نے جمع کی ہیں۔جن سے یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ اس دور میں عیسائی پادریوں کی تبلیغ میں زبردست قسم کی جارحیت تھی اور انگریزی سرکار کے اہلکار کھلم کھلا ان پادریوں اور ان کے تبلیغی کارناموں کی سرپرستی کرتے تھے۔پنجاب میں اس امر کا شدت سے احساس انگریزی عملداری کے بعد ہونا شروع ہوا۔یہی وہ دور ہے جب اس برصغیر کی سیاست میں کئی ایک پیچیدگیاں پیدا ہوئیں۔ان پیچیدگیوں نے مذہبی تحریکوں کو جنم دیا اور دینی احیاء کے ولولوں کو مہمیز لگائی۔ایک طرف عیسائیت کے سیلاب کے خلاف مزاحمتی تحریکیں اٹھیں تو دوسری طرف اپنے دین کو سچا ثابت کرنے اور اس کو نئے دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کی دھن سوار ہوئی۔یہ دھن اور یہ تحریکیں صرف مسلمانوں میں ہی نہیں بلکہ خود ہندوؤں اور سکھوں میں بھی ابھریں،آریہ سماج،سنگھ سبھا،سرسید کی تحریک یہ سب اسی کرب کے دور کی پیداوار ہیں۔

آہستہ آہستہ حکومت کی توسیع کے ساتھ انگریز حاکموں نے مسلمانوں کے مذہبی معاملات میں بھی دخل اندازی شروع کر دی۔ انگریز فوجی افسروں نے فوج کے اندر عیسائیت کی تبلیغ شروع کر دی۔اس کے علاوہ اگر کوئی پادری فوجی بارکوں میں جانا چاہتا تو اسے تبلیغ کی عام اجازت ہوتی۔اس سلسلے میں انگریز پادریوں کی کھلم کھلا حوصلہ افزائی کرتے۔ہر انگریز فوجی خود کو مسیح کا سپاہی کہنے میں فخر محسوس کرتا۔رفتہ رفتہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ فوج میں عہدوں کی ترقی کا انحصار کافی حد تک مذہب کی تبدیلی پر رہ گیا۔اس سیاسی،اقتصادی اور ہمہ گیر اخلاقی بحران میں انگریز پادریوں کی طرف سے یہ وجہ تحریص ایسی نہ تھی جس کے نتائج ان کے نقطۂ نظر سے کارگر ثابت نہ ہوتے۔مشن کے پادریوں کو عام اجازت تھی کہ وہ فوجی چھاؤنیوں میں جا کر مسیحی مذہب کی تبلیغ کریں اور اس مذہب کی خوبیاں بیان کر کے دینی اور خاص کر دنیوی منفعت کی بشارت دیں۔

سردار محمد خاں عزیز اپنی کتاب ''سرگزشت پاکستان'' میں لکھتے ہیں۔

> ''دراصل جنگِ آزادی میں شکست کے بعد مسلمانوں نے زندگی کے ہر میدان میں ہتھیار ڈال دیئے تھے۔اور مادی اعتبار سے مغرب کی برتری کو تسلیم کر لیا تھا۔مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کی ساری کمزوریاں اور خرابیاں ابھر کر سامنے آ گئی تھیں۔غدر کے واقعہ نے مسلمانوں کے اندر چھپی ہوئی عیش پسندی،کاہلی اور انحطاطی رجحانات،نئے حالات کا مقابلہ کرنے کی بے ہمتی اور عافیت کوشی اچانک ظاہر کر دی تھیں۔قدیم مشرقی علوم وفنون مغرب کے متعلق اور سائنٹیفک تحقیق پر مبنی علم وآگہی کے مقابلے میں بے معنی اور بے اثر نظر آ رہے تھے۔نئے حالات روز بروز مادی اور روحانی زندگی میں کشمکش پیدا کر رہے تھے۔مسلمان مادی وسائل سے تو پہلے ہی ہاتھ دھو بیٹھے تھے۔اب مذہب بھی خطرے میں تھا۔'' ۲۹

انگریز حکمرانوں کی سرپرستی میں مسلمانوں اور ان کے دین کے خلاف دن رات پراپیگنڈہ جاری تھا۔اس سلسلے میں سر ولیم میور کی کتاب ''لائف آف محمد ﷺ'' چار جلدوں میں شائع ہوئی جس میں بے شمار قابل اعتراض باتیں تحریر تھیں۔جن کا جواب بڑی محنت اور عرق ریزی سے سید احمد خاں نے کئی سال بعد لکھا اور کسی حد تک انگریز پادریوں کی زبان بند کرنے کی کوشش کی اُن دنوں عام عیسائی پادری جب بھی اسلام پر قلم اٹھاتے تو مذہبی تعصب سے اندھے ہو کر مسیحی مذہب کی تعریف میں زمین وآسمان کے قلابے ملا دیتے اور اس کے مقابلے میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اسلام کو ایک ایسا مذہب بیان کرتے جو عقلیت، سائنس، علوم وفنون اور ادب وشائستگی کے منافی ہے۔

اس وقت مسلمانوں کی عام ذہنی حالت یہ تھی کہ انہیں ہر نئی چیز اور ہر نئے علم سے وحشت تھی۔ قرونِ وسطیٰ میں تیرھویں اور چودھویں صدی عیسوی کے بعد علم وادب، فلسفہ اور سائنس کی ترقی تقریباً رک گئی تھی۔ ایک کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا شاہی خاندان مختار رہا اور برسرِ اقتدار آتا رہا۔ جاگیر شاہی نظام میں جس قدر ترقی ہو سکتی تھی وہ اپنے عروج پر پہنچ کر اچانک رو بہ زوال ہو چکی تھی۔ شاہی خاندان ابھرتے رہے اور صفحۂ ہستی سے نیست ونابود ہوتے رہے اور اس کے ساتھ ساتھ اخلاقی تصورات اور مذہبی عقائد اور سماجی نظریات بھی بدلتے رہے۔ اس طرح برسوں تک مسلمانوں کے فکری ارتقاء کی کوئی خاص سمت متعین نہ ہو سکی۔ شاہی خاندان اپنی مرضی کے مطابق حکومتیں کرتے رہے اور عوام سیاسی جھگڑوں سے الگ تھلگ تہذیبِ نفس کے لئے وحدت الشہود اور وحدت الوجود قسم کے مسائل میں الجھے رہے۔ حرص وآز کے بندوں نے روحانی دکانیں کھول لیں۔ عام مسلمان عملی جدوجہد اور علم وفضل کے ذریعے مسائل حل کرنے کی بجائے پیری مریدی میں یقین کرنے لگے۔ خانقاہیت نے جہادِ زندگی کو ایک پرخطر سراب کا نام دیا۔ عملی زندگی کو اس لئے بیکار کہا کہ انسان کا سب کچھ جبرِ تقدیر کے تابع ہے۔ ذہنی طور پر ہندی مسلمان ابھی تک مغلیہ عہد کے جاگیرانہ نظام میں ٹامک ٹوئیاں مار رہے تھے۔ اور سلطنت مغلیہ کے نظریہ رزم وبزم کو منتہائے زیست سمجھے ہوئے تھے۔ یہ لوگ حالات کا صحیح جائزہ لے کر وقت کے تقاضوں کے مطابق کسی تبدیلی کے خواہاں نہ تھے۔ اس کے مقابلے میں ہندوؤں نے وقت کی آواز کو دھیان سے سن لیا تھا اور سنتے ہی فوراً عملی میدان میں کود پڑے تھے۔ مسلمانوں نے مغرب سے آئے ہوئے علوم فنون کا شعوری طور پر مقاطعہ کیا اور سائنسی علوم کو مداخلت فی الدین قرار دیا اور اقتصادی، تعلیمی اور سیاسی ترقی میں پیچھے رہ گئے۔ اس کے مقابلے میں ہندوؤں نے ہر میدان میں ترقی کی۔ چنانچہ ایک اندازے کے مطابق ہندی مسلمان اقتصادی اور معاشی اعتبار سے ایک صدی اور تعلیمی لحاظ سے کم از کم پچاس سال پیچھے رہ گئے اور باوجود انتہائی کوششوں کے یہ کمی آج تک پوری نہ ہو سکی۔ مسلمانوں کی آنکھیں اس وقت کھلیں جب ۱۸۰۳ء میں لارڈ لیک دہلی میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہو گیا اور ۱۸۵۶ء میں برطانیہ نے نواب واجد علی شاہ کو معزول کر کے اقتدار سے محروم کر دیا۔ مقامی طور پر مسلمان علماء اور مفکرین اس وقت بھی قیام امامت جہاد فی سبیل اللہ، دارالسلام اور دارالحرب وغیرہ قسم کی اصطلاحوں میں گفتگو کرتے اور اس امر کی طرف قطعاً دھیان نہ دیتے تھے کہ قوم پر کیا قیامت گزر چکی ہے اور آئندہ کیا ہونے والا ہے۔

انگریزوں نے نہ صرف مسلمانوں کی معاشی اور سماجی زندگی کو مفلوج کر دیا بلکہ انھوں نے مسلمانوں میں نصرانیت کی تبلیغ بھی شروع کر دی۔ وہ زبردستی لوگوں کو عیسائی بنا لیتے تھے۔ چنانچہ ۱۸۵۰ء میں مسلمانوں کے قانون وراثت کے خلاف ایک نیا قانون نافذ کیا گیا جس کی رو سے تبدیلی مذہب کے بعد بھی ہر شخص اپنے آباؤ اجداد کی وراثت کا حق دار رہ سکتا تھا۔

مسلمانوں کے قانون کو برطرف کر دیا گیا اور مسلمانوں کے فیصلے بھی انگریزی عدالتوں میں ہونے لگے۔ اسلامی قوانین میں مداخلت شروع کر دی گئی جو مسلمانوں کے لئے ناقابلِ برداشت تھی چنانچہ اکثر علماء نے ہندوستان کو دارالحرب قرار دے دیا اور جہاد کا فتویٰ دے دیا۔

> ”یہ زمانہ مسلمانوں کے لئے نہایت پرآشوب تھا اور ان کے خلاف ایسا سخت پراپیگنڈہ تھا جو کبھی ان کو ابھرنے نہ دے دیتا۔ اخبارات میں مسئلہ جہاد ایک خاص موضوع بحث تھا۔ مسلمانوں پر الزام لگایا گیا کہ انہوں نے ہی سرحدیوں کو انگریزوں کی مخالفت پر برانگیختہ کر رکھا تھا۔ ۱۸۵۸ء کے بعد جو لڑائیاں ہوئیں وہ اسی سازش کا اثر سمجھی گئیں۔ عین اسی دوران میں ایک سرحدی پٹھان نے بماہ فروری ۱۸۷۱ء بمقام انڈمان لارڈ میو کو اور دوسرے نے کلکتہ میں مسٹر نارمن چیف جسٹس کو قتل کر دیا جو محض دو افراد کا مجنونانہ جوش تھا۔ مگر ان واقعات پر مذہبی تعصبات کا گہرا رنگ چڑھایا گیا۔
> یہی وقت تھا کہ ایک ممتاز انگریز ڈاکٹر ہنٹر نے ایک کتاب شائع کی جس میں مسلمانوں کی دوستی کے پردہ میں اسلامی

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

Allama IQBAL Open University Library (ACQUISITION SECTION) Acc. No 64588 Date 05-01-2006

تعلیمات کو ایسی تدلیس وتاویل کے ساتھ دکھایا گیا کہ خواہ مخواہ مسلمان عیسائیوں کا دشمن نظر آتا تھا۔" ۳۰

کمپنی کی حکومت نے جو تعلیمی پالیسی قائم کی اس کی حقیقی غرض یہ تھی کہ ہندوستانیوں کو مغربی علوم وخیالات سے آشنا کر کے ایک ایسی نسل پیدا کی جائے جو مغربی تہذیب وتمدن کی ترقی کا باعث ہو اور نظم ونسق ملکی کے انگریزی طبقوں کو بہ آسانی اختیار کر سکے چنانچہ کلکتہ اور برطانوی ہند کے خاص خاص شہروں میں اس تعلیم نے قبولیت عام حاصل کی مگر جن لوگوں میں یہ قبولیت ہوئی ان میں ہندوؤں کی وہ اعلےٰ ذاتیں تھیں اور زیادہ تر برہمن جن کے یہاں صدیوں سے تعلیمی اجارہ داری تھی۔

مسلمانوں میں مشنری پروپیگنڈے سے اسلام کو بچانے کا خیال دیر سے پیدا ہوا۔ انیسویں صدی میں ہندوستان میں اسلام زوال کی آخری منزل پر پہنچ چکا تھا۔ اسلام کا صحیح تخیل لوگ بھول گئے تھے۔ مولویوں، فقیروں تعویز گنڈوں پر ان کا اعتقاد مضبوط ہوتا جارہا تھا۔ مساجد میں ایک امام اور چند مقتدیوں کے علاوہ اور کوئی نہ ہوتا تھا شراب نوشی کا جو مذہباً ناجائز ہے۔ عام رواج ہوتا جارہا تھا اور اس سے جو تمام برائیاں پیدا ہوتی ہیں، ان سب میں مسلمان گھرے جارہے تھے۔

"برصغیر میں اسلامی جدیدیت" میں اس وقت کی مذہبی صورتحال کا نقشہ یوں کھینچا گیا ہے۔

"۱۸۵۵ء سے ۱۸۵۷ء تک کے سال اس لیے بھی قابلِ ذکر ہیں کہ ان برسوں میں مسلمان علماء نے عیسائی مبلغین کے مناظروں کے مقابلے میں اجتماعی اور جوابی حملہ کا آغاز کردیا۔ اس مہم نے رسالوں اور کتابچوں کی اشاعت اور پبلک مناظروں کی جاندار صورت اختیار کرلی اور مسیحی مبلغین کے دلائل وبراہین کی دھجیاں بکھیری جانے لگیں اور زیادہ زور اس بات پر تھا کہ تثلیث، حقیقی مسیحیت کی تضحیک ہے۔ ان مناظروں میں سب سے زیادہ قابل ذکر مناظرہ مشہور مناظر سی جی پفنڈر اور مسلمان عالم رحمت اللہ کیرانوی کے درمیان ہوا جس میں موخر الذکر کی مدد مغربی خیال کے عالم وزیر خاں نے کی۔ یہ مناظرہ متعدد برطانوی حکام کی موجودگی میں ہوا جس میں مشہور عالم مناظرہ کرنے والا سر ولیم میور، ہندو، عیسائی مسلمان علماء اور عام لوگ سب شامل تھے۔" ۳۱

اقتدار مسلمانوں سے چھنتا گیا تو ان کے مذہب اور عقائد پر ناروا حملوں کا سلسلہ شروع کردیا گیا۔ عیسائی مشنریوں اور ہندو مذہبی تنظیموں نے اسلام، پیغمبر اسلام اور رسالت حضرت محمدؐ پر غیر اخلاقی تنقید کا انداز اپنا لیا۔ جب تک مسلمانوں کی حکومت قائم رہی وہ اپنی رواداری کی وجہ سے اعلیٰ پہچان رکھتے تھے لیکن غیر مسلم برسر اقتدار آئے تو انہوں نے مذہبی جذبات کے احترام کی روایت ترک کردی۔ جنگ میں شرکت کے الزام کے تحت ہزاروں علمائے کرام اور دینی مدرسوں کے طلبہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

مسلمانوں کے مذہبی ادارے مساجد اور مدرسے بند کردیئے گئے۔ بعض مساجد اور اداروں میں گورا اور سکھ پلٹنوں کو ٹھہرایا گیا جو ہر قسم کے لہو ولعب میں مبتلا مساجد کی بے حرمتی کرتے رہے۔ بیشتر مساجد پر تالے ڈال دیئے گئے۔ مسلمانوں کے لئے باجماعت نماز کی ادائیگی ممکن نہ رہی۔ اسلام اور اس کے پیروکاروں کو تباہ کرنے کے لئے انگریزوں نے باقاعدہ اور منظم پالیسیوں پر عمل کیا۔ حکومت عیسائیت کی تبلیغ اور اسلام کو ختم کرنے کے لئے پرجوش انداز میں مشنری اداروں کی سرپرستی کرنے لگی۔

عیسائی مشنریوں نے بلا جھجک اور دیدہ دلیری سے مسلمانوں کو حلقہ عیسائیت میں داخل کرنے کے لئے جبر سے کام لینا شروع کردیا۔ اسلامی قوانین کا مذاق اڑایا گیا اور مسلمانوں کے جذبات کی پرواہ کئے بغیر ان کے عقائد پر رکیک حملے کئے گئے۔ عیسائی پادری یہ ثابت کرنے کے لئے کہ اسلام ایک غلط اور گمراہ کن مذہب ہے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ میں مسلمانوں کی ناکامی کو پیش کرتے اور کہتے کہ اگر یہ سچا مذہب ہوتا تو اس کے ماننے والے ذلیل وخوار نہ ہوتے۔ عیسائی مشنریوں نے مسلمانوں کو عیسائیت کا دنیا میں سب سے بڑا دشمن کہا اور ان کی حوصلہ شکنی کے لئے ہر حربہ استعمال کیا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ولیم مور نے "Life of Mohammad" میں اسلام کے اصولوں اور حضور پاک کی ذات پر کیچڑ اچھالا۔ اور کہا کہ

قرآن اور محمد کی تلوار، تہذیب، سچائی اور آزادی کے سب سے بڑے دشمن ہیں۔

انگریز سول آفیسر ولیم ہنٹر نے تجویز کیا کہ عیسائیت کو تیزی سے مسلمانوں میں پھیلایا جائے تاکہ ہندوستان پر مسلمانوں کے تسلط کے قیام کو روکا جا سکے۔ حکومت نے عیسائی مشنریوں کو عمارتیں اور فنڈز فراہم کئے۔ انہیں ہر قسم کا تحفظ حاصل تھا۔ اس سے مسلمانوں کے لئے بہت بڑا خطرہ پیدا ہو گیا۔

مسلمانوں کے لئے مذہبی تعلیم کا بندوبست عہد مغلیہ میں مساجد سے ملحق مدرسوں میں کیا جاتا تھا۔ ان مدرسوں کو بند کر دیا گیا جس سے مسلمان طلبا اپنے دینی علوم سے بے بہرہ ہونے لگے۔

عیسائی مشنریوں کی اسلام دشمن سرگرمیوں کی وجہ سے مسلم آبادی سخت مضطرب تھی لیکن وہ اپنے عقائد کے دفاع میں کچھ کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتی تھی۔ اسے مجبوراً خاموشی سے سب کچھ برداشت کرنا پڑا اور اندر ہی اندر نفرت کا لاوا ابلتا رہا۔ عیسائیوں سے نفرت اور دوری کا یہ عمل مسلمانوں کے لئے مزید نقصان دہ ثابت ہوا۔ وہ سیاسی، معاشی اور معاشرتی اعتبار سے مزید پسماندہ ہوتے گئے۔

انگریزوں کا جیسے جیسے ہندوستانیوں اور بالخصوص مسلمانوں کے ساتھ جو سلوک کیا تھا اس کا اندازہ تاریخ کے مطالعہ سے بآسانی کیا جا سکتا ہے۔ جب کوئی قوم کسی قوم پر فاتح ہوتی ہے تو عام طور پر وہ مفتوح کے ساتھ غلاموں جیسا سلوک کرتی ہے۔ انگریزوں نے بھی یہی طریقہ ہندوستان کو فتح کرنے کے بعد ہندوستانیوں کے ساتھ غلامانہ سلوک اختیار کیا۔ انہوں نے سب سے پہلے تو ہندوستانیوں کے مذہب میں عیسائی مشنریز کے ذریعہ ہندو اور مسلمانوں کے مذہبی عقائد پر حملے شروع کر دیئے۔ دوسرے ہندوستانیوں کی اقتصادی بدحالی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انھیں طرح طرح سے پریشان و ذلیل کرنا شروع کر دیا۔ حکومت کی طرف سے عیسائی پادری بیعت کی تبلیغ کیلئے ملک کے مختلف حصوں میں بھیجے جاتے اور یہ پادری ہندوستانیوں کو مجبور کرتے تھے کہ وہ پادریوں کا وعظ سنیں اور ان کے بتائے ہوئے راستوں کو اختیار کریں تو حکومت ان سے خوش ہوگی۔ پادری صاحبان اپنی تقریروں میں صرف اپنے مذہب کی خوبیوں پر اکتفا نہیں کرتے تھے۔ بلکہ دوسرے مذاہب کی مقدس کتابوں پر بھی اعتراض کرتے تھے۔ ہندو اور مسلمانوں کے بزرگوں کی ذلت باتوں میں کرتے تھے اور یہ بیچارے مجبوری اور بیچارگی سے اس ذلت کو برداشت کرتے تھے۔ مشنری اسکول میں جو ہندو اور مسلمان بچے داخل ہوتے تھے۔ ان کو عیسائی مذہب کی تعلیم دی جاتی تھی۔ لیکن اس کے باوجود ہندوستانی اپنے بچوں کو ان مدرسوں میں بھیجنے پر مجبور تھے کیوں کہ اس تعلیم کے بغیر ان کو سرکاری ملازمت پانے یا اسباب معیشت مہیا کرنے کی کوئی صورت نہ تھی۔

ڈاکٹر فوق کریمی ہندوستان کے مذہبی معاملات میں سرکاری مداخلت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

''اس سے زیادہ تکلیف دہ بات یہ ہوئی کہ ۱۸۵۵ء میں کلکتہ کے پادری اے زیڈ منڈ نے مختلف لوگوں اور بالخصوص سرکاری ملازمین کو ایک گشتی مراسلہ بھیجا جس میں لکھا تھا کہ تمام ہندوستان میں ایک عملداری ہوگئی ہے۔ تار برقی کی وجہ سے ایک جگہ کی خبریں دوسری جگہ بڑی آسانی سے آجا سکتی ہیں ریل کے اجراء کے باعث آمدورفت میں بھی آسانی ہوگئی اس لئے مناسب ہے کہ لوگوں کا مذہب بھی ایک یعنی عیسائی مذہب ہو جائے۔ ان باتوں پر مستزاد یہ کہ بعض قوانین ایسے منظور ہوتے جن سے ہندوؤں اور مسلمانوں کے مذاہب و عقائد میں مداخلت ہوتی تھی۔ مثلاً ستی کی رسم جو ہندوؤں میں ایک دیرینہ رسم چلی آرہی تھی اس کو جبراً اور قانوناً روکا گیا۔'' ۳۲

اسی طرح کی صورتحال جواہر لال نہرو ''تلاش ہند'' میں ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

''اس پر طرہ یہ کہ انگریزوں کے عہد حکومت میں اول سے آخر تک جان بوجھ کر یہ پالیسی اختیار کی گئی کہ ہندوستانیوں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں پھوٹ ڈالی جائے اور ایک گروہ کے مقابلے میں دوسرے کی حمایت کی جائے۔ ابتداء میں پالیسی کا کھلم کھلا اعتراف کیا جاتا تھا اور سچ پوچھیے تو ایک سامراجی طاقت کے لئے یہ پالیسی اختیار کرنا بالکل قدرتی چیز ہے۔ قومی تحریک کے شروع ہونے کے بعد اس پالیسی نے زیادہ لطیف اور خطرناک صورتیں اختیار کر لیں اگرچہ اب اس سے انکار کیا جاتا تھا لیکن حقیقت میں یہ پالیسی پہلے سے کہیں زیادہ شدت سے برتی جارہی تھی۔'' ۳۳

عبیداللہ فہد فلاحی کے بقول:۔

''اسی زمانے میں گورنر یوپی سر ولیم میور نے "The Life of Prophet" لکھی جس میں آنحضرت کی شائستہ اور با اخلاق زندگی پر رکیک اعتراضات کئے گئے ازواج مطہرات، مسئلہ جہاد اور تعدد ازدواج جیسے مسائل پر خوب گندگی اچھالی گئی۔ صاف صاف لکھا گیا کہ دنیا کو اس وقت دو خطرے درپیش ہیں (نعوذ باللہ) ایک محمدؐ کی تلوار سے اور دوسرا محمدؐ کے قرآن سے، اور جب تک ہم دونوں کو ختم نہیں کر دیں گے۔ چین سے نہیں بیٹھیں گے۔'' ۳۴

الغرض انگریزی حکومت نے کبھی ہندوستانیوں کے مذہب کا احترام بھی نہ کیا۔ انگریز اعلانیہ طور پر ہندوستانیوں کے مذاہب پر حملے کرتے تھے۔ انگلستان سے پادری بھیجے گئے۔ جگہ جگہ مشنری سکول قائم ہوئے اور یہ تمام اخراجات ہندوستان کے خزانے سے ادا کئے جاتے تھے۔ مسلمان عیسائی مبلغین کے ان طریقوں سے خوش نہیں تھے۔ جو انہوں نے اختیار کیے تھے۔ وہ ان بیانات سے بھی ناخوش تھے جو پارلیمنٹ میں دیے جاتے تھے۔ اور جن میں کہا جاتا تھا کہ اگر ہندوستان کے وسیع علاقے کو یسوع مسیح کے لئے فتح نہ کیا گیا تو ہندوستان میں برطانوی حکومت کے قیام کا سارا مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔ عیسائی مبلغ بازاروں، شفاخانوں، جیل خانوں میں جس جگہ موقع ملتا تبلیغ کرتے تھے۔ ان کے طریقہ کار سے معلوم ہوتا تھا کہ ان کو حکومت کی مدد حاصل تھی۔ سرکاری مدرسوں میں انجیل کی تعلیم لازمی تھی۔ بعض قوانین صرف اس لیے نافذ کیے گئے تھے کہ ان کے ذریعے عیسائیت قبول کرنے والوں کو فائدہ پہنچایا جائے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حوالہ جات

۱	ڈبلیو، ڈبلیو، ہنٹر	،	آور انڈین مسلمانز	(مترجم: ڈاکٹر صادق حسین) ص:۱۳۰
۲	حمید رضا، صدیقی	،	نظریہ پاکستان	، ص:۴۶
۳	سردار محمد خان، عزیز	،	سرگزشت پاکستان	، ص:۲۸، ۲۹
۴	سردار محمد خان عزیز	،	سرگزشت پاکستان	، ص:۳۰
۵	اختر الواسع	،	سرسید کی تعلیمی تحریک	، ص:۱۳
۶	نہرو، جواہر لال	،	تلاش ہند	، ص:۴۳۲
۷	فاروق ملک	،	تخلیق پاکستان	ص:۴۳
۸	ندوی، ابوالحسن علی، سید	،	مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کش مکش،	ص:۸۸
۹	شان محمد، ڈاکٹر	،	سرسید تاریخی و سیاسی آئینے میں	، ص:۹
۱۰	محمد اکرام شیخ	،	موج کوثر	ص:۵
۱۱	زبیری، محمد امین	،	سیاست ملیہ	ص:۲۷، ۲۸
۱۲	ڈبلیو، ڈبلیو، ہنٹر	،	آور انڈین مسلمانز	(مترجم: ڈاکٹر صادق حسین) ص:۱۲۷
۱۳	ڈبلیو، ڈبلیو، ہنٹر	،	آور انڈین مسلمانز	(مترجم: ڈاکٹر صادق حسین) ص:۱۳۴
۱۴	ڈبلیو، ڈبلیو، ہنٹر	،	آور انڈین مسلمانز	(مترجم: ڈاکٹر صادق حسین) ص:۱۴۳
۱۵	ڈبلیو، ڈبلیو، ہنٹر	،	آور انڈین مسلمانز	(مترجم: ڈاکٹر صادق حسین) ص:۱۴۴
۱۶	نہرو، جواہر لال	،	تلاش ہند	، ص:۳۸۸
۱۷	نہرو، جواہر لال	،	تلاش ہند	، ص:۳۸۹
۱۸	عبدالرشید، میاں	،	پاکستان کا پس منظر اور پیش نظر	، ص:۹۱
۱۹	ندوی، ابوالحسن علی، سید	،	مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کش مکش،	ص:۸۷
۲۰	ڈبلیو، ڈبلیو، ہنٹر	،	آور انڈین مسلمانز	(مترجم: ڈاکٹر صادق حسین) ص:۱۴۹
۲۱	شان محمد، ڈاکٹر	،	سرسید تاریخی و سیاسی آئینے میں	، ص:۱۳، ۱۴
۲۲	اختر الواسع	،	سرسید کی تعلیمی تحریک	، ص:۱۵
۲۳	معین الدین عقیل، ڈاکٹر،		مسلمانوں کی جدوجہد آزادی	، ص:۶۴، ۶۵
۲۴	خورشید مصطفےٰ، رضوی	،	جنگ آزادی ۱۸۵۷ء	، ص:۷۹، ۸۰
۲۵	عبیداللہ فہد، فلاحی	،	تاریخ دعوت و جہاد	، ص:۶۰۵
۲۶	نوق کریمی، ڈاکٹر	،	سرسید کے سیاسی افکار	، ص:۶۴
۲۷	گارسان دتاسی	،	خطبات گارسان دتاسی	، ص:۵

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۲۸	رفیع الدین، ڈاکٹر	،	اسلامی تحقیق کا مفہوم، مدعا اور طریق کار	،	ص:۹
۲۹	سردار محمد خان، عزیز	،	سرگزشت پاکستان	،	ص:۲۷
۳۰	زبیری، محمد امین	،	سیاست ملیہ	،	ص:۳۴
۳۱	عزیز احمد، پروفیسر	،	برصغیر میں اسلامی جدیدیت	،	ص:۴۸
۳۲	فوق کریمی، ڈاکٹر	،	سرسید کے سیاسی افکار	،	ص:۴۸
۳۳	نہرو، جواہر لال	،	تلاش ہند	،	ص:۳۹۷
۳۴	عبید اللہ فہد، فلاحی	،	تاریخ دعوت و جہاد	،	ص:۲۰۳

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

باب دوم

تعارف سرسید اور عبدالحق حقانی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فصل اول

سرسید احمد خان کی مختصر سوانح حیات

پیدائش

''سرسید احمد خان ۵ ذی الحجہ ۱۲۳۲ھ مطابق ۱۷ اکتوبر ۱۸۱۷ء کو دلی میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد میر محمد متقی ایک آزاد طبیعت انسان تھے۔ دنیاداری کے مشغلوں میں کم دلچسپی لیتے تھے وہ مشہور نقش بندی بزرگ شاہ غلام علی کے مرید تھے۔ اور اپنا بیشتر وقت ان کی صحبت یا تیراکی اور تیراندازی میں جس کے وہ بڑے ماہر تھے صرف کرتے تھے۔'' ۱

سلسلہ نسب

''ان کا سلسلہ نسب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے سترھویں پشت میں ہے ان کے آباؤ اجداد اموی اور عباسی خلفاء کے زمانوں میں عرب سے ہجرت کر کے ایران و ہرات میں آباد ہوئے پھر عہد شاہ جہانی میں ہندوستان آ گئے اور بہت جلد دربار میں رسوخ و اعزاز حاصل کر لیا۔'' ۲

مولانا الطاف حسین حالی کے مطابق

''وہ باپ کی طرف سے حسینی سید ہیں ان کا سلسلہ نسب ۳۲ واسطوں سے آنحضرت صلعم تک پہنچتا ہے اور جیسا کہ شجرہ نسب مندرجہ خطبات احمدیہ سے پایا جاتا ہے ان کے سلسلہ نسب میں سب سے اخیر امام حضرت محمد تقی ابن امام موسیٰ رضا علیہم السلام ہیں اور اسی لیے وہ اپنے تئیں تقوی سید کہتے تھے۔'' ۳

''آپ کے اجداد شاہ جہان کے زمانے میں ایران سے آئے تھے اور دہلی میں مقیم ہو گئے تھے۔ مغل دربار میں اعلیٰ مناصب پر فائز رہے آپ کے دادا نواب جواد علی خان، عالمگیر ثانی کے دربار میں ہزاری منصب دار اور نانا خواجہ فرید الدین (دبیر الملک) مغل بادشاہ اکبر ثانی کے وزیر اعظم اور مغل بادشاہ اور انگریزی کمپنی کے درمیان سفارت پر مامور تھے۔'' ۴

تعلیم و تربیت

سرسید کی والدہ کا ان کے چال چلن پر نہایت مفید اثر پڑا۔ ماں کی آغوش عاطفت میں سرسید کی بہت عمدہ تربیت ہوئی۔ ابھی آپ بچے ہی تھے کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور جو پنشن مرحوم کو ملتی تھی بند ہو گئی تمام خاندان کا بوجھ سرسید کی والدہ پر آ پڑا اور اس عورت نے زندگی بھر کفایت شعاری کو اپنا اصول بنائے رکھا۔ سرسید کی تربیت زیادہ تر ان کی والدہ نے کی جو بڑی دانشمند اور دور اندیش خاتون تھیں اس بات کا اندازہ اس واقعہ سے بخوبی ہو جاتا ہے۔ سرسید احمد خان کی تربیت اور تعلیم اور تعمیر اخلاق و کردار میں ان کی والدہ کو بہت دخل حاصل تھا۔

سرسید کی والدہ نے ان کی تربیت کا کس قدر خیال رکھا اس کا اندازہ ہمیں اس ایک چھوٹے سے واقعہ سے ہو سکتا ہے ایک مرتبہ انہوں نے اپنے ایک نوکر کو تھپڑ دے مارا ان کی والدہ نے اس بات پر انہیں گھر سے نکال دیا اور اس وقت تک معاف نہیں کیا جب تک انہوں نے اس نوکر سے معافی نہیں مانگ لی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سرسید کے ابتدائی اثرات میں سے دو باتیں خاص طور پر نمایاں ہیں ایک ان کے ننھیال کے طور طریقے اور دوسرے ان کا مذہبی ماحول۔اس زمانے کے مشہور بزرگ شاہ غلام علی صاحب نے ان کی رسم بسم اللہ ادا کی تھی۔آپ نے گھر پر ہی قرآن مجید ناظرہ پڑھا اس کے بعد اپنے ماموں سے حساب کی مروجہ درسی کتابیں پڑھیں اسی زمانے میں طب پڑھنے کا شوق پیدا ہوا یہی الفاظ ''تذکرہ سرسید'' میں بھی مذکور ہیں۔

شاہ صاحب ہی نے سرسید کا نام احمد رکھا تھا اور ان کی بسم اللہ کی تقریب بھی شاہ صاحب ہی کے ہاتھوں ہوئی تھی۔سرسید کے والد اکثر انہیں اپنے ساتھ شاہ صاحب کی خدمت میں لے جاتے تھے اور انہیں خود شاہ صاحب سے جس طرح عقیدت ہوگئی تھی اس کا اندازہ ان کے ایک شعر سے ہوتا ہے جو انہوں نے اپنی بسم اللہ کے متعلق لکھا ہے اور بعد میں بڑے فخر کے ساتھ سنایا کرتے تھے۔

بہ مکتب رفتم و آموختم اسرارِ یزدانی
زفیض نقشبندِ وقت، جانِ جان جانانی

''سرسید کی تعلیم پرانے اسلامی اصولوں پر ہوئی۔پہلے قرآن مجید پڑھا۔پھر فارسی کی درسی کتابیں مثلاً کریما، خالق باری، آمد نامہ، گلستان، بوستان وغیرہ پڑھیں۔عربی میں شرح ملا، شرح تہذیب، میبذی، مختصر معانی اور مطول کا کچھ حصہ پڑھا۔ریاضی کا علم انہوں نے اپنے ماموں نواب زین العابدین سے سیکھا اور طب حکیم غلام حیدر خان سے اس کے بعد وہ اپنے طور پر مختلف کتابیں پڑھتے رہے اور ۱۸۴۶ء سے ۱۸۵۵ تک جب وہ دہلی کی منصفی پر مامور تھے انہوں نے تحصیل علم میں زیادہ ترقی کی۔اس زمانے میں سرسید نے جن بزرگوں سے فیض حاصل کیا ان میں امام الہند شاہ ولی اللہؒ کے پوتے شاہ مخصوص اللہ، اور شاہ عبدالعزیز کے جانشین محمد اسحاقؒ اور مولانا محمد قاسم نانوتوی کے استاد اور محسن مولانا مملوک علی نانوتوی کے نام لیے جاتے ہیں۔'' ۵

زمانہ شباب کے مشاغل

سرسید احمد خان کا شباب کا زمانہ زندہ دلی اور رنگین صحبتوں میں گزرا۔وہ راگ و رنگ کی مجلسوں میں شریک ہوتے۔باغوں کی سیر کو جاتے۔ہولی کے تماشوں اور جلسوں میں جاتے موسم بہار کے آغاز میں دلی میں مختلف درگاہوں پر جو بسنت کا میلہ منعقد ہوتا تھا اور اس میں وہ اپنے دیگر بھائیوں کے ساتھ منتظم و مہتمم ہوتے تھے۔ اس زمانے میں خواجہ محمد اشرف دلی کے ایک بزرگ تھے ان کے ہاں گھر پر بسنت کا جلسہ بڑی دھوم دھام سے ہوتا۔چنانچہ سرسید اس میں بھی ہمیشہ شریک ہوتے تھے۔سرسید کے ماموں نواب زین الدین خان کے مکان پر بڑے بڑے نامی گویئے دھرپت اور خیال گانے والے جمع ہوتے تھے میر ناصر احمد جو دلی میں مشہور بین نواز تھے وہ بھی آتے تھے۔اسی طرح خواجہ میر درد کے سجادہ نشین ہر مہینے کی چوبیسویں رات کو ایک درویشانہ جلسہ کیا کرتے تھے اس میں بھی بڑے نامی گویئے آتے تھے دھرپت اور خیال گاتے تھے اور میر ناصر احمد جو کہ اسی خاندان میں بیعت تھے وہ بھی بین نوازی کا مظاہرہ کرنے کیلئے آتے تھے۔ان جلسوں میں سرسید بھی شریک ہوا کرتے تھے سرسید جیسے بڑھاپے میں بذلہ سنج تھے جوانی میں اس سے بھی زیادہ ظرافت اور حاضر جوابی ان کی طبیعت میں تھی۔چنانچہ بہت سے واقعات مشہور ہیں۔

''جب وہ نوکر ہو کر آگرہ گئے اس زمانہ میں صدر دیوانی عدالت آگرہ میں تھی۔وہاں منشی امیر علی خان۔مولوی غلام امام شہیدؒ۔مولوی غلام جیلانیؒ۔مولوی محمد شفیع اور بہت سے اشراف خانوادوں کے وکیل اور عہدیداروں کا مجمع تھا۔یہ سب زندہ دل مرنج و مرنجان اور خوش حالی اور بے فکری سے زندگی گزارنے والے تھے۔چنانچہ تاج گنج، اعتماد الدولہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور نور افشاں میں آئے دن عیش و نشاط کے جلسے کرتے تھے۔ سرسید نے بھی ان جلسوں کی کیفیتیں دیکھی تھیں اور ان میں شریک ہوتے تھے۔'' ۶

سرسید کا ان رنگین محفلوں میں شرکت کرنا بالآخر مثبت نتائج پیدا ہونے کا سبب بن گیا اگرچہ دلی کی سوسائیٹیاں ابھی کچھ خوبیاں اپنے اندر رکھتی تھیں اب مسلمانوں کے اقبال مندی کے دن ختم ہو چکے تھے بے فکر امیر زادے عیاشی اور لہو و لعب کی مثالیں قائم کرتے جاتے تھے۔ اگر سرسید اٹھارہ انیس برس کی عمر میں متاہل ہو گئے تھے پھر بھی وہ اس دور کی رنگین سوسائٹی کے اثر سے خود کو محفوظ نہ رکھ سکے لیکن بعد میں جس حیرت انگیز طریقہ سے سرسید نے خود کو اس سوسائٹی سے نکالا ان کی زندگی کا حیرت انگیز لمحہ فکریہ ہے جس کی وجہ سے ان کی اخلاقی صفات اور کردار کی پختگی کو ماننا پڑتا ہے۔

سرسید کو اپنے بھائی سید محمد خان جو عمر میں بڑے تھے سے بے حد محبت و الفت تھی اور ہر موقع پر دونوں بھائی ساتھ ساتھ رہتے تھے ان کے قبل از وقت عنفوانِ شباب میں انتقال کر جانے پر سرسید کے دل پر سخت چوٹ لگی اور قلب و جگر رنج و الم سے چھلنی ہو گیا۔ چنانچہ آپ کا دل ہر قسم کی مجلسوں اور سوسائٹیوں سے اچاٹ ہو گیا ہر طرف سے تعلق منقطع کیا لباس وضع قطع بدلی ڈاڑھی چھوڑ دی پاجامہ متشرع کر لیا اور روز بروز مولویت کا رنگ چڑھنے لگا۔ غرض کہ قدرت نے ان کو اس مقام پر لا کھڑا کیا جہاں ان کا مضبوط و مستحکم آئیڈیل تیار ہو سکے اور آئندہ قوم کی فلاح و بہبود کیلئے ایک دکھ اور درد لے کر اٹھ سکیں۔

مگر سرسید کے بعض نہایت ثقہ رشتہ داروں سے سنا گیا ہے کہ انہوں نے جو کچھ اس غفلت کے زمانے میں کیا اس سے معدودے چند کے سوا کوئی متنفس واقف نہیں ہوا۔ وہ خود اسی معاملے کے متعلق اپنی ایک تحریر میں لکھتے ہیں۔

''وہ ایک عجیب قسم کا زمانہ تھا اس زمانے کے اشراف خاندانوں کے نوجوان جو کچھ کرتے تھے اسی طرح پر کرتے تھے کہ کوئی اسی سے واقف نہ ہوتا تھا۔ اور پردہ ڈھکا رہتا تھا کوئی حرکت عام طور پر برملا ہونے نہیں پاتی تھی۔ اس زمانے کے اشراف نوجوانوں کا عملدرآمد اس مقولے پر تھا اپنے جسم کو ڈھانپے رکھو تا کہ لوگ اسے دیکھ کر نفرت نہ کریں۔ یہ ایک ایسی اچھی نصیحت ہے کہ گو انسان سے کوئی برائی ہو مگر اس برائی کا برا ہونا دل سے نہیں جاتا اور انسان کیلئے یہی رستہ برائی سے نکلنے کا ہے۔'' ۷

ملازمت

۱۸۳۸ء میں والد کے انتقال سے ذرائع معاش میں تنگی ہو گئی۔ تو ملازمت کی کوشش کی اور دہلی ہی میں ایک انگریزی دفتر میں ملازمت کر لی۔ ان کے خالو اس وقت دہلی میں صدر امین کے منصب پر فائز تھے سرسید نے ان سے درخواست کی کہ وہ ان کو کچہری میں کام سیکھنے کی اجازت دیں چنانچہ اجازت ملنے پر وہاں کام سیکھتے رہے۔ فروری ۱۸۳۹ء میں وہ کمشنر کے دفتر میں نائب منشی مقرر ہوئے۔

سید قاسم محمود لکھتے ہیں۔

''والد صاحب کی وفات کے بعد گھر کے حالات دگرگوں ہو گئے تو اپنے اعزہ و احباب کے مشوروں کے برخلاف مغل دربار کی بجائے ایسٹ انڈیا کمپنی میں ۱۸۳۸ء میں معمولی کلرک یا سررشتہ دار مقرر ہوئے۔ اگلے سال فروری ۱۸۳۹ء میں آگرہ ڈویژن کے کمشنر رابرٹ ہملٹن کے نائب میر منشی (اسسٹنٹ چیف سیکرٹری) مامور ہوئے۔ پھر منصفی کا امتحان دے کر ۱۸۴۱ء میں مین پوری کے مقام پر منصف مقرر ہوئے۔ ۱۸۴۲ء میں فتح پور سیکری تبادلہ ہوا اسی سال بہادر شاہ ظفر بادشاہ کی جانب سے سرسید صاحب کو جوادالدولہ عارف جنگ کا خطاب ملا۔'' ۸

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تذکرۃ المفسرین کے مصنف کے بقول

''وہ بائیس برس کی عمر میں والد کی موت پر کچہری میں سررشتہ کی نوکری قبول کر کے ترقی کرتے کرتے عدالت خفیفہ کے جج کے عہدہ پر پہنچ گئے۔'' ۹

صدر امین کی حیثیت سے کام کیا ۱۸۴۶ء تا ۱۸۵۴ء دہلی، ۱۸۵۵ء تا ۱۸۶۰ء بجنور، ۱۸۶۱ء میں مراد آباد ۱۸۶۲ء میں غازی پور ۱۸۶۴ء میں علیگڑھ۔ ۱۸۶۷ء بنارس اور دوبارہ علی گڑھ۔ بالآخر ۱۸۷۶ء میں ملازمت سے سبکدوش ہو گئے۔

''جولائی ۱۸۷۶ء کے آخر میں پنشن لے کر علیگڑھ آئے جہاں مولوی سمیع اللہ خان صاحب بڑی تن دہی اور محنت سے مجوزہ ایم اے او کالج کا ابتدائی مدرسہ چلا رہے تھے اور اپنی زندگی کے باقی بائیس سال اپنے ارادوں کی تکمیل میں یہیں گزار دیے سرسید نے ملازمت کے پچیس سال بڑی نیک نامی سے بسر کیے اور سرکاری فرائض کے علاوہ تصنیف و تالیف اور ترویج علوم کیلئے بھی وقت نکالا۔'' ۱۰

وفات

سرسید ملازمت سے ریٹائر ہونے کے بعد علیگڑھ میں رہائش پذیر ہو گئے جہاں وہ اپنے مسلمان بھائیوں کی تعلیمی خدمات میں مصروف ہو گئے انہیں اپنی زندگی کے آخری حصے میں کئی ایک صدمے بھی برداشت کرنے پڑے۔ ہندوؤں کی متعصبانہ روش نے انہیں یہ حقیقت ماننے پر مجبور کر دیا کہ ہندو اور مسلمان اکٹھے نہیں رہ سکتے۔ ۱۸۹۵ء میں کالج کے ہندو خزانچی شام بہاری لال نے کالج کے ایک لاکھ پانچ ہزار چار سو نو روپے غبن کر لیے جو وصول نہ ہو سکے اور جس کے باعث کالج کی تعمیر رک گئی۔ یہ صدمہ سرسید کیلئے ناقابل برداشت تھا۔ علاوہ ازیں سرسید نے اپنے لڑکے سید محمود کو کالج کی انتظامیہ میں داخل کر دیا جس سے سرسید کی مخالفت انتہاء کو پہنچ گئی کالج کی شہرت کو بہت نقصان پہنچا اور طلبہ کی تعداد ۵۶۵ سے کم ہو کر ۳۴۳ رہ گئی ان واقعات کی بناء پر سرسید کی صحت بری طرح سے متاثر ہوئی۔

''اس رنج نے جو اندر ہی اندر کھائے جا رہا تھا سید صاحب کو بٹھا دیا دل بجھ گیا خوش دلی جاتی رہی لیکن وہ لگن جو دل کو لگی ہوئی تھی اس کی آگ اس وقت بھی باقی تھی موت سے چند روز پہلے تک جب تک کہ بالکل مجبور نہ ہو گئے قومی معاملات پر برابر لکھتے رہے آخر وہ دن آ پہنچا جو کسی کے ٹالے نہیں ٹلتا اور وہ قوم کا فدائی ۱۸۹۸ء کو ہمیشہ کیلئے اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔'' ۱۱

ڈاکٹر سید عبداللہ کے مطابق

''ان کی وفات ۲۷ مارچ ۱۸۹۸ء کو علیگڑھ میں ہوئی اور تدفین ۲۸ مارچ کو ہوئی۔'' ۱۲

''سید صاحب کے انتقال پُر ملال پر نہ صرف ہندوستان بلکہ بیرون ہند بھی نہایت رنج و غم کا اظہار کیا گیا تمام ہندوستان میں شاید ہی کوئی ایسی اسلامی انجمن یا ادارہ ہو گا کہ جس نے سید صاحب کی وفات پر ماتمی جلسہ اور رنج و ملال کا اظہار نہ کیا ہو حضور وائسرائے اور نواب لیفٹیننٹ گورنر کے علاوہ اکثر یورپین آفیسرز نے بذریعہ تار یا تحریر یا تقریر سید صاحب کی موت پر رنج کا اظہار کیا۔'' ۱۳

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فصل دوم

سرسید احمد خان کی خدمات کا مختصر جائزہ

سرسید احمد خان نے انیسویں صدی میں ہندوستان کے مسلمانوں کی سب سے زیادہ خدمات سرانجام دی ہیں اس دور میں مسلمانوں کا کوئی پرسان حال نہ تھا۔ جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد ساری ذمہ داری مسلمانوں پر ڈال دی گئی تھی۔ ہندو انگریزوں کے ساتھ مل گئے تھے اس دور میں مسلمانوں کی ڈوبتی ناؤ کو سہارا دینے والے سرسید احمد خان ہی تھے ان کی خدمات اور سرگرمیوں کا مرکز علی گڑھ تھا۔ اسی وجہ سے ان کی خدمات اور تحریک کو تحریک علیگڑھ کا نام دیا جاتا ہے۔

''سرسید احمد خان ایک مختلف الحیثیات شخص تھے انہوں نے اپنی ہنگامہ خیز زندگی میں سیاسی، تعلیمی، مذہبی، تحقیقی، غرض ہر قسم کے علمی اور قومی مشاغل میں نمایاں حصہ لیا انہوں نے عمل کے ہر میدان میں اپنا نقش بٹھایا اور ہر جگہ دیرپا اثرات باقی چھوڑے۔ جہاں تک اردو ادب کا تعلق ہے وہ اردو کے اولین معماروں میں تھے۔ ملکی سیاسیات میں بھی ان کے کارنامے مسلم ہیں چنانچہ ان کے مخصوص سیاسی خیالات نے مسلمانانِ ہندوستان کے ذہن کو بدلنے میں بڑا کام کیا۔ خالص تعلیمی معاملات میں ان کے خاص نظریات نے علیگڑھ کی تعلیمی تحریک کی صورت اختیار کی اور دینیات میں انہوں نے فکر و تصور کے نئے راستے دریافت کیے جن پر ان کے بعد آنے والے (یعنی ان کے مسلک کے پیرو) آج تک برابر چل رہے ہیں غرض علم و عمل کے تقریباً ہر شعبے میں ان کی انقلاب آفرین شخصیت نے مستقل یادگاریں چھوڑیں۔'' ۱۴

اب یہاں سرسید احمد خان کی علمی و ادبی، سیاسی، سماجی و معاشرتی، تعلیمی اور مذہبی خدمات کا بالترتیب مگر مختصر جائزہ لیا جاتا ہے۔

علمی و ادبی خدمات

سرسید احمد خان کی علمی و ادبی خدمات کا اندازہ ان کی تصانیف اور ان کے ذہنی رجحانات کے ارتقاء سے لگایا جا سکتا ہے۔ اس سلسلہ میں ڈاکٹر سید عبداللہ رقمطراز ہیں۔

''اگر سرسید کی تصانیف کو تاریخی ترتیب کی روشنی میں دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ سرسید نہایت اثر پذیر شخصیت تھے، وہ جس ماحول میں رہے اس کا اثر قبول کیے بغیر نہ رہے اور باوجود یکہ وہ بظاہر اجتہاد پسند اور تقلید سے آزاد معلوم ہوتے ہیں مگر ان کے رجحانات اور مذاق تصنیف کی پیہم تبدیلیاں یہ ثابت کرنے کیلئے کافی ہیں کہ ان میں بدل جانے اور جلد از جلد بدل جانے کی بڑی صلاحیت تھی ان کی تصانیف (مضامین اور اسلوب بیان دونوں کے اعتبار سے) ارتقاء و تغیر کا عجیب و غریب نقشہ پیش کرتی ہیں۔'' ۱۵

بقول مولانا الطاف حسین حالیؒ سرسید کی تصنیفی زندگی کو تین ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(۱) شروع سے لیکر ۱۸۵۷ء تک

(۲) ۱۸۵۷ء سے لے کر سفر انگلستان ۱۸۶۹ء تک

(۳) سفر انگلستان سے وفات ۱۸۹۸ء تک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سرسید کی دوراول کی تصانیف

درج ذیل دوراول کی تصانیف سے سرسید احمد خان کے ابتدائی ذہنی وعقلی رجحانات پر روشنی پڑتی ہے۔

۱۔جام جم	۲۔ انتخاب الاخوین	۳۔تحفہ حسن
۴۔تسہیل فی جرالثقیل	۵۔آثارالصنادید	۶۔ فوائدالافکارفی اعمال الفرجار
۷۔قول متین درابطال حرکت زمین	۸۔نمیقہ دربیان مسئلہ تصورشیخ	۹۔سلسلۃ الملوک
۱۰۔کیمیائے سعادت	۱۱۔تاریخ ضلع بجنور	۱۲۔آئین اکبری

تصانیف کا دوسرا دور

اس زمانے میں خالص ''عقلی'' اور ''نیچرل'' نقطہ نظر ان کی تحریروں میں نمودار ہو چکا تھا مگر ابھی وہ اس زاویہ نگاہ کی طرف پورے طور پر جھکے نہیں تھے۔

۱۔ تاریخ سرکشی ضلع بجنور	۲۔اسباب بغاوت ہند	۳۔رسائل لائل محمڈنز آف انڈیا
۴۔ تحقیق لفظ نصاریٰ	۵۔تاریخ فیروز شاہی	۶۔تبیین الکلام
۷۔ سائینٹیفک سوسائٹی اخبار	۸۔رسالہ احکام طعام اہل کتاب	

تصانیف کا تیسرا دور

''۱۸۵۸ء سے لے کر ۱۸۹۷ء تک کا آخری دور جو اعلیٰ علمی اور مذہبی تصنیف کے لحاظ سے نہایت شاندار ہے۔''[۱۶]

بقول ڈاکٹر سید عبداللہ

''ان کے ذہن پر جدید انداز فکر نے غلبہ پالیا اور اس کا اثر اتنا گہرا اور پختہ ہوگیا کہ وہ لارڈ میکالے کی طرح سرے سے تمام مشرقی علوم ہی کو ذہن وفکر کیلئے مضر اور مہلک خیال کرنے لگے۔'' [۱۷]

۱۔سفرنامہ لندن	۲۔تہذیب الاخلاق	۳۔ڈاکٹر ہنٹر کی کتاب پر ریویو
۴۔سیرت فریدیہ	۵۔علاج ہومیوپیتھک	۶۔رسالہ ابطال غلامی
۷۔گزارش درباب تعلیم اہل ہند	۸۔النظر فی بعض مسائل الامام الغزالی	۹۔تحریر فی اصول التفسیر
۱۰۔ترقیم فی قصہ اصحاب الکہف والرقیم	۱۱۔الدعاوالاستجابۃ	۱۲۔تفسیر السمٰوات
۱۳۔جواب امہات المومنین		

قومی وسیاسی خدمات

سرسید احمد خان انیسویں صدی کے نصف آخر میں مسلمانوں کی وہ ڈھال تھے جس کی بدولت مسلمان انگریزوں اور ہندوؤں کے بھرپور واروں سے محفوظ رہے۔سرسید نے اگرچہ ساری عمر یہ نقطہ نظر اپنائے رکھا کہ مسلمانوں کو سیاسی سرگرمیوں میں حصہ نہیں لینا چاہیے مبادا کہ انگریز پھر انہیں باغی قرار دے کر انتقام کا نشانہ بنانے لگیں تاہم ان کی اپنی سیاسی خدمات نظر انداز نہیں کی جاسکتیں۔ان سے اختلاف رکھنے کے باوجود مسلمان ان کو اپنے دور کا قائد ماننے پر مجبور تھے۔

''سیاست میں سرسید نے مسلمانوں کو انڈین نیشنل کانگریس کے ماحول وخیالات سے بچانے کیلئے دخل دینا پڑا۔سرسید پہلے شخص ہیں جنہوں نے اپنی تقریروں اور مضامین میں اس امر کا اظہار کیا کہ ہندوستان ایک ملک نہیں بلکہ براعظم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے جس میں مختلف الجنس اقوام آباد ہیں سب سے پہلے سرسید نے مسلمانوں میں قومیت کا تصور پیدا کیا اور لفظ ''قوم'' کو ''نیشن'' کا ہم معنی بنا دیا۔'' ۱۸

ان کی سیاسی خدمات کا مختصر جائزہ درج ذیل ہے

۱۔ مجلس قانون ساز میں مقامی باشندوں کی شرکت کی تجویز

۲۔ جداگانہ حق انتخاب کی حمایت

۳۔ کانگریس سے علیحدہ رہنے کی تلقین

۴۔ کھلے مقابلے کے امتحان کے ذریعے ملازمتوں کے حاصل کرنے کی مخالفت

۵۔ محمڈن سول سروس فنڈ ایسوسی ایشن کا قیام

۶۔ پیٹریاٹک ایسوسی ایشن کی تشکیل

۷۔ محمڈن ڈیفنس ایسوسی ایشن آف انڈیا کا قیام

۸۔ دوقومی نظریہ کی بنیاد

سماجی و معاشرتی خدمات

شیخ محمد اکرام کے بقول

''جب سرسید نے اپنی قومی زندگی کا آغاز کیا اس وقت مسلمان بکھرے ہوئے تھے۔ تعلیمی، معاشرتی اور سیاسی حیثیت سے ذلیل تھے اور روز بروز زیادہ ذلیل ہو رہے تھے ان کا کوئی مرکز نہ تھا کوئی لائحہ عمل نہ تھا نتیجہ یہ تھا کہ جس طرح تالاب میں کھڑا ہوا پانی آئے دن زیادہ بدبودار ہوتا جاتا ہے اسی طرح مسلمان بھی بگڑے جاتے تھے سرسید کی آواز نے انہیں چونکا دیا۔'' ۱۹

سرسید احمد خان نے صرف سیاسی اور تعلیمی لحاظ سے ہی ہندوستانی مسلمانوں کی خدمت نہ کی بلکہ معاشرتی لحاظ سے بھی مسلمانوں کی خدمات بجالاتے رہے۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

۱۔ رسالہ تہذیب الاخلاق کا اجراء

۲۔ لائل محمڈنز آف انڈیا کی اشاعت

۳۔ انگریزوں اور مسلمانوں کے مابین دوستانہ فضا قائم کرنا

۴۔ جدید طرز معاشرت کی ترویج

۵۔ مراد آباد میں یتیم خانہ کا قیام

۶۔ سماجی اصلاح کی کوشش

۷۔ قدیم توہمات پر تنقید اور سائنسی معلومات اپنانے پر زور

۸۔ مسلمانوں میں انگریزی تعلیم پھیلانے کی تدبیریں

تعلیمی خدمات

''سرسید کو جس وقت قوم کی بھلائی کا خیال پیدا ہوا اس وقت مسلمانوں کی حالت پہ مثل صادق آتی تھی کہ ''اونٹ رے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اونٹ تیری کون سی کل سیدھی'' ان میں صدہا باتیں اصلاح طلب اور ان کے متعلق صدہا مشکلات حل طلب تھیں اگر سرسید جزئیات کی اصلاح یا حل کرنے کا ارادہ کرتے تو عمر بھر میں ایک کام کے پورا کرنے سے بھی عہدہ برآ نہ ہوتے انہوں نے تمام خرابیوں کی اصلاح اور تمام مشکلات کا حل اس بات میں دیکھا کہ قوم میں تعلیم کی اشاعت کی جائے۔'' ۲۰

سرسید احمد خان کی تعلیمی خدمات درج ذیل ہیں۔

۱۔ جدید تعلیم پر زور

۲۔ سائینٹیفک سوسائٹی کا قیام

۳۔ مدرسہ مراد آباد و غازی پور کا قیام

۴۔ علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ کا اجراء

۵۔ ایم۔اے۔او ہائی سکول کا قیام

۶۔ ایم اے او علیگڑھ یونیورسٹی کا قیام۔

۷۔ آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کی بنیاد

۸۔ مسلم یونیورسٹی کا قیام

۹۔ کمیٹی خواستگار اور ترقی تعلیم مسلمانان ہند کا انعقاد

۱۰۔ اردو زبان اور فارسی خط کی حمایت

۱۱۔ کمیٹی خزانۃ البضاعۃ کا قیام

انسائیکلو پیڈیا پاکستانیکا کے مصنف کے بقول

''مسلمانوں کی اصلاح و بیداری کیلئے آپ کی تعلیمی تحریک دوررس اور نتیجہ خیز ثابت ہوئی اس کے علاوہ آپ کی علمی، مذہبی اور سیاسی کوششیں بھی بجائے خود حیرت انگیز ہیں۔'' ۲۱

فکری و مذہبی خدمات

سرسید مذہبی شعبے میں بھی نمایاں رہے۔علیگڑھ کالج میں سرسید نے سنی، شیعہ اور دیگر فرقوں کے مسلمان طلباء کو ہم آہنگ اور متحد ہونے کی تلقین کی۔سب طلبہ فرقہ بندی سے بے نیاز ہو کر ایک ہی مسجد میں نماز ادا کرتے تھے آپ نے چھوٹے چھوٹے اختلافات کو بھلا کر امت مسلمہ کو یک جہتی اپنانے کا سبق دیا سرسید نے مذہب اسلام کے اصولوں کو عقلیت کی بنیاد پر پرکھ کر ثابت کیا کہ یہ جدید ترین تقاضوں کے مطابق ہے۔مغربی مصنفین اور اسلام میں دلچسپی رکھنے والے مغربی دنیا کے باشندوں کے سامنے اسلام کو جدید رنگ میں پیش کیا انہوں نے ثابت کیا کہ مذہب اسلام عقل کی کسوٹی پر پورا اترنے والا مذہب ہے۔نئی مسلم نسل جو جدید علوم اور انگریزی کی طرف راغب ہو رہی تھی اسلام سے برگشتہ ہو سکتی تھی۔سرسید نے ان کے سامنے جس انداز میں اسلام کی تشریح کی اسے جدید ذہنوں نے کافی حد تک قبول کیا۔انہوں نے تنگ نظری، تعصب اور منافرت کی فضا کو ختم کرنا چاہا اسلام اور سائنس میں مطابقت ثابت کرنے کیلئے دلائل دیئے۔عیسائی مشنری اسلام پر جس انداز میں حملہ آور ہوئے تھے اور اس میں خامیوں کی تلاش میں مصروف تھے ان کے جواب میں اس مذہب کو ایسے ہی خطوط پر پیش کرنے کی ضرورت تھی تا کہ مغربی تعلیم سے آراستہ نئی نسل کے افراد اسلام سے بدظن نہ کر دیئے جائیں۔مولانا الطاف حسین حالی ''حیات جاوید'' میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ان کی مذہبی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

''اس نے تمام اعتراضوں کے جواب جن کے ذریعے مشنری مسلمانوں کو دام میں لا سکتے تھے خود عیسائی عالموں کے اقوال کی سند پر لکھے۔ اس نے تمام غلطیوں کو رفع کیا جو اسلام کی نسبت عیسائی قوموں میں پھیلی ہوئی تھیں اس نے بدلائل قاطعہ ثابت کر دیا کہ دنیا میں کوئی مذہب اسلام سے زیادہ عیسائی مذہب اور عیسائی قوم کا دوست نہیں ہو سکتا اور اسی نے جب دیکھا کہ انگریزی تعلیم سے کسی طرح مسلمانوں کو مفر نہیں ہو سکتا تو اپنی عمر کا ایک تہائی حصہ اسلام کو انگریزی تعلیم کے مضر نتائج سے بچانے میں صرف کیا انہوں نے مقاصد کی طرف پہلی ہی بار اس وقت توجہ کی تھی جبکہ مراد آباد میں تبیین الکلام یعنی توریت و انجیل کی تفسیر لکھنے کی بنیاد ڈالی۔'' ۲۲

سرسید کی مذہبی و فکری خدمات کے ضمن میں درج ذیل تصانیف اہم ہیں۔

۱۔ **خطبات احمدیہ:۔**

سرسید احمد خان کا عظیم الشان علمی کارنامہ خطبات احمدیہ کی تصنیف ہے۔ انہوں نے یہ کتاب سر ولیم میور کی تصنیف ''لائف آف محمدؐ'' کے جواب میں لکھی۔

۲۔ **تفسیر القرآن:۔**

''اصلاح عقائد کے سلسلے میں نئے علم کلام کی تحریک کی اور خود قرآن مجید کی تفسیر لکھنی شروع کی جس میں قرآن اور علم جدید (سائنس) کو ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی گئی وفات تک اس کی پانچ جلدیں چھپ گئیں جو تقریباً نصف قرآن تک ہے۔'' ۲۳

۳۔ **جلاء القلوب بذکر المحبوب:۔**

یہ آنحضرت کی سیرت پر مختصر رسالہ ہے مجالس مولود میں جو رسائل پڑھے جاتے ہیں ان میں صحیح روایات کم ہوتی ہیں۔ سرسید نے اس کمی کو پورا کرنے کیلئے اس رسالے میں ''اس زمانے کے خیالات کے مطابق'' صحیح روایتوں کو جمع کر دیا۔

۴۔ **کلمۃ الحق:۔**

یہ رسالہ پیری مریدی کے عام مروجہ طریقوں کی اصلاح کیلئے لکھا گیا تھا۔

۵۔ **راہ سنت ورد بدعت:۔**

یہ رسالہ بدعت کے رد میں اور سنت کی حمایت میں لکھا گیا۔ اس میں اہل تقلید میں مروجہ رسوم و عقائد کی مخالفت کی گئی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فصل سوم

مولانا عبدالحق حقانی کے حالات زندگی

ولادت:۔

مولانا عبدالحق حقانی کی تاریخ پیدائش کے بارے میں تھوڑا سا اختلاف پایا جاتا ہے۔

قاری فیوض الرحمٰن "مشاہیر علمائے دیوبند" میں لکھتے ہیں

"شیخ عالم، فقیہہ عبدالحق بن محمد امیر حنفی دہلوی۔ مشہور مفسر۔ اصلاً گمتھلا ضلع انبالہ کے تھے وہاں ۲۷ رجب ۱۲۲۷ھ میں پیدا ہوئے۔" ۲۴

زاہد الحسینی "تذکرۃ المفسرین" میں رقمطراز ہیں

"آپ خواجہ محمد امیر شیخ علوی کے ہاں ۱۲۶۵ھ میں گمتھلہ میں پیدا ہوئے آپ کے بزرگ عالمگیر کے عہد میں کابل سے ہندوستان آئے تھے۔" ۲۵

نزھۃ الخواطر کے مؤلف کے بقول

"الشیخ العالم الفقیه عبدالحق بن محمد میر الحنفی الدهلوی المفسر المشهور ،اصلهٗ کان من "گمتهله" بفتح الکاف العجمی قریة من اعمال "أنباله من ارض "پنجاب" ولد بها فی السابع و العشرین من رجب سنة سبع و ستین و مئتین وألف." ۲۶

اردو جامع انسائیکلو پیڈیا میں آپ کی تاریخ پیدائش مئی ۱۸۴۹ء لکھی ہے۔ ۲۷

نام:۔

مولانا حکیم محمد اسحاق حقانی لکھتے ہیں۔

"جب آپ پیدا ہوئے تو بھائیوں کے ناموں غلام نبی اور غلام حسن کی مناسبت سے آپ کا نام غلام جہان رکھا گیا آپ نے اپنے ایک شفیق استاد عبداللہ شاہ صاحب سے عرض کی کہ میرا نام غلام جہان رکھا گیا ہے جو مجھے پسند نہیں میں چاہتا ہوں کہ میرا نام تبدیل کر دیا جائے چنانچہ شاہ صاحب نے آپ کا نام عبدالحق رکھا۔" ۲۸

سلسلہ نسب:۔

آپ کا سلسلہ نسب سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے منجھلے فرزند سید عباس سے ملتا ہے۔ شاہ عالم کے عہد تک مولانا کے بزرگ دہلی میں اعلیٰ مناصب پر فائز رہے ہنگامہ دہلی ۱۸۵۷ء کے بعد جملہ شہزادگان کے مکانات کو مسمار کر کے میدان بنا دیا گیا۔ اس میں باب اسلام، جہاں مولانا کے بزرگ رہائش پذیر تھے بھی مسمار ہو گیا اور آپ کے خاندان کے لوگ منتشر ہو گئے۔

مولانا حقانی خود اپنی تفسیر کے آغاز میں اپنا شجرہ نسب بیان کرتے ہیں۔

"ابو محمد عبدالحق بن محمد امیر بن شمس الدین بن نورالدین ابن خواجہ جعفر بن خواجہ سلیم بن مظفر الدین احمد بن شاہ محمد تبریزی" ۲۹

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ابتدائی تعلیم:۔

مولانا عبدالحق حقانی نے ابتدائی تعلیم اپنے علاقہ میں حاصل کی آپ کے والدین اور اہل قصبہ حضرت میران شاہ بہیک سے خاص عقیدت رکھتے تھے چنانچہ آپ کو ان کے سجادہ نشین حضرت مولانا سید شاہ عبدالحمید عرف عبداللہ شاہ کے کنار عاطفت میں دے دیا گیا۔ کلام ربانی اور ابتدائی کتب اردو، فارسی، صرف ونحو وغیرہ خود شاہ صاحب نے پڑھائیں ۱۲۷۷ھ میں جب آپ کی عمر بارہ سال تھی شاہ صاحب کی ہدایت کے مطابق مولانا کو تحصیل علم کیلئے دہلی آخوند حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کی خدمت میں بھیجنا تجویز ہوا۔ اخوند صاحب کے آپ کے والد خواجہ محمد امیر کے ساتھ خاص تعلقات تھے چنانچہ انہوں نے بڑی شفقت سے آپ کو اپنے پاس رکھا اور کتب درسیہ پڑھائیں۔

تحصیل علم کیلئے سفر:۔

آخوند صاحب کی اجازت سے مولانا سہارن پور تشریف لے گئے اور شیخ الحدیث مولانا احمد علی کی خدمت میں رہ کر تحصیل علم کی۔ پھر کانپور پہنچے اور شیخ عبدالحق قادری کی خدمت میں حاضر ہو کر تحصیل علم اور فیوض و برکات سے استفادہ کیا۔ حضرت شیخ نے مولانا کی قابلیت اور زہد و تقویٰ کو دیکھ کر سند کے ساتھ خلافت سلسلہ قادریہ بھی عطا فرمائی۔ وہاں سے رخصت ہو کر آپ جونپور تشریف لے گئے اور مختلف اساتذہ سے پڑھ کر معقول و منقول کی تکمیل کی۔ پھر مراد آباد جا کر صحاح ستہ میں سے کچھ کتابیں حضرت شیخ المحدثین عالم علی شاہؒ سے پڑھیں۔ اتفاق زمانہ سے حضرت شیخ عالم علی اس وقت سخت بیمار تھے۔ اس لیے کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد علی گڑھ استاذ الاساتذہ مفتی لطف اللہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مکمل دو سال رہ کر تعلیم حاصل کی۔ وہاں سے دہلی تشریف لے گئے۔ دہلی جا کر مولانا سید نذیر حسین محدث سے بھی استفادہ کیا۔ مولانا نذیر حسین کی خدمت میں رہ کر حدیث نبویؐ کی قرأت وسماع مختصر فرمائی۔ کتب حدیث تحقیق و تدقیق کی نظر سے لفظاً لفظاً شیخ الحدیث کے سامنے قرأت کیں۔ مولانا حقانی کی خداداد قابلیت و ذہانت کی وجہ سے حضرت شیخ المحدثین غایت درجہ آپ پر شفقت فرمایا کرتے تھے۔ شیخ الحدیث نے مولانا حقانی کو اجازت مطلق اور سند موثق عطا فرمائی۔

قاری فیوض الرحمٰن کے مطابق

> ''آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے علاقہ میں حاصل کی۔ پھر کانپور پہنچے اور مولانا عبدالحق بن غلام رسول حسینی سے بعض درسی کتابیں پڑھیں اور بلند پایہ کتب مولانا لطف اللہ بن اسد اللہ علی گڑھی سے پڑھیں پھر مراد آباد جا کر صحاح ستہ میں سے کچھ کتابیں مولانا عالم علی نگینوی سے پڑھیں پھر دہلی جا کر مولانا سید نذیر حسین محدث سے بھی استفادہ کیا۔ ازاں بعد مدرسہ فتح پوری دہلی میں تدریس پر مامور ہوئے اور درس افادہ کا سلسلہ ایک زمانہ تک جاری رہا وہیں سکونت اختیار کر لی اور وہیں شادی بھی ہوئی۔ پھر تدریس کو ترک کر کے تصنیف میں مشغول ہوئے''[۳۰]

> ''حیدر آباد دکن سے بغیر خدمت کے وظیفہ مل گیا آخر عمر میں مدرسہ عالیہ کلکتہ میں ۵۰۰ روپے ماہوار تنخواہ پر تقرر ہو گیا لہٰذا بسلسلہ ملازمت کلکتہ چلے گئے انگریزی حکومت کی طرف سے ''شمس العلماء'' کا خطاب ملا''[۳۱]

اساتذہ:۔

اگر بچپن سے آپ کے علمی سفر کا جائزہ لیں تو مندرجہ ذیل اساتذہ کرام ہیں جن سے آپ نے علم حاصل کیا۔

۱۔ عبداللہ شاہ	۲۔ آخوند شاہ عبدالعزیز	۳۔ مولانا احمد علی
۴۔ شیخ عبدالحق قادری	۵۔ لطف اللہ علی گڑھی	۶۔ مولانا نذیر حسین محدث
۷۔ مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی		

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تلامذہ:۔

آپ کے شاگردوں میں سب سے نمایاں شاگرد جان محمد عارف ہیں جان محمد عارف ایسے شاگرد رشید ہیں جو سفر و حضر میں مکمل تیس سال تک مولانا کی خدمت میں رہے مولانا حقانی جب کبھی اپنی زندگی کے کچھ حالات بیان فرماتے تو مولانا جان محمد عارف اپنی کاپی میں درج کرلیا کرتے تھے وہ چاہتے تھے کہ ان کے خیالات کو ترتیب دے کر مولانا حقانی کی سوانح لکھوں مگر لکھ نہ سکے مرنے سے پہلے یہ خدمت مولانا کے بھتیجے حکیم محمد اسحاق کے سپرد کی چنانچہ انہوں نے آپ کی زندگی کے جستہ جستہ حالات تحریر کیے ہیں۔

وفات:۔

حکیم سید عبدالحئی "نزهة الخواطر" میں لکھتے ہیں۔

"مات فی الثانی عشر من جمادی الاولیٰ سنة خمس و ثلاثین و ثلاث مئة و ألف "۳۲

۱۲ جمادی الاول ۱۳۳۵ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔ آپ کی نماز جنازہ مولانا آخوند محمد عمر نے پڑھائی تقریباً ایک لاکھ مسلمانوں نے جنازے میں شرکت کی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فصل چہارم

عبدالحق حقانی کے کارہائے نمایاں

تالیف وتصنیفات:۔

مولانا کے دور میں الحاد ودہریت کے ہلاکت خیز سیلاب نے اسلام اور اصول اسلام کے متعلق نئے نئے شکوک وشبہات اور عجیب و غریب ابلیسانہ اعتراضات پیدا کر دیئے تھے۔ اور حقیقت مذہب سے ناواقف مسلمان اس سے متاثر ہو کر الحاد و دہریت کی طرف مائل ہو رہے تھے اس فتنے کا انسداد وقت کا سب سے اہم فریضہ تھا کیونکہ عقائد پوری زندگی کے ڈھانچے کیلئے ایک بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مولانا عبدالحق حقانی ان فتنوں کے مقابلہ میں حریفانہ جذبہ رکھتے تھے۔ اس لیے انہوں نے اس کی تردید میں کسی تامل اور مدافعت سے کام نہیں لیا۔ اہل فتنہ کی تباہ کاریاں اگرچہ اپنی حدود تجاوز کر چکی تھیں مگر مولانا عبدالحق کی تصانیف نے اس نئی مخلوق کو میدان پر قابض نہیں ہونے دیا آپ کی تمام تصانیف کا نصب العین علوم و معارف اسلامیہ کی اشاعت اور ان کے ذریعے فتنہ والحاد کو روکنا ہے جو عقل سلیم اور اصول فطرت کی روشنی میں اسلامی عقائد ونظریات کو حق ثابت کرنے کی ضامن ہیں۔ آپ کی چند اہم تصانیف مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ نامی شرح حسامی:۔

یہ اصول فقہ کی کتاب ہے جو عربی میں ہے اس کتاب کو اساتذہ نے بہت ہی پسند کیا اور اسے عربی مدارس کے درس میں شامل کر لیا گیا حتیٰ کہ جامعہ ازہر مصر میں بھی پڑھائی جاتی ہے اور ہزارہا کی تعداد میں مصر میں طبع ہوئی ہے۔

۲۔ شرح حُجۃ اللہ البالغہ:۔

آپ نے امام المحدثین حضرت شاہ ولی اللہ کی تصنیف حجۃ اللہ البالغہ کی شرح لکھی جس کو علمائے ہند نے استحسان کی نظر سے دیکھا۔

۳۔ عقائد الاسلام:۔

پھر آپ نے اسکولوں کی تعلیم دیکھتے ہوئے جس کے بارے میں آپ کا خیال تھا کہ وہ بچوں کو اسلام سے بیگانہ بنا دے گی۔ ''عقائد الاسلام'' کے نام سے ایک مبسوط کتاب لکھی۔ اس کتاب کو مسلمانوں کے ہر طبقہ میں قدر ومنزلت کی نظر سے دیکھا گیا اور طبقہ علماء میں اس کو جو مقبولیت حاصل ہوئی اس کا اندازہ آپ کے ہم عصر استاد العلماء محدثین ومفسرین کی آراء سے لگایا جا سکتا ہے۔

۴۔ ضیاء القرآن المعروف احسن البیان:۔

یہ ایک رسالہ ہے جو مولانا عبدالحق حقانی نے تالیف کیا اس میں قرآن مجید وفرقان حمید کے مضامین نادرہ کے متعلق نہایت اختصار کے ساتھ مدلل ابحاث تحریر کی گئی ہیں۔

۵۔ تفسیر حقانی:۔

مولانا عبدالحق حقانی نے قرآن حکیم کی ایک تفسیر بنام فتح المنان بہ تفسیر القرآن مشہور بہ تفسیر حقانی لکھی جو بزمانہ آصف جاہ میر محبوب علی خان بہادر لکھی گئی۔ وجہ تصنیف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں

وجہ تصنیف:۔

''جب تخمیناً سو برس سے بڑے دور دراز سے ایک قوم عیسائی دانشمند، آزادی پسند ہندوستان میں آئی تو اپنے ساتھ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

صدہا جہاز الحاد اور شراب خوری وغیرہ کے بھی بھر کر لائی اول تو یونہی مسلمانوں کی حالت خراب تھی اس پر آزادی اور الحاد کی برانڈی نے تو وہ آفت ڈھائی کہ

ازاں افیون کہ ساقی در مے افگند　　حریفاں دانہ سر ماند نہ دستار

جس سے غفلت اور باہمی نزاع اور بے دینی نے ہر طرف سے محیط ہو کر دینی و دینوی برکات کا خاتمہ کر دیا یہاں تک کہ ان کا دل خوش کرنے کیلئے ایک قوم نے تو وہ طرز اختیار کیا کہ اہل یورپ کا پورا جامہ ہی پہن لیا جس طرح وہ لوگ برائے نام عیسائی اور در حقیقت سخت ملحد ہیں۔ نہ خدا کے قائل نہ ملائکہ وحشر ونشر، ثواب وعقاب، حلال وحرام، طاہر ونجس کے قرینی کون؟ ایک رفارمر مصلح، الہام اور کلام ملائکہ مجنونوں کی بڑ، اسی طرح یہ لوگ بھی نبی اور ملائکہ اور الہام اور جبرائیل اور خرق عادات انبیاء علیہم السلام اور نعمائے جنت اور جہنم کے وہ عقوبات کہ جو نصوص قرآن سے ثابت ہے ان سب باتوں کے مکر اور حلال وحرام اور طہارت ونجاست وغیرہ جملہ احکام اسلام سے نافرمان اس پر نام کے مسلمان ہیں پھر ان کفریات اور پادریوں اور ملحدان یورپ کے معتقدات کا نام تحقیق اور ترقی اسلام رکھ کر صدہا دولت مندوں اور آزادی پسندوں کو تفسیر کے پیرایہ میں ملحد وگمراہ بلکہ حقیقی اسلام کا بدخواہ بنا دیا۔ حیف صد ہا روحانی زہر کا پیالہ پلا دیا لہٰذا حمیت اسلامی اور اہل اسلام کی نفع رسانی نے مجھ جیسے بے لیاقت کو مجبوراً اردو میں ایسی تفسیر لکھنے پر مامور کیا۔'' ۳۳

تفسیر فتح المنان جو تفسیر حقانی کے نام سے مشہور ہے مولانا عبدالحق حقانی کی سب سے اہم تصنیف ہے اور اسی کی بناء پر آپ کو زیادہ شہرت نصیب ہوئی یہ تفسیر آٹھ جلدوں میں ہے پہلی جلد میں تین باب ہیں جن کو مختلف مضامین کے اعتبار سے کئی کئی فصلوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ مثلاً باب اول میں پہلی فصل الوہیت وواحدانیت اور نبوت ورسالت سے متعلق ہے دوسری فصل معجزات کے بیان میں ہے اور تیسری فصل میں ملائکہ کا بیان ہے۔ باب دوم میں آٹھ فصلیں ہیں اور باب سوم میں پانچ فصلیں ہیں۔ اور اس پوری بحث کو جو ان تین ابواب میں کی گئی ہے۔ روایت ودرایت دونوں سے کام لیا گیا ہے لیکن افراط وتفریط سے پرہیز کیا گیا ہے۔ اور دوسروں کو بھی ان سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے۔

اس کے بعد تفسیر ابن جریر طبری سے شروع کر کے سرسید احمد کی تفسیر القرآن تک اٹھائیس نہایت اہم اور مشہور تفاسیر کے نام اور مختصر لفظوں میں ان کی خصوصیات بیان کر دی ہیں۔ چونکہ سرسید نے اپنی تفسیر میں عقلیت پسندی کا حد سے زیادہ اظہار کیا تھا اس لیے مقدمہ میں ان کا تعاقب کیا ہے اور ان کی انتہا پسندی کی مخالفت کی ہے۔ ساتھ ہی ان مفسرین پر بھی تنقید کی ہے جو روایت پرستی کے دائرے سے نکلنے پر کسی طرح آمادہ نہیں ہوتے۔ دونوں کو اعتدال کا راستہ اختیار کرنے کی ترغیب دی ہے۔ دوسری جلد کا آغاز خطبہ سے ہوا ہے جس میں حمد وصلوٰۃ کے بعد تفسیر کی ضرورت واہمیت پر روشنی ڈالی ہے۔ خطبہ کسی قدر طویل ہے لیکن اس میں مفسر نے بہت کچھ کہہ دیا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ عہد صحابہ کے بعد سے مسلمانوں نے علوم قرآنی کو مدون کرنا شروع کر دیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے اس سلسلہ میں جتنا کچھ لکھا حضرت آدمؑ کے زمانہ سے کسی قوم نے بھی اپنی الہامی کتاب پر اس کا دسواں حصہ بھی نہیں لکھا تھا۔ یہ اسی غیر معمولی انہماک اور توجہ کا نتیجہ ہے کہ قرآن مجید ہر قسم کی تحریف سے بچا ہوا ہے۔

مفسر نے بیان کیا ہے کہ

''علوم قرآنی کی نشر واشاعت کا اثر یہ ہوا کہ ہر طرف اسلام کا نور پھیل گیا۔ ہندوستان میں بھی صدیوں تک دین اور علوم دین کا چرچا رہا۔ یہاں تک کہ سات سمندر پار سے فرنگی اس سرزمین میں وارد ہوئے تو وہ اپنے ساتھ الحاد اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

گمراہی کے سامان بھی لائے۔مسلمانوں کے باہمی تفرقہ سے فائدہ اٹھایا کرانہوں نے ان میں بھی بگاڑ پیدا کر دیا اور ایک ایسے گروہ نے ان میں جنم لیا جو برائے نام مسلمان ہے ورنہ اسلام کے بنیادی اصولوں سے روگردانی اختیار کئے ہے۔ یہ گروہ دوسروں پر بھی اپنا اثر ڈال کر ان کو خراب کر رہا ہے۔اس لیے مفسر موصوف نے ضروری سمجھا کہ قرآن کریم کی اردو میں تفصیلی تفسیر لکھیں تا کہ مسلمان قوم دین کے اصولوں کو سمجھے اور اپنے دین کی طرف مائل ہو۔'' ۳۴

یہیں سے مفسر نے تفسیر کا آغاز کیا اور مضامین قرآن کو ہر اعتبار سے سمجھانے کی کوشش کی۔ چنانچہ جس انداز سے اور جتنے شرح و بسط سے یہ تفسیر لکھی گئی ہے اس سے پہلے اردو میں اس نمونے کی کوئی تفسیر نہیں ملتی۔اس میں ترکیب نحوی و ربط آیات، حل لغات و بیانِ نکات، اظہار خلاصہ، مراد و شانِ نزول سبھی چیزیں بیان کی گئی ہیں۔ نیز مخالفین دین اسلام کے الزامات اور دہریوں اور نیچریوں کے اعتراضات کے معقول جوابات دیے گئے ہیں۔تفسیر دراصل دوسری جلد سے شروع ہو کر آٹھویں جلد تک چلتی ہے اور اسی پر ختم ہو جاتی ہے۔اس آٹھویں اور آخری جلدیں پارہ عم کی تفسیر ہے۔تفسیر حقانی کی طباعت ۱۳۰۵ھ میں مطبع جامی الاسلام دہلی محلہ بلی ماراں میں چھپی دوسری جلدی کی طباعت دہلی میں ۱۳۰۶ھ میں ہوئی پھر تیسری سے لگا کر ساتویں جلد تک ۱۳۱۲ھ تک چھپیں اور آٹھویں جلد کی طباعت ۱۳۱۸ھ میں ہوئی۔

چونکہ تفسیر حقانی میں سابقہ مفسرین کی کوتاہیوں کی نشاندہی کی گئی ہے اور افراط و تفریط سے بچنے کو ایک مستحسن فعل قرار دیا گیا ہے۔ اس لیے شدت پسند حضرات اس روش کو برداشت نہیں کر سکے اور انہوں نے اس تفسیر پر کئی اعتراضات کیے۔لیکن غیر جانبدار ہو کر دیکھا جائے تو ان اعتراضات میں کوئی وزن محسوس نہیں ہوگا۔اعتراض تو ہر چیز پر کیا جا سکتا ہے لیکن اس اعتراض کی کوئی مضبوط بنیاد ہونی چاہیے۔اور دلائل و براہین سے اس میں زور پیدا کیا جانا چاہیے۔اس اعتبار سے جب ہم ان اعتراضات کو جانچتے ہیں تو وہ قطعاً بے بنیاد اور کمزور دکھائی دیتے ہیں۔

بہر حال ان باتوں سے صرف نظر کر کے دیکھا جائے تو دورِ حاضر کی تفاسیر میں ''تفسیر حقانی'' سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔اس کے بعد اردو زبان میں جتنی تفسیریں لکھی گئیں ان سب کو اسی سے روشنی ملی۔اور اگرچہ ہر مفسر نے اپنا مخصوص نقطہ نظر سامنے رکھا ہے لیکن اصول و ضوابط میں سب نے اس کی پیروی کی ہے۔تفسیر حقانی کی اس اولیت و فضیلت کو اکثر علماء نے تسلیم کیا ہے اور کئی حضرات نے اس کی تعریف کی ہے۔

مولانا شاہ سراج الیقین لکھتے ہیں۔

''جناب مولانا عبدالحق دہلوی۔آپ اکابر و مشاہیر علماء میں ہیں۔غیر مذاہب سے مناظرہ میں آپ کو بہت ہی کمال حاصل ہے۔تفسیر فتح المنان المشہور بہ تفسیر حقانی آپ ہی کی تصنیف ہے۔نہایت جامع اور عمدہ تفسیر ہے۔بڑی صراحت اور فصاحت و بلاغت کے ساتھ لکھا ہے۔اور خوب ہی تحقیق و تدقیق کی ہے۔اور سید احمد خاں نے قرآن مجید کے معانی اور مطالب میں جو تحریف اور غلطیاں کی ہیں ان کا خوب ہی محققانہ جواب دیا ہے۔اس تفسیر کے مطالعہ سے حظ تام حاصل ہوتا۔خداوند تعالیٰ مولانا ممدوح کو اس کی جزائے خیر دارین میں مرحمت فرمائے۔'' ۳۵

''تفسیر کا اصل نام فتح المنان ہے اور تفسیر حقانی کے نام سے مشہور ہے پچھلی صدی کی ابتداء میں ایک طرف عیسائیوں نے قرآن اور اسلام کے خلاف زہریلا پروپیگنڈہ شروع کر دیا تھا اور دوسری طرف سائنسی ترقیوں سے مرعوب ہو کر بعض لوگوں کا یہ خیال ہو گیا تھا کہ قرآن کی بعض تعلیمات سائنس کے خلاف ہیں مصنف نے بڑی عرق ریزی سے پوری تفسیر میں عیسائیوں کے افکار کی تردید کی ہے اور ان کے شبہات کا جواب دیا ہے اور دوسری طرف نا قابل تردید عقلی اصول قائم کر کے یہ بتایا ہے کہ قرآن کی کوئی تعلیم سائنس اور علم کے خلاف نہیں ہے اور یہ کہ سائنس کا کوئی اصول

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایسا نہیں ہے جو اٹل ہو اسلیے قرآن کو سائنسی افکار کے پیش نظر نہیں بدلا جاسکتا۔ اس کے علاوہ اس تفسیر میں وہ تمام باتیں موجود ہیں جو عام تفاسیر میں پائی جاتی ہیں مثلاً تحقیق لغوی، ترکیب نحوی، اسباب نزول، فقہی اختلافات کی تشریحات وغیرہ اس کا شمار اردو کی درجہ اول کی تفاسیر میں ہوتا ہے اور اردو زبان کی اسے ایک جامع تفسیر کہا جاتا ہے۔'' ۳۶

اردو دائرہ معارف اسلامیہ میں تفسیر حقانی کے بارے میں لکھا ہے:۔

''تفسیر حقانی ترجمہ آیات بیان، شان نزول، ترکیب نحوی تفسیر، تفصیل وحواشی پر مشتمل ہے مسائل تصوف وواعظانہ انداز ومناظرانہ اسلوب کی وجہ سے کتاب نے بڑی مقبولیت حاصل کی'' ۳۷

۶۔البیان فی علوم القرآن:۔

دہلی آنے کے بعد آپ نے مقدمہ ثانی تفسیر حقانی البیان فی علوم القرآن کے نام سے لکھا یہ کتاب تقریباً چھ سو صفحات پر مشتمل ہے یہ کتاب طبقہ علماء بالخصوص انگریزی دان حضرات میں بہت مقبول ہوئی مولانا شفقت اللہ بدایونی نے اس کا انگریزی میں ترجمہ کیا جو یورپ میں بہت مقبول ہوا۔

۷۔رسائل:۔

مولانا نے رد آریہ اور رد نصاریٰ میں بہت رسائل تصنیف کیے۔ رد آریا، احقاق حق اور شہاب ثاقب وہ رسائل ہیں جن کے جوابات کیلئے مولانا نے دو ہزار روپے انعام دینے کا اعلان کیا تھا۔ لیکن فرقہ آریا کی طرف سے اس کا اب تک کوئی جواب نہیں لکھا گیا۔

۸۔مناظرہ:۔

حکیم محمد اسحٰق لکھتے ہیں کہ:۔

''مولانا کو فن مناظرہ میں خاص ملکہ حاصل تھا اگر آپ کو امام المناظرین کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا'' ۳۸

قاری فیوض الرحمٰن لکھتے ہیں کہ:۔

''آپ بحث ومباحثہ میں قوی تھے آپ میں ملاحت وحلاوت پائی جاتی تھی، خوش مزاج تھے''۔ ۳۹

مولانا عبدالحق حقانی کی تبلیغی خدمات:۔

اللہ رب العزت نے مولانا حقانی کی رگ رگ میں حمیت اسلامی کوٹ کوٹ کر بھر دی تھی اوائل عمر ہی سے آپ زندگی کے ہر شعبے کو اسلامی زاویہ نظر سے دیکھتے تھے۔ تبلیغ اور اشاعت اسلام سے آپ کو خاص شغف تھا یہی وجہ تھی کہ آپ نے ندوۃ العلماء لکھنؤ میں ایک تبلیغی شعبہ قائم کرنے پر زور دیا تھا۔ جب کبھی اعدائے اسلام نے اسلام کے مقدس ومنور چہرے کو اپنے بے ہودہ اور لغو الزامات سے گرد آلود کرنا چاہا تو آپ سینہ سپر ہوگئے اور ایسے دندان شکن جواب دیئے کہ اس کو راہ فرار ہی اختیار کرنا پڑی۔

انجمن ہدایت الاسلام:۔

یہ انجمن مولانا حقانی کی زیر صدارت قائم ہوئی اس نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ ذی علم اور صاحب ایثار مبلغین فوراً ملکانہ راجپوتوں میں بھیجے ان کو سفر خرچ کے علاوہ ان کے اہل وعیال کے گزارے کیلئے وظائف بھی دیے جاتے مبلغین کو یہ ہدایت تھی کہ وہ خاص خاص مواضع میں مکاتب بھی قائم کریں تاکہ ملکانہ راجپوتوں کے بچوں کو ایسی تعلیم دی جائے کہ وہ خود آریوں کا مقابلہ کر کے اپنی قوم کو ارتداد

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے بچانے کیلئے تیار ہوسکیں۔

اخبار الہدایت:۔

۱۹۰۸ء میں انجمن کی زیر سرپرستی ایک ہفتہ وار اخبار ''الھدایت'' جاری ہوا اس اخبار میں مخالفین اسلام کے جوابات کے علاوہ انجمن ہدایت الاسلام کی خدمات، مبلغین کی رپورٹوں کا خلاصہ اور انجمن کے آمد وخرچ کا ماہوار گوشوارہ بھی شائع ہوتا تھا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حوالہ جات

۱۔ محمد اکرام، شیخ ، موجِ کوثر ، ص:۷۸

۲۔ زبیری، مولوی محمد امین ، تذکرہ سرسید ، ص:۷

۳۔ حالی، الطاف حسین ، حیات جاوید ، ص:۷۶

۴۔ قاسم محمود، سید ، انسائیکلوپیڈیا پاکستانیکا ، ص:۱۶۹

۵۔ محمد اکرام، شیخ ، موج کوثر ، ص:۸۰

۶۔ حالی، الطاف حسین ، حیات جاوید ، ص:۱۰۶

۷۔ حالی، الطاف حسین ، حیات جاوید ، ص:۱۰۸

۸۔ قاسم محمود، سید ، انسائیکلوپیڈیا پاکستانیکا ، ص:۱۶۹

۹۔ زاہد الحسینی، قاضی محمد ، تذکرۃ المفسرین ، ص:۱۸۷

۱۰۔ محمد اکرام، شیخ ، موج کوثر ، ص:۸۲

۱۱۔ عبدالحق ، سرسید احمد خان، حالات وافکار ، ص:۹۶

۱۲۔ سید عبداللہ، ڈاکٹر ، سرسید احمد خان اوران کے نامور رفقاء کی نثر کا فکری اور فنی جائزہ، ص:۳

۱۳۔ طارق محمود، راجہ ، سرسید احمد خان ، ص:۳۲۹

۱۴۔ سید عبداللہ، ڈاکٹر ، سرسید احمد خان اوران کے نامور رفقاء کی نثر کا فکری اور فنی جائزہ، ص:۳،۴

۱۵۔ سید عبداللہ، ڈاکٹر ، سرسید احمد خان اوران کے نامور رفقاء کی نثر کا فکری اور فنی جائزہ، ص:۶

۱۶۔ احمد میاں اختر، جوناگڑھی ، سرسید کا علمی کارنامہ ، ص:۲۷

۱۷۔ سید عبداللہ، ڈاکٹر ، سرسید احمد خان اوران کے نامور رفقاء کی نثر کا فکری اور فنی جائزہ، ص:۱۳

۱۸۔ عبدالحق ، مطالعہ سرسید احمد خان ، ص:۱۸۰

۱۹۔ محمد اکرام، شیخ ، موجِ کوثر ، ص:۱۳۸

۲۰۔ عبدالحق ، مطالعہ سرسید احمد خان ، ص:۱۶۲

۲۱۔ قاسم محمود، سید ، انسائیکلوپیڈیا پاکستانیکا ، ص:۱۷۰

۲۲۔ حالی، الطاف حسین ، حیات جاوید ، ص:۴۹۱،۴۹۰

۲۳۔ قاسم محمود، سید ، انسائیکلوپیڈیا پاکستانیکا ، ص:۱۷۰

۲۴۔ فیوض الرحمٰن، قاری ، مشاہیر علمائے دیوبند ، ص:۱/۲۵۷

۲۵۔ زاہد الحسینی، قاضی محمد ، تذکرہ المفسرین ، ص:۱۹۰

۲۶۔ عبدالحئی، سید ، نزھۃ الخواطر ، ص:۷/۱۲۶۴

۲۷۔ اردو جامع انسائیکلوپیڈیا ، ص:۲/۹۵۴

۲۸۔ محمد اسحٰق، حکیم ، عقائد الاسلام مع حیات حقانی ، ص:۸

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۲۹۔	حقانی، عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۱/۱۲۸
۳۰۔	فیوض الرحمٰن، قاری	،	مشاہیر علمائے دیوبند	،	ص:۱/۲۵۷
۳۱۔	محمد نسیم عثمانی، ڈاکٹر	،	اردو میں تفسیری ادب	،	ص:۲۸۵
۳۲۔	عبدالحئی، سید	،	نزھۃ الخواطر	،	ص:۷/۱۲۶۴
۳۳۔	زاہد الحسینی، قاضی محمد	،	تذکرۃ المفسرین	،	ص:۱۹۱
۳۴۔	حقانی، عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۲/۲
۳۵۔	سراج الیقین، شاہ محمد	،	شمس العارفین	،	ص:۸۷
۳۶۔		،	سیارہ ڈائجسٹ، قرآن نمبر	،	ص:۲/۶۳۰
۳۷۔		،	اردو دائرہ معارف اسلامیہ	،	ص:۶/۵۳۵
۳۸۔	محمد اسحٰق، حکیم	،	عقائد الاسلام مع حیات حقانی	،	ص:۱۲
۳۹۔	فیوض الرحمٰن، قاری	،	مشاہیر علمائے دیوبند	،	ص:۱/۲۵۷

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

باب سوم

سرسید کے افکار کا تعارف

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں سات سمندر پار سے آئی ہوئی انگریز قوم کی فتح اور مجاہدین کی شکست کے بڑے دور رس نتائج برآمد ہوئے اس کے اثرات برصغیر میں بسنے والی ہر قوم پر پڑے۔ مسلمان بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے ان کی تہذیب، ثقافت، معاشرت اور معیشت اور ان کے علوم وفنون سب ہی پر مغرب کے اثرات مرتب ہوئے یہاں تک کہ قرآن کریم کی تفسیر بھی ان اثرات کی زد سے نہ بچ سکی۔ چنانچہ انیسویں صدی کے آخری ربع میں سرسید نے قرآن کی جو تفسیر ''تفسیر القرآن'' کے نام سے لکھی جو بڑی حد تک اس رنگ میں رنگی ہوئی ہے۔ انہی اثرات کے زیر اثر سرسید نے اپنی متعدد تصانیف میں اسلام کے بیشتر مسائل کے متعلق اپنی آراء کا اظہار کیا مثلاً غلامی، تعدد ازدواج، وحی، ملائکہ، شیطان وجن اور معجزات وغیرہ۔ تو ان پر بھی اعتراضات ہوئے اور معترضین سرسید کے خیالات کے رد میں قرآنی آیات پیش کرتے تھے۔ چونکہ سرسید ہر معترض کا فرداً فرداً جواب نہیں دے سکتے تھے اس لئے انہوں نے یہ مناسب سمجھا کہ وہ خود قرآن حکیم کی ایک ایسی تفسیر لکھیں جس سے ان کے نظریات کی وضاحت ہو جائے۔

اس طرح سرسید کی تفسیر کے دو مقصد متعین ہوتے ہیں ایک یہ کہ جدید علوم سے متاثر طبقہ کے سامنے قرآن کو اس طرح پیش کیا جائے کہ قرآن اور علوم میں تطبیق ثابت ہو جائے۔ اور دوسرا مقصد یہ کہ یہ ثابت کیا جائے کہ قرآن میں کوئی بھی بات علم وحکمت، عقل سلیم اور قانون فطرت کے خلاف نہیں ہے۔

انہی مقاصد کے حصول کے لئے سرسید نے قرآن حکیم کی تفسیر لکھی لیکن انہوں نے اپنی تفسیر میں جابجا ٹھوکریں کھائیں، اور بعض مقامات پر ان سے رکیک لغزشیں بھی ہوئیں۔ سرسید نے خود بھی اس کا اعتراف کیا ہے اور کہا ہے کہ

> :''میں یہ نہیں کہتا کہ جو کچھ میری تحقیقات ہے وہی صحیح ہے۔ مگر جب مجھ کو بجز اس کے جو کچھ مجھ سے ہو سکے وہ کروں اور کچھ چارۂ کار نہ تھا۔ تو مجھ کو ضرور وہی کرنا تھا جو میں نے کیا یا کرتا ہوں۔ میری نیت خالص خدا کے ساتھ ہے اگر میں نے برا کیا ہے تو وہ چاہے گا معاف کرے گا چاہے گا نہ کرے گا۔ اگر میں نے اچھا کیا ہے تو میں اس کا صلہ کبھی بندے سے نہیں چاہتا..... اگر مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہے یا آئندہ ہوگی خدا سے مجھ امید ہے کہ وہ مجھ پر رحم کرے گا۔''[1]

سرسید کی اسی طرح کی غلطیوں پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا عبید اللہ سندھی لکھتے ہیں کہ

> ''سرسید کی عملی وعلمی تحریک میں سمجھدار آدمی کے لئے چند نقص نمایاں معلوم ہوتے تھے۔ اس کے متعلق جب کبھی سرسید سے سوال کیا گیا تو انہوں نے اس کا جواب دینے سے گریز کیا۔ اُن کا ایک مہمل سا لطیفہ ہے کہ جب تالاب بھر جائے گا تو پانی باہر نکلنے کے لئے اپنا راستہ خود تلاش کر لے گا۔ سرسید اپنے نوجوانوں کو یورپین سائنس سے متعارف کروانا چاہتے تھے۔ اُن کو اعتماد تھا کہ جو غلطیاں رہ جائیں گی ان کو ہمارے نوجوان خود درست کر لیں گے۔''[2]

سرسید کی تفسیر تفسیر بالرائے کی قبیل سے ہے۔ لیکن بعض مقامات پر وہ تفسیر بالماثور کے اصول کو بھی اپناتے ہیں، اور آیات کی تفسیر آیات ہی سے کرتے ہیں اور کہیں کہیں اپنی رائے کے حق میں روایات وآثار سے بھی استدلال کرتے ہیں۔ وہ لغت، تاریخ، علم الکلام وفلسفہ اور کتب تفسیر سے بھی اخذ کرتے ہیں، لغت میں وہ فقہ اللغہ، الصحاح اور لسان العرب سے اخذ کرتے ہیں۔ کلامی اور فلسفی مباحث میں وہ شاہ ولی اللہؒ دہلوی، شیخ اکبر ابن عربیؒ، ابن ابی سینا، ابن رشد، شیخ احمد سرہندیؒ مجدد الف ثانی اور سید شریفؒ کی کتب سے اخذ کرتے ہیں۔ تاریخ میں ان کے مآخذ زیادہ تر ابن ھشام اور ابن اثیر ہیں۔ اس کے علاوہ وہ تفسیر کشاف، بیضاوی، کشف الاسرار، مجمع البیان، اور تفسیر ابن عباسؓ سے بھی اخذ کرتے ہیں۔

سرسید چونکہ تورات اور انجیل میں لفظی تحریف کے قائل نہیں۔ ''تبیین الکلام'' کے نام سے بائیبل کی ایک نامکمل تفسیر بھی لکھی تھی اس لئے وہ اپنی تفسیر بہت حد تک بائبل سے بھی اخذ کرتے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اب سرسید احمد خان کے افکار و نظریات کا فرداً فرداً احاطہ کیا جاتا ہے جو کہ زیادہ تر ان کی اپنی تفسیر سے ماخوذ ہیں جبکہ کچھ افکار کے لئے اُن کی دیگر تصانیف سے مدد لی گئی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فصل اول

توحید

ہستی اور صفات باری تعالیٰ

سرسید احمد خان کے مطابق فطرت اور قوانین فطرت کو عقلی بنیادوں پر سمجھے بغیر ہستی باری تعالیٰ کا ادراک ممکن نہیں لہٰذا وہ رسالہ ''تہذیب الاخلاق'' میں لکھتے ہیں۔

''خدا نے ہم کو، ہماری جان کو، ہماری سمجھ کو، ہمارے قیاس کو، ہمارے دل و دماغ کو، ہمارے روئیں روئیں کو نیچر سے جکڑ دیا ہے۔ ہمارے چاروں طرف نیچر ہی نیچر پھیلا دیا ہے نیچر ہی کو ہم دیکھتے ہیں، نیچر ہی کو ہم سمجھتے ہیں، نیچر سے خدا کو پہچانتے ہیں۔'' ۳

''(یہی وجہ ہے کہ) کسی نے خدا کو اور کسی طرح نہیں جانا اگر جانا تو نیچر ہی سے جانا۔ موسیٰ نے رب ارنی (الاعراف:۱۴۳) کے جواب میں کیا سنا، لن ترانی ولکن انظر الی الجبل (الاعراف:۱۴۳) پہاڑ پر کیا تھا وہی نیچر قانون قدرت کا نمونہ تھا خود خدا بھی اپنے آپ کو کچھ نہیں بتلا سکا اور جو بتلایا تو نیچر ہی کو بتلایا۔۔۔۔۔۔۔ جب پوچھو کہ تو کون ہے اس کا جواب تو کچھ نہ دے اور اپنے قانون قدرت کو بتا دے اور بولے کہ وہ جو رات کو دن میں اور دن کو رات میں ادل بدل کر دیتا ہے زندہ سے مردہ اور مردہ سے زندہ نکالتا ہے۔ پیغمبر آیا اس نے کیا کہا؟ پھر لوگوں کو نیچر کا رستہ بتایا اور جتنا بگاڑا تھا اتنے کو پھر سنوارا۔۔۔۔۔۔۔ خدا کی شان اور خدا کی عظمت اور اس کا جاہ و جلال اور انبیاء کی شان اور ان کی قدر و منزلت بھی بغیر نیچر لسٹ کے کوئی نہیں جان سکتا۔'' ۴

انسانی عقل اور نیچر اللہ کی ہستی کا تو ادراک کر سکتی ہے مگر اس کی ماہیت اور حقیقت کو پانا اس کے بس کی بات نہیں کیونکہ لا تدرکه الابصار (الانعام:۱۰۳) اور چونکہ کسی نے آنکھ سے اللہ کو دیکھا نہیں ہے اور پھر لیس کمثله شئی (الشوریٰ:۱۱) پر ہمارا ایمان ہے۔ اب جبکہ اس ذات کی ماہیت کا ادراک ناممکن ہے لہٰذا انسان اس ذات کی ماہیت اور حقیقت کو جاننے کا مکلّف بھی نہیں اور اب اگر مکلّف ہے تو اس بات کا کہ جس کا جاننا اور جس کے ذریعے اللہ کو جاننا ممکن ہے اور وہ چیز جس کے ذریعے ہستی الٰہی کا ادراک ممکن ہے وہ فطرۃ اللہ ہے جس کے متعلق سورۃ الروم کی آیت میں فرما دیا کہ

فاقم وجهک للدین حنیفا ؕ فطرت الله التی فطر الناس علیها ؕ لا تبدیل لخلق الله ؕ ذلک الدین القیم و لکن اکثر الناس لا یعلمون ہ (الروم:۳۰،۳۱)

سرسید احمد خان لکھتے ہیں۔

''وہ (اللہ) خود اپنے کو نیچری کہتا ہے پھر اگر ہم بھی نیچری ہیں تو اس سے زیادہ ہم کو کیا فخر ہے'' لاتبدیل لخلق الله '' کی تفسیر میں قاضی بیضاوی نے لکھا ہے۔ ''لایقدر احد ان یغیره ''یعنی کسی کا مقدور نہیں کہ اس کو بدل دے۔۔۔۔ نیچر خدا کا دین ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا مذہب اسلام ان بندشوں کے توڑنے کو آیا تھا جو فطرت یا نیچر پر لوگوں نے باندھی تھیں۔'' ۵

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''سرسید احمد خان کے خیال میں اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام امور کو اپنے ہی بنائے اصولوں یعنی قانونِ قدرت کے تابع کر رکھا ہے اور وہ ان اصولوں یعنی قانون قدرت کو کبھی توڑتا نہیں ہے۔'' ۶

سرسید اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کو قدیم جانتے تھے وہ اپنا عقیدہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

''میں خدا کے کلام کو اس کی صفات سمجھتا ہوں اور تمام صفاتِ خدا کو قدیم مانتا ہوں اور اسی لیے خدا کے کلام کو بھی قدیم مانتا ہوں۔'' ۷

رویئت باری تعالیٰ

''رویئت باری تعالیٰ کے بارے میں سرسید احمد خان کا عقیدہ یہ ہے کہ مرنے کے بعد مومنین و موحدین اس کو دیکھیں گے وہ ایک ایسا روحانی انکشاف ہوگا جو عقلی تصدیق سے جیسے کہ اس دنیا میں ہم رکھتے ہیں بدرجہا بڑھ کر ہو جس کی نسبت عرف عام میں آنکھوں سے دیکھنا کہا جاتا ہے۔ مگر اس رویئت کے لئے نہ سمت ہوگی نہ یہ بصر، نہ صورت ہوگی نہ شکل نہ رنگ ہوگا نہ کوئی ڈھنگ، نہ مقابلہ ہوگا نہ آمنا سامنا محض ہُو کا مقام ہوگا۔'' ۸

مسئلہ جبر و قدر

مسئلہ جبر و قدر پر بحث کرتے ہوئے سرسید احمد خان اپنا یہ نظریہ بیان کرتے ہیں کہ قرآن مجید کی جتنی بھی آیات ان دونوں امور پر بحث کرتی نظر آتی ہیں ان سے انسان مختار یا مجبور ہونے یا بین الجبر والاختیار ہونے کی جو بحث علمائے متقدمین نے چھیڑی ہے وہ سراسر غلط ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

''قرآن مجید سے ان باتوں میں سے کسی پر استدلال کرنا اور اس کو ایک مسئلہ اسلام منزل من اللہ سمجھنا غلطی ہے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے جا بجا بندوں کے افعال تو بلکہ ہر ایک چیز کو اپنی طرف منسوب کیا ہے جو کام بندوں سے ہوتے ہیں انکی نسبت فرمایا ہے کہ ہم نے کیا یا جو چیزیں کہ اور اس اسباب سے پیدا ہوتے ہیں ان اسباب کو بیچ میں سے نکال کر فرماتا ہے کہ ہم نے کیا، ہم نے مینہ برسایا، ہم نے درخت اگائے، ہم نے دریا بہائے، ہم نے سمندر میں جہاز تیرائے، ہم نے اُڑے ہوئے جانور ہوا میں تھمائے، پس اس طرز کلام سے واسطوں کا درحقیقت درمیان میں نہ ہونا یا اس شے کا ان افعال میں مجبور یا مختار ثابت کرنا مقصود نہیں ہوتا بلکہ اپنی عظمت و شان اور اپنے علۃ العلل یعنی تمام چیزوں کی اخیر علت یا خالق ہونے کا بندوں پر اظہار مقصود ہوتا ہے اس لئے اس قسم کے کلام سے انسان کا اپنے افعال میں مجبور یا مختار ہونے کا استنباط و استدلال کرنا صحیح نہیں ہوسکتا بلکہ ایسا داخل التفسیر القول بمالا یرضی قائله کے لئے ہے۔'' ۹

سرسید انسان کو جن امور پر مجبور متصور کرتے ہیں۔ وہ دو طرح کے ہیں ایک انسان کا ماحول اور تربیت اور دوسرا فطری بدیہیات انسانی (انسانی خلقت اور اسکی مخصوص بناوٹ کی وجہ سے مخصوص خصوصیات) لیکن ایسے میں وہ انسان کے اندر حسن و قبح میں تمیز کرنے والی ایک قوت کو بھی تسلیم کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہی قوت تمیز ہے جس کو مزید تقویت دینے کا حکم قرآن میں جا بجا آیا ہے۔ اور اسی قوت کی وجہ سے انسان جزا اور سزا کا مکلف ٹھہرتا ہے حسن و قبح اشیاء کی اور کسی فعل پر ثواب و عقاب کا ہونا اسی قانون قدرت پر مبنی ہے اور خدا کے احکام اسی قانون قدرت کا بیان ہے پس ان میں سے بعض اچھے ہیں۔ ان کے حسن و قبح کو عقل تسلیم کرتی ہے۔ حسن و قبح تمام اشیاء اور احکام کا عقلی ہے نہ کہ شرعی۔ سرسید احمد خان کے اس نظریے کی وجہ سے لوگوں نے انہیں ''معتزلی'' قرار دیا۔ لہذا انہیں شدید مخالفت کا سامنا رہا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فصل دوم

نبوت

قصہ آدمؑ

سرسید احمد خان تفسیر القرآن میں قصہ آدمؑ کے متعلق لکھتے ہیں

(۱)۔'' واذقال ربک (البقرہ:۳۰) اس آیت سے وہ ذکر شروع ہوا ہے۔ جو آدم کا قصہ کہلاتا ہے، تمام مفسرین اس کو واقعی جھگڑا یا مباحثہ سمجھتے ہیں جو خدا اور فرشتوں میں ہوا، تعالیٰ شانهٗ عما یقولون''۔ ۱۰

(۲)۔'' مگر ہم ان معنوں میں سے کسی کو تسلیم نہیں کرتے ہم شروع ہی سے اس قصہ کو ایک واقعی قصہ نہیں سمجھتے، بلکہ صرف انسانی فطرت کا اُس فطرت کی زبان حال سے بیان قرار دیتے ہیں، پس انسان کا جنت میں رہنا اسکی فطرت کی ایک حالت کا بیان ہے جب تک کہ وہ مکلف کسی امر ونہی کا نہ تھا۔'' ۱۱

تصور وجود آدمؑ

و علم آدم الاسماء کلها (البقرۃ:۳۱) کی تشریح کرتے ہوئے وجود آدمؑ کے بارے میں یوں اظہار کرتے ہیں۔

'' آدم کے لفظ سے وہ ذات خاص مراد نہیں ہے جس کو عوام الناس اور مسجد کے ملا باوا آدم کہتے ہیں۔ بلکہ اس سے نوع انسانی مراد ہے جیسا کہ تفسیر کشف الاسرار و ہتک الاستار میں لکھا ہے۔'' وما المقصود بآدم ادم وحدهٗ'' اور خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے'' لقد خلقنا کم ثم صورنا کم ثم قلنا للملئکة اسجدو الادم (الاعراف:۱۱) پس'' کم'' کا خطاب کل انسانوں کی طرف ہے اور آدم سے بنی آدم یعنی نوع انسان مراد ہیں۔'' ۱۲

سرسید احمد خان ثم عرضهم علی الملئکة (البقرہ:۳۱) کی تفسیر کے ضمن میں لکھتے ہیں۔

'' مگر میرے نزدیک ''ھم'' کی ضمیر انسانوں کی طرف راجع ہے جو ضمناً لفظ آدم سے سمجھے جاتے ہیں ہم نے ابھی بتایا ہے کہ آدم سے شخص خاص مراد نہیں ہے۔ بلکہ انسان مراد ہے اور اس مقام پر افراد انسانی کا موجود ہونا بھی تسلیم نہیں کیا گیا بلکہ صرف اس کی فطرت کا بیان کرنا تسلیم ہوا ہے اور اس لئے ضمیر جمع مذکر غائب کا اس کے لئے لانا بالکل صحیح تھا، گویا خدا تعالیٰ نے تمام چیزوں کے جاننے کی قوت انسان میں اور اس کی ذریات میں ودیعت کر کر تنزلاً فرشتوں سے کہا کہ تم سب باتیں تو کیا بتاؤ گے انسان ہی میں جو کچھ ودیعت کیا گیا ہے اسی کو بتلا دو، جب وہ عاجز آئے تو خدا نے انسان سے کہا کہ تو ان حقائق و معارف کو جو فرشتوں میں ہیں بتلا دے اس آیت میں جو ''ھم'' کی ضمیر ہے وہ انسان کی طرف راجع ہے اور ''انبئهم'' اور ''اسمائهم'' میں جو ''ھم'' کی ضمیر ہے وہ فرشتوں کی طرف راجع ہے۔'' ۱۳

نبوت کے متعلق نقطۂ نظر

نبوت کے بارے میں سرسید کے نظریات درج ذیل ہیں۔

'' نبوت درحقیقت ایک فطری چیز ہے جو انبیاء میں بمقتضائے اپنی فطرت کے مثل دیگر قوی انسان کے ہوتی ہے جس انسان میں وہ قوت ہوتی ہے وہ نبی ہوتا ہے اور جو نبی ہوتا ہے اس میں وہ قوت ہوتی ہے جس طرح کہ تمام ملکات

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

انسانی اس کی ترکیب اعضاء، دل و دماغ وخلقت کی مناسبت سے علاقہ رکھتے ہیں، اسی طرح ملکۂ نبوت بھی اس سے علاقہ رکھتا ہے یہ بات کچھ ملکہ نبوت پر ہی موقوف نہیں ہے۔ ہزاروں قسم کی جو ملکات انسانی ہیں بعض دفعہ کوئی خاص ملکہ کسی خاص انسان میں از روئے خلقت وفطرت کے ایسا قوی ہوتا ہے کہ وہ اس کا امام یا پیغمبر کہلاتا ہے لوہار بھی اپنے فن کا امام یا پیغمبر ہوسکتا ہے شاعر بھی اپنے فن کا امام یا پیغمبر ہوسکتا ہے ایک طبیب بھی فن طب کا امام یا پیغمبر ہوسکتا ہے مگر جو شخص روحانی امراض کا طبیب ہوتا ہے اور جس میں اخلاق انسانی کی تعلیم وتربیت کا ملکہ بمقتضائے اسکی فطرت کے خدا سے عنایت ہوتا ہے وہ پیغمبر کہلاتا ہے اور جس طرح کہ اور قوائے انسانی بمناسبت اس کے اعضاء کے قوی ہوتے جاتے ہیں اسی طرح یہ ملکہ بھی قوی ہوتا جاتا ہے اور اپنی پوری قوت پر پہنچ جاتا ہے تو اس سے وہ ظہور میں آتا ہے جو اس کا مقتضی ہوتا ہے جس کو عرف عام میں بعثت سے تعبیر کرتے ہیں۔'' ۱۴

سرسید تفسیر القرآن جلد سوم میں لکھتے ہیں۔

''یہ بھی ایک دقیق مسئلہ ہے۔ ہم نے جابجا بیان کیا ہے کہ نبوت بطور ایک ایسے منصب کے نہیں ہے جیسے کہ کوئی بادشاہ کسی کو کوئی منصب دے دیتا ہے بلکہ نبوت ایک فطری امر ہے اور جس کی فطرت میں خدا نے ملکہ نبوت رکھا ہے وہی نبی ہوتا ہے اور اس بات کو ہم نہیں مانتے کہ سب انسان ایک سے ہوتے ہیں اور ان میں سے جس کو خدا چاہتا ہے نبی اور پیغمبر کر دیتا ہے۔'' ۱۵

مولانا عبدالحق حقانی ''تہذیب الاخلاق مطبوعہ ۱۲۹۲ھ'' کے حوالے سے سرسید احمد کا نبوت کے بارے نظریہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''نبوت خدا کی طرف سے ایک ایسا عہدہ سمجھنا کہ وہ جسکو چاہتا ہے دیتا ہے اہل اسلام کا غلط عقیدہ ہے بلکہ نبوت ایک فطری ملکہ ہے کہ جس طرح انسان کے اندر اور صدہا فطری ملکات ہیں یہ بھی ایک ملکہ ہے کہ جو جسم کے قوی اور ضعیف ہونے سے قوی وضعیف ہوتا ہے پس جس میں اخلاق انسانی کی تعلیم وتربیت کا ملکہ بمقتضائے اسکی فطرت کے خدا تعالیٰ سے عنایت ہوتا ہے وہ پیغمبر کہلاتا ہے (پھر یہ پیغمبری کسی شخص اور کسی زمانہ میں منحصر نہیں بلکہ ہر ملک اور ہر زمانہ میں ایسے لوگ کہ جو رفارمر کہلاتے ہیں نبی ہیں۔ چنانچہ ہندوستان میں دیانند سرسوتی اور بنگالہ میں بابو کیشب چندر سین اور انگلستان میں فلاں فلاں صاحب اب بھی نبی ہیں۔'' ۱۶

نظریہ پیدائش عیسیٰؑ / ولادت عیسیٰؑ

سرسید احمد خان پیدائش عیسیٰؑ / ولادت عیسیٰؑ کے بارے تفسیر القرآن میں مختلف مقامات پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔

(۱)۔'' قرآن مجید نے اس بات میں کہ حضرت عیسیٰؑ بن باپ کے پیدا ہوئے تھے کچھ بحث نہیں کی۔ جب قرآن نازل ہوا اس وقت دو فرقے مخالف موجود تھے ایک فرقہ نہایت نالائق اور بدی سے یہ کہتا تھا کہ حضرت مسیح بطور ناجائز مولود کے پیدا ہوئے۔ دوسرا فرقہ یہ کہتا تھا کہ وہ خدا اور خدا کے بیٹے اور ثالث اور ثلاثہ ہیں قرآن مجید نے ان دونوں فرقوں کے اعتقاد کو رد کر دیا اور حضرت مسیح کے مقدس اور روح پاک ہونے پر اور حضرت مریم کی عصمت وطہارت پر گواہی دی اور اس بات کو کہ وہ خدا یا خدا کے بیٹے اور ثالث ثلاثہ ہیں جھٹلا دیا اور بتلا دیا کہ وہ مثل اور انسانوں کے خدا کے بندے ہیں۔ قرآن مجید میں یہ کہیں نہیں بیان ہوا کہ وہ بن باپ کے پیدا ہوئے تھے۔'' ۱۷

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(۲)۔''لفظ''کن فیکون''جوسورہ آل عمران میں ہے وہ کسی امر کے ہونے پر بلا اسباب قدرتی وفطرتی کے دلالت نہیں کرتا۔کیونکہ ہر شے کے ہونے کو خدا اسی طرح فرماتا ہے''اذا اراد شیئاً انما یقول لہ کن فیکون''(یس:۸۲) پس ہر شے''کُن''کے حکم سے ہمیشہ قانون قدرت اور قاعدہ فطرت کے مطابق ہوتی ہے پس یہ الفاظ کسی طرح اس بات پر کہ حضرت مسیحؑ کی ولادت فی الفور بلا قاعدہ فطرت اور بغیر باپ کے ہوئی تھی دلالت نہیں کرتے۔''آیۃ للناس''کے لفظ سے یہ سمجھنا کہ حضرت مسیحؑ کو بغیر باپ کے بطور ایک نشانی معجزہ کے پیدا کیا تھا محض بے جا ہے۔'' ۱۸

(۳)۔''اس کے بعد ہے''فحملہ''پس اس حرف''ف''سے جو''حملہ''پر ہے یہ لازم نہیں آتا کہ بمجرد اس گفتگو کے حضرت مریمؑ حاملہ ہوگئی تھیں بلکہ پایا جاتا ہے کہ اس گفتگو کے کسی زمانہ مابعد میں وہ حاملہ ہوئیں جس وقت کی یہ گفتگو ہے بلاشبہ حضرت مریمؑ کو کسی بشر نے نہیں چھوا تھا لیکن اس کے بعد اُن کا خطبہ یوسف سے ہوا اور وہ حسب قانون فطرت انسانی اپنے شوہر یوسف سے حاملہ ہوئیں۔'' ۱۹

(۴)۔سورۃ آل عمران میں ہے''ان مثل عیسیٰ عند اللّٰہ کمثل آدم خلقہ من تراب ثم قال لہ کن فیکون''(آل عمران:۵۹)اس آیت سے بھی حضرت عیسیٰؑ کا بن باپ کے پیدا ہونا ثابت نہیں ہوتا۔'' ۲۰

نظریہ وفات عیسیٰؑ / رفع عیسیٰؑ

تفسیر القرآن کے درج ذیل اقتباسات سے سرسید احمد خان کا نظریہ وفاتِ عیسیٰؑ واضح ہوتا ہے۔

(۱)۔''پہلی تین آیتوں سے(آل عمران:۴۸،المائدہ:۱۱۷،مریم:۳۲:۳۳:۳۴)سے حضرت عیسیٰؑ کا اپنی موت سے وفات پانا اعلانیہ ظاہر ہے مگر جو کہ علمائے اسلام نے بہ تقلید بعض فرق نصاریٰ کے قبل اس کے کہ مطلب قرآن مجید پر غور کریں یہ تسلیم کرلیا تھا کہ حضرت عیسیٰؑ زندہ آسمان پر چلے گئے ہیں اسلئے انہوں نے ان آیتوں کے بعض الفاظ کو اپنی غیر محقق تسلیم کے مطابق کرنے کو بے جا کوشش کی ہے۔پہلی آیت میں صاف لفظ''متوفیک''کا واقع ہے۔جس کے معنی عموماً ایسے مقام پر موت کے لئے جاتے ہیں خود قرآن مجید سے اسکی تفسیر پائی جاتی ہے جہاں خدا نے فرمایا ہے ''اللّٰہ یتوفی الانفس حین موتھا''(الزمر:۴۲)ابن عباس اور محمد ابن اسحاق نے بھی جیسے کہ تفسیر کبیر میں لکھا ہے ''متوفیک''کے معنی''ممیتک''کے لئے ہیں۔یہی حال لفظ''توفیتنی''کا ہے جو دوسری آیت میں ہے اور جس کے صاف معنی یہ ہیں کہ جب تو نے مجھ کو موت دی یعنی جب میں مرگیا اور ان میں نہیں رہا تو تُو ان کا نگہبان تھا۔پہلی آیت میں اور چوتھی آیت میں لفظ''رفع''کا بھی آیا ہے جس سے حضرت عیسیٰؑ کی قدر و منزلت کا اظہار مقصود ہے نہ یہ کہ اُن کے جسم کو اٹھا لینے کا۔'' ۲۱

(۲)۔''حضرت عیسیٰؑ کو یہودیوں نے نہ سنگسار کر کے قتل کیا نہ صلیب پر قتل کیا بلکہ وہ اپنی موت سے مرے اور خدا نے اُن کے درجہ اور مرتبہ کو مرتفع کیا۔'' ۲۲

(۳)۔''ان آیتوں میں ایک اور لفظ بھی غور کے قابل ہے یعنی''مادمت فیھم''(المائدہ:۱۱۷)اس کے صاف معنی ہیں کہ جب تک میں زندہ تھا اور اس کی سند خود قرآن مجید کی دوسری آیت میں موجود ہے جہاں فرمایا ہے''مادمت حیا''(مریم:۳۱)پس صاف ظاہر ہے کہ جو معنی''حیا''کے ہیں وہی معنی''فیھم''کے ہیں۔اس کے بعد ہے''فلما

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تو فیتنی ''تو اس سے اور بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اس لفظ سے حیا ہی مراد تھی اور مطلب بالکل صاف ہو جاتا ہے کہ جب تک میں اُن میں تھا یعنی زندہ تھا تو میں اُس پر شاہد تھا اور جب تو نے مجھے موت دی تو تُو اُن کا نگہبان رہا۔ پس ان دونوں آیتوں میں اس دنیا ہی میں حضرت عیسیٰ کا زندہ رہنا اور اس دنیا ہی میں اپنی موت سے مرنا بخوبی ظاہر ہوتا ہے۔'' ۲۳

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فصل سوم

معجزات کی عقلی توجیہہ

معجزات وکرامات کے متعلق نظریہ

تفسیر القرآن میں سرسید احمد خان معجزات وکرامات کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

''حکماً وفلاسفہ نے معجزات یا کرامات کا انکار کسی وجہ سے کیا ہو مگر ہمارا انکار صرف اس بناء پر نہیں ہے کہ وہ مخالف عقل کے ہیں اور اسلئے اُن سے انکار کرنا ضرور ہے بلکہ ہمارا انکار اس بناء پر ہے کہ قرآن مجید سے معجزات وکرامات یعنی ظہور امور کا بطور خرق عادت یعنی خلاف فطرت یا خلاف جبلت یا خلاف خلقت یا خلاف قدر التی قدرھا اللّٰہ کے امتناع پایا جاتا ہے جس کو ہم مختصر لفظوں میں یوں تعبیر کرتے ہیں کہ کوئی امر خلاف قانون قدرت واقع نہیں ہوتا اور اسلئے معجزات وکرامات سے جبکہ ان کے معنوں میں غیر مقید ہونا قانون قدرت کا مراد لیا جاوے تو انکار کرتے ہیں اور اگر اُن کے معنوں میں یہ بھی داخل کیا جاوے کہ وہ مطابق قانون قدرت کے واقع ہوتے ہیں تو صرف نزاع لفظی باقی رہ جاتی ہے کیونکہ جو امر کہ واقع ہوا اور جس شخص کے ہاتھ سے واقع ہوا اسی کو ہم دونوں تسلیم کرتے ہیں مگر وہ اس کا معجزہ یا کرامات نام رکھتے ہیں ہم اس کا یہ نام نہیں رکھتے۔'' ۲۴

''ہماری سمجھ میں کسی شخص میں معجزے یا کرامات کے ہونے کا یقین کرنا ذات باری تعالیٰ کی توحید فی الصفات پر ایمان کو ناقص اور نامکمل کر دینا ہے اور اس کا ثبوت پیر پرست وگور پرست لوگوں کے حالات سے جو اس وقت بھی موجود ہیں اور صرف معجزہ وکرامات کے خیال نے ان کو پیر پرستی کی رغبت دلائی ہے اور خدائے قادر مطلق کے سوا دوسرے کی طرف اُن کو رجوع کیا ہے اور منتیں ماننا اور نذر ونیاز چڑھانا اور اُن کے نام کے نشانات بنانا اور جانوروں کی بھینٹ دینا سکھایا ہے بخوبی حاصل ہے اسی وجہ سے ہمارے سچے ہادی محمد رسول اللہ نے اور ہمارے سچے خدا وحدہٗ لاشریک نے صاف صاف معجزات کی نفی کر دی تا کہ توحید کامل بندوں کو حاصل ہو۔'' ۲۵

معجزات نبوی ﷺ کے متعلق نظریہ

سرسید احمد خان معجزات نبوی ﷺ کے بارے میں اپنے خیالات کا یوں اظہار کرتے ہیں۔

''آنحضرت علیہ السلام کے پاس جو افضل الانبیائے والرسل ہیں معجزہ نہ ہونے کے بیان سے ضمناً یہ ثابت ہوتا ہے کہ انبیائے سابقین علیھم السلام کے پاس بھی کوئی معجزہ نہ تھا اور جن واقعات کو لوگ معجزہ (متعارف معنوں میں) سمجھتے تھے درحقیقت وہ معجزات نہ تھے بلکہ وہ واقعات تھے جو مطابق قانون قدرت کے واقع ہوئے تھے خاتم النبیین علیہ الصلوۃ والسلام نے جو اس بات کو کھول دیا اور چھپا کا نہیں رکھا اسکا اصلی سبب یہ ہے کہ بڑا جزو اسلام کا جس کے سبب اس کو خطاب ''الیوم اکملت لکم دینکم'' (المائدہ:۳) کا ملا اور جس کی وجہ سے محمد رسول اللہ ﷺ خاتم النبیین ہوئے وہ صرف تکمیل تلقین توحید ذات باری تعالیٰ کی ہے جو توحید ثلاثہ میں منحصر ہے یعنی توحید فی الذات، توحید فی الصفات۔ توحید فی العبادت'' ۲۶

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سرسید احمد خان تفسیر القران میں مزید لکھتے ہیں

''انبیاء علیھم السلام میں معجزات کا (علی المعنی المتعارفہ) یا اولیاء اللہ میں کرامات کا یقین کرنا (گو کہ اعتقاد کیا جاوے کہ خدا ہی نے وہ قدرت یا صفت اُن میں دی ہے) توحید فی الصفات کو نامکمل کر دیتا ہے۔ کوئی عزت اور کوئی بزرگی اور کوئی تقدس اور کوئی صداقت اسلام کی اور بانیٔ اسلام کی اس سے زیادہ نہیں ہو سکتی جو اس نے بغیر کسی لاؤ لپیٹ کے اور بغیر کسی دھوکا دینے کے اور بغیر کسی کرشمہ و کرتوت کا دعویٰ کرنے سے صاف صاف لوگوں کو بتا دیا کہ معجزے و عجزے تو خدا کے پاس ہیں میں تو مثل تمہارے ایک انسان ہوں خدا نے میرے دل میں جو وحی ڈالی ہے اُس کی میں تم کو تلقین کرتا ہوں۔'' ۲۷

تصور معراج النبیؐ

سرسید کی معراج النبیؐ کے بارے میں مختلف رائے ہے جبکہ جمہور علماء اس بات کے قائل ہیں کہ حضورؐ کو معراج جسمانی ہوئی نہ کہ روحانی۔ لیکن سرسید اس رائے کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''پہلا مذہب حضرت عائشہ صدیقہؓ اور بعض صحابہ کا جو اس بات کے قائل ہیں کہ معراج روحانی تھا نہ کہ جسمانی۔ دوسرا مذہب چند اکابرین کا ہے اور وہ یہ کہ معراج بیت المقدس تک جسمانی تھی اور وہاں سے ملاء اعلیٰ تک روحانی تیسرا مذہب عام جو سب میں مشہور ہے کہ تمام معراج جسمانی تھی میری یہ رائے ہے کہ جہاں تک اس مسئلہ پر اور قرآن مجید و احادیث پر غور کیا جاتا ہے تو مذہب حضرت عائشہؓ کا ٹھیک ہے اور درست معلوم ہوتا ہے وہی مذہب میں نے اختیار کیا ہے۔'' ۲۸

سرسید اپنی تفسیر کے حصہ ششم میں آنحضورؐ کے دو اہم معجزات معراج نبوی اور شق صدر پر تفصیلاً بحث کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔

''معراج کے متعلق جس قدر حدیثیں ہیں ان میں آنحضورؐ کا بجسدہ جبرئیل کا ہاتھ پکڑ کر خواہ براق پر سوار ہو کر یا پرند جانور کے گھونسلے میں بیٹھ کر جو درخت میں لٹکا ہوا تھا بیت المقدس تک جانا اور وہاں سے بجسدہ آسمانوں پر تشریف لے جانا یا بذریعہ ایک سیڑھی کے جو آسمانوں تک لگی ہوئی تھی چڑھ جانا خلاف قانون فطرت ہے اور اس لئے ممتنعات عقلی میں داخل ہے اگر ہم اُن کے راویوں کو ثقہ اور معتبر تصور کر لیں تو بھی یہ قرار پائے گا کہ اُن کو اصل مطلب کے سمجھنے اور بیان کرنے میں غلطی ہوئی مگر اس واقعہ کی صحت تسلیم نہیں ہو سکنے کی اسلئے کہ ایسا ہونا ممتنعات عقلی میں سے ہے اور یہ کہہ دینا کہ خدا میں سب قدرت ہے اس نے ایسا ہی کر دیا ہوگا جہال اور نا سمجھ بلکہ مرفوع القلم لوگوں کا کام ہے نہ ان کا جو دل سے اسلام پر یقین کرتے ہیں اور دوسروں کو اس مقام پر یقین دلانا اور اعلائے کلمۃ اللہ چاہتے ہیں۔'' ۲۹

سرسید احمد خان گواہان رویت کی گواہی کو بھی ایسے موقع پر درست تسلیم نہیں کرتے ہیں کیونکہ ان کے مطابق یہاں راوی کی سمجھ اور بیان میں سہو و غلطی کا اقرار لینا قانون فطرت کو غلط ثابت کرنے سے بہتر ہے اور جہاں تک قول پیغمبر کا تعلق ہے اسے سرسید بلا حجت قابل تسلیم تو مانتے ہیں مگر بشرطیکہ اس کا قول نبیؐ ہونا ثابت ہو سرسید کے خیال میں صحاح ستہ کی کسی حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا ہے کہ آپ کا بیت المقدس اور آسمانوں پر تشریف لے جانے کا واقعہ حالت بیداری میں وقوع پذیر ہوا تھا بلکہ اس کے برخلاف چند احادیث ایسی ملتی ہیں جن میں نبی کریمؐ کے سونے کی حالت کا ثبوت ملتا ہے لہٰذا وہ کہتے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''اب ہم غور کرتے ہیں احادیث معراج جن میں صاف پایا جاتا ہے کہ وہ ایک واقعہ ہے جو سوتے میں آنحضرتؐ نے دیکھا تھا اور دلالۃ النص سے بھی پایا جاتا ہے اور صحاح کی کسی حدیث سے نہیں پایا جاتا کہ حالت بیداری میں آتے دیکھا اور بجسدہ آپ بیت المقدس اور آسمانوں پر تشریف لے گئے بلکہ برخلاف اس کے چند حدیثوں میں سونے کی حالت پائی جاتی ہے تو ہمارا اور ہر ذی عقل کا بلکہ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اسکو ایک واقعہ خواب کا تسلیم کرے اور ابن رشد کے قول کو صحیح سمجھے کہ اگر نقل میں کوئی بات خلاف عقل معلوم ہوتی ہے تو خود نقل اور اس کے ماسبق و ملحق پر غور کرنے سے وہ مخالفت دور ہو جاتی ہے نہ یہ کہ تاویل بعیدہ اور رکیکہ اور دلائل فرضی دور از کار سے اُس کو ایسا واقعہ بنادے جو حقیقت کے بھی ایسا ہی مخالف ہو جیسا کہ عقل کے اور مذہب اسلام کی بنیاد مستحکم کو توڑ کر ریت پر بلکہ پانی پر اس کی بنیاد رکھے۔'' ۳۰

معجزہ شق صدر کے متعلق رائے

سرسید احمد خان واقعۂ شق صدر اور واقعہ معراج کی کڑیاں ملاتے ہوئے کہتے ہیں کہ

''چند حدیثیں ایسی ہیں جن میں شق صدر کا ہونا معراج کے ساتھ بیان ہوا ہے ایسا ہونا البتہ تسلیم ہو سکتا ہے اس لئے کہ ہماری تحقیق میں واقعہ معراج کا ایک خواب تھا جو رسول خدا ﷺ نے دیکھا تھا اُسی خواب میں یہ بھی دیکھا کہ جبرئیل نے آپ کا سینہ چیرا اور اس کو آب زم زم سے دھویا قابل انکار نہیں ہے اور نہ اس سے انکار کرنے کی کوئی وجہ ہے۔'' ۳۱

مقالات سرسید میں سرسید احمد خان کا قول یوں نقل کیا گیا ہے۔

''شق صدر کی نسبت بھی چند مذہب ہیں بعضوں کا قول ہے کہ پانچ دفعہ شق صدر واقعہ ہوا اور اکثر کا قول ہے کہ ایک دفعہ ایام طفولیت میں ہوا تیسرا مذہب محققین کا یہ تھا کہ واقعہ شق صدر ایک جزو ہے اُن تمام واقعات کا جو شب معراج کو واقع ہوئے تھے یہی روایت میرے نزدیک صحیح ہے اور معتبر ہے اور یہی مذہب میں نے اختیار کیا ہے۔'' ۳۲

معجزاتِ حضرت عیسیٰؑ

ا۔ تکلم فی المہد

سرسید احمد خان معجزات حضرت عیسیٰؑ کے متعلق اپنا نقطۂ نظر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''اس امر کی نسبت خدا تعالیٰ نے سورہ آل عمران میں فرمایا ویکلم الناس فی المھد و کھلا (آل عمران:۴۶) اور سورہ مائدہ میں فرمایا تکلم الناس فی المھد و کھلا (المائدہ:۱۱۰) اور سورہ مریم میں فرمایا ہے فاشارت الیہ قالو اکیف نکلم من کان فی المھد صبیا قال انی عبد اللّٰہ اٰتانی الکتاب و جعلنی نبیا ۔(مریم:۲۹) ان آیتوں میں صرف لفظ مہد کا ہے جس پر بحث ہو سکتی ہے مگر مہد سے صرف صغر سنی کا زمانہ مراد ہے نہ وہ زمانہ جس میں کوئی بچہ بمقتضائے قانون قدرت کلام نہیں کر سکتا۔'' ۳۳

''قرآن مجید سے ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت عیسیٰؑ نے ایسی عمر میں جس میں حسب فطرت انسانی کوئی بچہ کلام نہیں کرتا کلام کیا تھا قرآن مجید کے یہ لفظ ہیں ''کیف نکلم من کان فی المھد صبیا'' (مریم:۲۹) اس میں لفظ ''کان'' کا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک ایسے سے ہم کیونکر کلام کریں جو مہد میں تھا یعنی کم عمر لڑکا ہماری گفتگو کے لائق نہیں یہ اسی طرح کا محاورہ ہے جیسے کہ ہمارے محاورہ میں ایک بڑا شخص ایک کم عمر لڑکے کی نسبت کہے کہ ابھی ہونٹ پر سے تو

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

اس کے دودھ بھی نہیں سوکھا کیا یہ ہم سے مباحثہ کے لائق ہے۔ ''کان'' کا لفظ دلالت کرتا ہے کہ اس وقت وہ نہ مہد میں تھے نہ مہد کے لائق تھے۔'' ۳۴

''صاف ظاہر ہے کہ حضرت عیسٰیؑ کی تلقین سے جو خلاف عقائد یہود تھی علمائے یہود ناراض ہو کر حضرت مریمؑ کے پاس آئے جس سے اُن کی غرض یہ ہوگی کہ وہ حضرت عیسٰیؑ کو ان باتوں سے باز رکھیں اور کہا کہ تیرا باپ اور تیری ماں تو بڑے نیک تھے تو نے یہ کیسا عجیب بچہ جنا ہے جو تمام عقائد کے برخلاف باتیں کرتا ہے۔ حضرت مریمؑ نے کہا کہ اسی سے ہی پوچھو اس پر یہودیوں نے کہا کہ وہ کل کا بچہ ہمارے منہ لگنے کے لائق نہیں اُس پر حضرت مریمؑ حضرت عیسٰیؑ کو اٹھالائیں اور انہوں نے کہا کہ میں خدا کا نبی ہوں یہ ایسا معاملہ ہے کہ جو فطرت انسانی کے موافق واقع ہوا اور اب بھی واقع ہوتا ہے شوخ و شریر لڑکے کی ماں سے اس کی شکایت کی جاتی ہے جو شوخی کہ اس نے کی ہو اُس کی نسبت اسکی ماں کہتی ہے کہ اُسی سے پوچھو۔ پس ان الفاظ سے جو قرآن مجید میں ہیں حضرت عیسٰیؑ کے بن باپ کے پیدا ہونے پر کسی طرح استدلال نہیں ہوسکتا۔ اُٹھالانے کا لفظ اس مقام پر مجازاً بولا گیا ہے۔ اس سے خواہ مخواہ گود میں اٹھالینا لازم نہیں آتا۔'' ۳۵

۲۔ نزول مائدہ

سرسید احمد خان ربنا انزل علینا مائدۃ من السماء (المائدہ:۱۱۴) کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''ہمارے مفسروں نے ان آیتوں کی تفسیر میں نزول مائدہ کی نسبت بہت سے بے سروپا قصے و کہانیاں لکھی ہیں جن میں ایک بھی اعتبار کے لائق نہیں ہے اور نہ قرآن مجید کے لفظوں سے ان قصوں کی تائید ہوتی ہے اور نہ اُن کی نسبت کوئی اشارہ پایا جاتا ہے۔

تفسیر کبیر اور تفسیر کشاف اور اسی طرح اور تفسیروں میں بھی یہ روایت لکھی ہے کہ جب حواریوں نے سنا کہ اگر مائدہ اترنے کے بعد کوئی کفر کرے گا تو اس کو سخت عذاب ہوگا تو انہوں نے کہا کہ ہم مائدہ کا اترنا نہیں چاہتے پس کوئی مائدہ نہیں اترا۔ کشاف میں لکھا ہے کہ حضرت حسن بصری نے کہا کہ ''والله ما نزلت'' قرآن مجید میں نہیں بیان کیا گیا ہے کہ بعد اس گفتگو کے مائدہ اترا تھا بلکہ اُترنے کا ذکر نہ ہونا جس کے ذکر ہونے کا موقع تھا۔ کافی دلیل اس بات پر یقین کرنے کی ہے کہ نزول مائدہ ہرگز وقوع میں نہیں آیا۔'' ۳۶

۳۔ اخبار عن الغیب

سرسید احمد خان آل عمران آیت نمبر ۴۹ کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

''علمائے مفسرین نے جو اپنی تفسیر میں عجیب و لایعنی باتوں کا لکھنا اپنا فخر سمجھتے ہیں اس آیت کی بھی تفسیر عجیب و غریب کی ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسٰیؑ چھٹ پٹ ہی سے مخفی باتوں کی خبر دے دیا کرتے تھے لڑکوں کو جن کے ساتھ کھیلتے تھے بتا دیتے تھے کہ تم نے کیا کھایا ہے اور تمہارے ماں باپ نے فلاں چیز (مثلاً مٹھائی) تم سے چھپا کر رکھ چھوڑی ہے وہ لڑکے گھر میں آکر ماں باپ سے ضد کرتے آخر کو وہ چیز نکلتی تھی اور وہ لے لیتے تھے بعض مفسرین نے یہ کہا کہ جب مائدہ نازل ہوا تو اس میں کے کھانے کو جمع کرنے کا حکم نہ تھا مگر لوگ جن پر مائدہ اترا تھا اس کو جمع کر رکھتے تھے اور حضرت عیسٰیؑ بتا دیتے تھے کہ تم نے کیا کھایا ہے اور کیا جمع کیا ہے۔ تعجب ہوتا ہے کہ ہمارے علماء جو نہایت اعلیٰ درجہ کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

علم وفضل رکھتے تھے کیونکر ایسی بے ہودہ باتیں لکھ گئے ہیں آیت نہایت صاف ہے اور اس کا مطلب نہایت روشن ہے۔ یہود اور علمائے یہود طرح بطرح کے حیلوں اور فریبوں سے ناجائز طور پر لوگوں کا مال مارتے تھے لوگوں کا مال کھاتے تھے اپنے گھروں میں مال مار مار کر روپیہ و دولت جمع کرتے تھے جو بالکل حرام و ناواجب تھا'' ۳۷

سرسید احمد خان تفسیر القرآن میں مزید لکھتے ہیں کہ

''خود خدا تعالیٰ نے سورہ نساء میں یہودیوں کی نسبت فرمایا ہے کہ واخذ هم الربٰوا وقد نهوا عنه و اكلهم اموال الناس بالباطل واعتدنا للكافرين عذاباً اليما۔(النساء:۱۶۱) اور سورہ توبہ میں فرمایا ہے کہ یاایھاالذین امنوا ان کثیرا من الاحبار و الرهبان لیاکلون اموال الناس بالباطل و یصدون عن سبیل اللّٰه و الذین یکنزون الذهب والفضة ولاینفقونها فی سبیل اللّٰه فبشرهم بعذاب الیم۔(التوبہ:۳۴) پس اسی طرح حرام خوری اور حرام مال جمع کرنے کی نسبت حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا کہ میں تم کو بتاؤں گا کہ تم کیا کھاتے ہو اور کیا اپنے گھروں میں جمع کرتے ہو یعنی بتاؤں گا کہ حرام کا مال مارتے ہو اور حرام کی دولت اپنے گھروں میں جمع کرتے ہو۔ نہ یہ کہ یہ بتاؤں گا کہ تم نے کیا کھایا ہے اور کیا گھر میں رکھا ہے۔ یہ ایسی صاف وصریح آیت ہے جس کی تفسیر خود قرآن مجید کی دوسری آیتوں میں موجود ہے مگر افسوس کہ علمائے اسلام نے اس کو بھی ایک افسانہ اور خیالی معجزہ کر کے بیان کیا ہے مگر جس کو خدا نے بصیرت دی ہے وہ صاف سمجھتا ہے کہ نہایت صاف و صریح یہ آیت ہے اور اس کے معنی وہی ہیں جو ہم نے بیان کئے۔'' ۳۸

۴۔ مُردوں کو زندہ کرنا

سرسید احمد خان کہتے ہیں

''اس مضمون کو خدا تعالیٰ نے سورۃ آل عمران میں حضرت عیسیٰؑ کی زبان سے اسطرح فرمایا ہے کہ وابرئی الاکمه والابرص واحی الموتی باذن اللّٰه(آل عمران: ۴۹) اور سورۃ مائدہ میں یوں فرمایا ہے و تبرئی الاکمه والابرص باذنی واذتخرج الموتی باذنی۔(المائدہ:۱۱۰)

علمائے اسلام کی عادت ہے قرآن مجید کے معنی یہودیوں اور عیسائیوں کی روایتوں کے مطابق بیان کرتے ہیں اس لئے انہوں نے ان آیتوں کے یہی معنی بیان کئے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ اندھوں کو آنکھوں والا اور کوڑھیوں کو چنگا کرتے تھے اور مردوں کو جلا دیتے تھے اور صرف تازہ مردوں ہی کو نہیں جلاتے تھے بلکہ ہزاروں برس کے پرانے مردوں کو بھی جلا دیتے تھے۔'' ۳۹

۵۔ اندھوں اور کوڑھیوں کو چنگا کرنا

سرسید احمد خان لکھتے ہیں۔

''حضرت عیسیٰؑ نے تمام قیدیں توڑ دیں تھیں اور تمام لوگوں کو کوڑھی ہوں یا اندھے یا لنگڑے چوڑی ناک کے ہوں یا پتلی ناک کے کبڑے ہوں یا سیدھے ٹھنگنے ہوں یا لنبی پھلی والے ہوں یا جالے والے سب کو خدا کی بادشاہت میں داخل ہونے کی منادی کی تھی کسی کو خدا کی رحمت سے محروم نہیں کیا اور کسی کو عبادت کے اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ سے نہیں روکا پس یہی اُن کا کوڑھیوں اور اندھوں کو اچھا کرنا تھا یا اُن کو ناپاکی سے بری کرنا۔ جہاں جہاں انجیلوں میں بیماروں کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اچھا کرنے کا ذکر ہے اس سے یہی مراد ہے اور قرآن مجید میں جو یہ آیتیں ہیں ان کے یہی معنی ہیں۔'' ۴۰

۶۔تائید روح القدس

سرسید احمد خان تائید روح القدس کے ضمن میں اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

''اس امر کی نسبت خدا تعالیٰ نے سورۃ بقرہ میں فرمایا ہے وایدناہ بروح القدس (البقرہ:۸۷)۔اور سورہ مائدہ میں فرمایا ہے اذ ایدتک بروح القدس (المائدہ:۱۱۰)۔یہ آیتیں کچھ زیادہ تفسیر کی محتاج نہیں ہیں اس میں کچھ شک نہیں کہ تمام انبیاء علیہم السلام مؤید بتائید روح القدس ہیں اگر بحث ہو سکتی ہے تو حقیقت روح القدس میں ہو سکتی ہے تمام علمائے اسلام اس کو ایک مخلوق جداگانہ خارج از خلقت انبیاء قرار دے کر اس کو بطور ایلچی کے خدا و نبی میں واسطہ قرار دیتے ہیں اور جبرئیل اس کا نام بتاتے ہیں ہم بھی جبرئیل اور روح القدس کو شے واحد یقین کرتے ہیں مگر اس کو خارج از خلقت انبیاء مخلوق جداگانہ تسلیم نہیں کرتے بلکہ اس بات کے قائل ہیں خود انبیاء علیہم السلام کی خلقت میں جو ملکہ نبوت ہے وہی روح القدس ہے اور وہی جبرئیل۔'' ۴۱

۷۔خلق طیر

حضرت عیسیٰؑ کے معجزہ خلق طیر کے متعلق سرسید اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

''یہ اس حالت کا ذکر ہے جبکہ حضرت عیسیٰؑ بچے تھے اور بچپنے کے زمانے میں بچوں کے ساتھ کھیلتے تھے اس کی نسبت سورۂ آل عمران میں جو یہ الفاظ ہیں کہ'' انی اخلق لکم من الطین کھیئۃ الطیر فانفخ فیہ فیکون طیرا باذن اللہ ''(آل عمران:۴۹) اس کے معنی یہ ہیں کہ مٹی سے پرندوں کی مورتیں بناتا ہوں پھر ان میں پھوکوں گا تا کہ وہ اللہ کے حکم سے پرند ہو جاویں یہ بات حضرت عیسیٰؑ نے سوال کے جواب میں کہی تھی مگر اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ پھونکنے کے بعد درحقیقت وہ پرندوں کی مورتیں جو مٹی سے بناتے تھے جاندار ہو جاتی تھیں اور اڑنے بھی لگتی تھیں۔اب اس پر بحث یہ کہ کیا درحقیقت یہ کوئی معجزہ تھا اور کیا درحقیقت قرآن مجید سے ان مٹی کے جانوروں کا جاندار ہو جانا اور اڑنے لگنا ثابت ہوتا ہے؟ تمام مفسرین اور علمائے اسلام کا جواب یہ ہے کہ ہاں مگر ہمارا جواب ہے کہ نہیں۔بشرطیکہ دل و دماغ کو ان خیالات سے جو قرآن مجید پر غور کرنے اور قرآن مجید کا مطلب سمجھنے سے پہلے عیسائیوں کی صحیح و غلط روایات کی تقلید سے بیٹھا لیے ہیں۔خالی کر کے نفس قرآن مجید پر بنظر تحقیق غور کیا جاوے۔'' ۴۲

''اس تمام بحث کا نتیجہ یہ ہے کہ قرآن مجید سے یہ بات تو ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰؑ بچپنے کی حالت میں مٹی سے جانوروں کی مورتیں بناتے تھے اور پوچھنے والے سے کہتے تھے کہ میرے پھونکنے سے وہ پرند ہو جاویں گے مگر یہ بات کہ درحقیقت وہ پرند ہو بھی جاتی تھیں نہ قرآن مجید سے ثابت ہوتا ہے نہ قرآن مجید میں بیان ہوا ہے پس حضرت عیسیٰؑ کا یہ کہنا ایسا ہی تھا جیسے کہ بچے اپنے کھیلنے میں بمقتضائے عمر اس قسم کی باتیں کیا کرتے ہیں۔'' ۴۳

حضرت ابراہیمؑ کا آگ میں ڈالے جانے کا واقعہ

مولانا عبدالرحمٰن کیلانی حضرت ابراہیمؑ کا آگ میں ڈالے جانے کے واقعہ کے بارے میں سرسید کے خیالات کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''عقل پرستوں نے حضرت ابراہیمؑ کے آگ میں ڈالے جانے کے واقعہ سے بھی انکار کیا ہے سرسید نے تو یہ لکھا تھا کہ ''یہ کفار کا فقط ابراہیم کو جلانے یا مارنے کا ارادہ تھا لیکن اس پر عمل نہیں ہوا۔'' ۴۴

معجزہ صالحؑ

معجزہ صالحؑ کے بارے میں سرسید کا نقطۂ نظر درج ذیل ہے۔

''ثمود کی قوم جو الحجر میں رہتی تھی اور جس کی ہدایت کیلئے حضرت صالح پیغمبر مبعوث ہوئے تھے بت پرست تھی اور ان کے بھی اسی قسم کے اعتقادات تھے جب انہوں نے حضرت صالح سے نشانی چاہی اور حضرت صالحؑ نے خدا کے حکم سے ایک اونٹنی خدا کے نام پر چھوڑ دی جسطرح کہ اس ملک میں دیوتاؤں کے نام پر سانڈ چھوڑا جاتا ہے اور عرب والے اونٹنی چھوڑتے تھے مگر انہوں نے اونٹنی کو مار ڈالا اور اس کے بعد سخت بھونچال آنے سے وہ قوم تباہ ہوگئی۔ عرب کے لوگ جو نشانیاں آنحضرت ﷺ سے چاہتے تھے اسکی نسبت خدا نے ثمود کے قصہ پر اشارہ کر کے بتلایا کہ اگلوں نے نشانی مانگی اور پھر جھٹلایا۔ اسلئے اُن کی خواہش سے کوئی نشان مقرر کرنا بے فائدہ ہے۔ پس یہی مطلب اس آیت کا ہے کہ ہم کو کسی نشانی یا احکام خاص کے بھیجنے سے بجز اس کے اور کسی چیز نے منع نہیں کیا کہ باوجودیکہ اگلوں کے مانگنے پر جو نشان دیئے گئے تھے اس کو بھی انہوں نے نہیں مانا۔ پس ایسی خواہشیں لغو اور بے فائدہ ہیں اور نشانیوں یا احکام خاص کا بھیجنا صرف ڈرانے کے لئے ہے وہ کوئی ایسا امر نہیں ہے جو ذریعہ ایمان لانے کا ہو۔ ایت اور ایات کا لفظ جو اس آیت میں ہے اسی کے معنی احکام کے بھی ہو سکتے ہیں جو اس اونٹنی کے متعلق حضرت صالحؑ نے بتائے تھے اور نشانی کے معنی بھی ہو سکتے ہیں مگر معجزہ یا معجزات کے معنی نہیں ہو سکتے۔'' ۴۵

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فصل چہارم

مابعد الطبیعیاتی افکار

حقیقت وحی

سرسید احمد خان کے عقیدہ کے مطابق خدا اور پیغمبر میں پیغام رسانی کرنے والی کوئی الگ ہستی نہیں بلکہ خود بمقتضائے ملکۂ نبوت نبی کا دل ہی وہ ایلچی ہوتا ہے جو خدا کا پیغام لے کر آتا ہے وہ خود ہی مجسم ہو کر خدا کے کلام کی آوازیں نکالتا ہے اور پھر خود ہی کان بن کر اس بے حرف و بے صوت خدائی کلام کو سنتا ہے خود نبی کے دل سے فوارہ کی مانند وحی اٹھتی اور خود اسی پر نازل ہوتی ہے۔ لہذا وہ کہتے ہیں کہ

''خدا اور پیغمبر میں کوئی واسطہ نہیں ہے خود خدا ہی پیغمبر کے دل میں وحی جمع کرتا ہے وہی پڑھتا ہے وہ مطلب بتاتا ہے اور یہ سب کام اسی فطری قوت نبوت کے ہیں جو خدا تعالیٰ نے مثل دیگر قوای انسانی کے انبیاء میں بمقتضائے ان کی فطرت کے پیدا کی ہے۔ اور وہی قوت ناموس اکبر ہے اور وہی قوت جبرئیل پیغامبر ہے۔'' ۴۶

ایک اور مقام پر سرسید احمد خان یوں رقم طراز ہیں۔

''پس وحی وہ چیز ہے جس کو قلب نبوت پر بسبب اسی فطری نبوت کے مبداء فیاض نے نقش کیا ہے وہی انتقاش قلبی کبھی مثل ایک بولنے والی آواز کے انہی ظاہر کانوں سے سنائی دیتا ہے اور کبھی وہی نقش قلبی دوسرے بولنے والے کی صورت میں دکھائی دیتا ہے مگر بجز اپنے آپ کے نہ وہاں کوئی آواز ہے نہ بولنے والا۔'' ۴۷

عقیدۂ روح

سرسید احمد خان اپنی تفسیر۔۔تفسیر القرآن۔۔میں اپنے عقیدۂ روح کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

(۱)''ہم روح کو ایک جسم لطیف جو ہر قدیم بالذات تسلیم کرتے ہیں کیونکہ ہم کو یہ بات ثابت نہیں ہوئی ہے کہ کوئی اور جسم بطور جوہر کے موجود ہے اور روح اس کے ساتھ قائم ہے بلکہ ہم کو صرف روح کا وجود ثابت ہوا ہے بغیر وجود کسی دوسرے وجود کے اور اس لیے لازم ہے کہ اس کو جوہر تسلیم کیا جاوے نہ عرض۔'' ۴۸

حقیقت روح کے سوال پر سرسید احمد خان اپنا یہ خیال پیش کرتے ہیں کہ

(۲)''اس سوال کا جواب انسان کی فطرت سے باہر ہے انسان کی فطرت صرف اس قدر ہے کہ وہ اشیاء کے وجود کو ثابت کر سکتا ہے خواہ وہ اشیاء محسوس ہوں یا غیر محسوس مگر ان کی حقیقت کا جاننا اس کی فطرت سے خارج ہے کسی شے کی بھی حقیقت انسان نہیں جانتا ان اشیاء کی بھی حقیقت نہیں جانتا جو ہر دم اس کے سامنے یا اس کے استعمال میں ہیں مثلاً پانی۔ انسان یہ ثابت کر سکتا ہے کہ پانی موجود ہے مگر اس کی حقیقت نہیں بتا سکتا۔۔۔۔۔۔۔ قرآن مجید تمام ان چیزوں کی حقیقت کے بیان سے جن کا جاننا فطرت انسانی سے خارج ہے انکار کرتا ہے اسی طرح حقیقت روح کو بھی بیان نہیں کیا۔۔۔۔ جبکہ ہم روح کو ایک جوہر تسلیم کرتے ہیں تو اس کے مادی یا غیر مادی ہونے پر بحث پیش آتی ہے مگر جبکہ ہم کو اس کی ماہیت کا جاننا ناممکن ہے تو درحقیقت یہ قرار دینا بھی کہ وہ مادی ہے یا غیر مادی ناممکن ہے۔'' ۴۹

(۳)۔''سرسید اس بات کے قائل ہیں کہ انسان میں اور تمام حیوانات میں ایک ہی سی روح ہے انسان میں بہ سبب

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ترکیب اخلاط کے ایک قسم کی روح حیوانی پیدا ہوتی ہے جس کو نسمہ سے تعبیر کیا ہے اور روح حقیقی جو "مانحن فیہ" ہے۔ اس سے متعلق ہوتی ہے۔۔۔۔۔۔۔ روح میں تعقل اور مادہ موجود ہے الا جب تک اس کا تعلق نسمہ سے اور نسمہ کا تعلق بدن سے نہ ہو اس سے وہ افعال صادر نہیں ہو سکتے۔ صدور افعال کے لیے جسم کی ضرورت ہے پس اس جسم کی جس قسم کی بناوٹ ہوگی اسی قسم کے افعال اس سے صادر ہوں گے۔" ۵۰

(۴) "اسکی مثال یہ دی ہے کہ جیسے دخان اور دخانی کل۔ دخانی کل (انجن) کے تمام پرزوں کو حرکت دینے والی صرف ایک چیز ہے یعنی دخان (دھواں) مگر جس قسم کے پرزے بنائے گئے ہیں اسی قسم کے افعال ان سے صادر ہوتے ہیں۔" ۵۱

پھر لکھتے ہیں۔

(۵) "حیوانات کی بناوٹ اس قسم کی ہے کہ اس سے نہایت محدود افعال صادر ہوتے ہیں جو کہ بلا تعلیم و اکتساب اس تمام نوع کے ایک جیسے ہوتے ہیں اور ان افعال سے روح کی ترقی اور تنزل کا کچھ تعلق نہیں ہوتا لہذا وہ اپنے افعال کے مکلف نہیں ٹھہرتے جبکہ انسانی جسم کی بناوٹ ایسی ہے جس سے افعال غیر محدود صادر ہو سکتے ہیں وہ علوم عقلیہ اور الٰہیہ کا انکشاف کر سکتا ہے اس کے ادراکات اور انکشافات کی کوئی حد نہیں ہے اس سے ایسے افعال صادر ہوتے ہیں جو روح کے لئے باعث اکتساب سعادت یا شقاوت ہوتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ وہ مکلف ہے۔" ۵۲

ملائکہ کے متعلق نقطۂ نگاہ

سر سید احمد خان کے ملائکہ کے متعلق نقطۂ نظر کی وضاحت درج ذیل اقتباسات سے ہوتی ہے۔

"جبرائیل و میکائیل یہودیوں نے فرشتوں کے لئے نام مقرر کئے تھے اور ان کے ہاں سات فرشتے نہایت مشہور فرشتوں میں ہیں۔ مگر اس کا ثبوت نہیں ہے کہ کسی نبی نے ان کو بتایا تھا کہ یہ فرشتوں کے نام ہیں بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صحف انبیاء میں کوئی صفت صفات باری تعالیٰ میں سے کسی خاص لفظ کے ساتھ تعبیر کی گئی تھی اور پھر رفتہ رفتہ وہ لفظ فرشتہ کا نام متصور ہونے لگا قرآن مجید میں ان کا استعمال اسی طرح پر ہوا ہے جس طرح کہ یہودی خیال کرتے تھے مگر ہمارے ہاں کے علماء نے بھی یہودیوں کی تقلید سے ان کو فرشتوں کے نام قرار دیئے ہیں۔ قرآن مجید میں صرف دو فرشتوں یعنی جبرائیل و میکائیلؑ کا نام آیا ہے وہ دونوں فرشتے یہودیوں کے ہاں بھی اسی نام سے مشہور ہیں صرف تلفظ کا فرق ہے کیونکہ یہ دونوں نام دراصل عربی نہیں بلکہ عبرانی ہیں۔" ۵۳

(۲)۔ "عام خیال مسلمانوں کا اور علماء اسلام کا یہ ہے کہ جس طرح انسان و حیوان جسم و صورت و شکل رکھتے ہیں اسی طرح وہ بھی جسم اور صورت و شکل رکھتے ہیں اور ان کے پر بھی ہیں جن سے وہ اڑ کر آسمان پر جاتے ہیں اور زمین پر اتر آتے ہیں اور خدا کا پیغام پیغمبروں تک پہنچاتے اور دنیا کے کام جو ان سے متعلق ہیں کرتے پھرتے ہیں۔" ۵۴

(۳)۔ "کیونکہ ان باتوں کے اثبات کے لئے ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں قرآن مجید سے فرشتوں کے اس قسم کے وجود کا اور ان کے اس قسم کے جسم کا اور ان افعال کا جن کا ذکر اوپر ہوا کچھ ثبوت نہیں۔" ۵۵

(۴)۔ "توریت اور صحف انبیاء اور انجیل میں فرشتہ کے لفظ کا استعمال نہایت وسیع معنوں میں آیا ہے۔ کتاب دوم شموئیل باب ۲۴ ورس ۱۶، ۱۷ میں اور کتاب دوم ملوک باب ۱۹ اور س ۳۵ میں اور زبور داؤد باب ۷۸ ورس ۴۹ میں و باپر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فرشتہ کا اطلاق ہوا ہے اور زبور داؤد باب ۱۰۴ اور س ۴ میں ہواؤں پر فرشتہ کا اطلاق کیا گیا ہے۔'' ۵۶

(۵)۔''اب ہم کو اس بات کی تلاش کرنی ہے کہ قدیم مشرکین عرب کا یعنی اس زمانہ کے عربوں کا جبکہ یہودیوں کا میل جول عرب میں نہیں ہوا تھا فرشتوں کی نسبت کیا خیال تھا اور آیا وہ لفظ ملک اور ملائکہ کو انہیں معنوں میں خیال کرتے تھے جن معنوں میں کہ یہودی خیال کرتے تھے یا نہیں جہاں تک کہ ہم نے تفتیش کی ہے قدیم عربوں کا لفظ ملک اور ملائکہ کی نسبت ایسا خیال جیسا کہ یہودیوں کا ہے ثابت نہیں ہوا۔'' ۵۷

(۶)۔''ملائکہ کا اطلاق ان قدرتی قوئی پر جن سے انتظام عالم مربوط ہے اور ان شیون قدرت کاملہ پروردگار پر جو اس کی ہر ایک مخلوق میں بہ تفاوت درجہ ظاہر ہوتی ہیں ملائکہ کا اطلاق ہوا ہے سورہ والنازعات سے اسکا بخوبی ثبوت ہوتا ہے اس کے پہلے چار جملوں کی نسبت مفسرین میں اختلاف ہے مگر پانچویں جملہ ''فالمدبرات امرا'' (النازعات:۵) کی نسبت کسی کو اختلاف نہیں اور جملہ مفسرین متفق ہیں کہ مدبرات سے ملائکہ مراد ہیں پس اب غور کرنا چاہیے کہ مدبرات امور کون ہیں۔ یہی قوئی ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے اپنی حکمتِ کاملہ سے تمام امور عالم کا مدبر مخلوق کیا ہے۔'' ۵۸

(۷)۔''یہی حال فرشتوں کی نسبت ہوا ہے ان کو نوری سمجھ کر گورا گورا سفید برف کا رنگ، نوری شمع کی مانند باہیں، بلور کیسی پنڈلیاں، ہیرے کیسے پاؤں، ایک خوبصورت انسان کی شکل، مگر نہ مرد نہ عورت تصور کیا ہے۔'' ۵۹

(۸)۔''آسمان ان کے رہنے کی جگہ قرار دی آسمان سے زمین پر آنے اور زمین سے آسمان پر جانے کے لئے ان کے پر لگائے ہیں کسی کو شان دار، اور کسی کو غصہ دار و غضبناک، کسی کو کم شان کا، کسی کو صور پھونکتا، کسی کو آتشیں کوڑے سے مینہ برساتا خیال کیا ہے۔'' ۶۰

(۹)''بعض اقوام نے جو زیادہ غور و فکر کی ہے تو ان کے لیے نہ جسم مانا ہے اور نہ ان کا متحیز ہونا تسلیم کیا ہے۔'' ۶۱

(۱۰)''قرآن مجید سے فرشتوں کا ایسا وجود جیسا کہ مسلمانوں نے اعتقاد کر رکھا ہے ثابت نہیں بلکہ اس کے برخلاف پایا جاتا ہے۔'' ۶۲

(۱۱)''ان باریک باتوں پر غور کرنے سے اور اس بات کو سمجھنے سے کہ خدا تعالیٰ جو اپنے جاہ و جلال اور اپنی قدرت اور اپنے افعال کو فرشتوں سے نسبت کرتا ہے تو جن فرشتوں کا قرآن میں ذکر ہے ان کا کوئی اصلی وجود نہیں ہو سکتا بلکہ خدا کی بے انتہاء قدرتوں کے ظہور کو اور ان قوئی کو جو خدا نے اپنی تمام مخلوق میں مختلف قسم کے پیدا کیے ہیں ملک یا ملائکہ کہا ہے۔'' ۶۳

تصور جبرائیل

سر سید احمد خان کا تصور جبرائیل مسلمانوں سے مختلف ہے اس سلسلہ میں وہ لفظ جبرائیل کی اپنے طور پر تاویل کرتے ہیں درج ذیل اقتباسات سے ان کے اس نظریہ کی وضاحت ہو جاتی ہے۔

(۱)۔''(جبرائیل) عربی زبان میں اس لفظ کے معنی قوۃ اللہ یا قدرت اللہ کے ہیں یہ لفظ دانیال پیغمبر کی کتاب میں آیا ہے۔ حضرت دانیال نے سینگ دار مینڈھے اور سینگدار بکرے کی لڑائی کا خواب دیکھا تھا اسی خواب میں ایک شخص نے دریا کے کنارے سے پکار کر کہا کہ اے جبرئیل اس شخص یعنی دانیال کو اس کے خواب کی تعبیر سمجھا دے، اور ایک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور دفعہ وہی شخص جس کا نام خواب میں حضرت دانیال نے جبرئیل سے سنا تھا ان کا خواب سمجھانے کو ان کے پاس آیا تھا لوقا نے جو انجیل لکھی ہے اس کے پہلے باب میں جبرئیلؑ کا ذکر ہے۔'' ۶۴

(۲) ''علماء یہود یہ بھی سمجھتے ہیں کہ جبرئیل بڑے زباں دان ہیں اور بائیبل میں جو لوگوں کی زبانیں ستر قسم کی ہوگئی تھیں ان سب کو جانتے ہیں اور حضرت یوسفؑ کو وہ سب زبانیں انہیں سکھا دی تھیں اور کلدانی اور سریانی زبان سوائے جبرئیل کے اور کسی فرشتہ کو نہیں آتی غالباً زباندانی میں ان کے مشہور ہونے کے سبب مسلمانوں نے تصور کیا ہے کہ یہی خدا کے وحی یعنی قرآن کی آیتیں خدا سے سنکر یاد کر لیتے تھے اور آنحضرت کو آکر سناتے تھے۔'' ۶۵

(۳)۔قل من کان عدو لله و ملئکته ورسله و جبریل و میکال۔۔۔۔۔(البقرۃ:۹۸) سرسید اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں۔''مگر جبرئیل و میکائیل کا اس آیت میں حکایتاً نام ہونے سے ان کے ایسے وجود واقعی پر جیسا کہ یہودیوں نے اور ان کی پیروی سے مسلمانوں نے تصور کیا ہے استدلال نہیں ہوسکتا۔'' ۶۶

(۴)۔''فرشتوں کی دشمنی بیان کرنے کے بعد جبرئیل و میکائیل کا بالتخصیص نام لینا گویا یہود کے خیالات کا اعادہ ہے اور وہ نام مقصود بالذات نہیں ہیں کیونکہ اگر یہودیوں کا یہ خیال نہ ہوتا تو غالباً وہ نام نہ لیے جاتے۔'' ۶۷

(۵) ''پس ان دونوں کے نام قرآن مجید میں آنے سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ درحقیقت اس نام کے دو فرشتے مع تشخصہما علیحدہ علیحدہ ایسی ہی مخلوق ہیں جیسے کہ زید و عمر۔'' ۶۸

(۶)۔''ان وجوہات سے یہ بات کہ جبرئیل درحقیقت کسی فرشتے کا نام ہے ثابت نہیں ہوتی۔'' ۶۹

(۷)۔''کیا یہ تعجب کی بات نہیں ہے کہ باوجودیکہ خدا کے پاس ان دو فرشتوں کے سوا اور بھی بہت سے فرشتے ہیں مگر بجز دو فرشتوں کے اور سب بے نام ہیں کیونکہ کسی اور کا نام قرآن میں نہیں آیا۔حضرت عزرائیل بھی بڑے ۔۔۔۔مشہور فرشتے ہیں جو سب کے پاس آویں گے اور کسی کو نہیں چھوڑیں گے۔اگرچہ ان کا ذکر بلفظ ملک الموت قرآن میں آیا ہے۔مگر ان کا کچھ نام نہیں بیان ہوا ہے ان سب باتوں سے صاف پایا جاتا ہے کہ فرشتوں کے نام یہودیوں کے مقرر کیے ہوئے ہیں جو مختلف قویٰ کے تعبیر کرنے کو انہوں نے رکھ لئے ہیں۔'' ۷۰

تصور شیطان

سرسید احمد خان کا شیطان کے بارے میں یہ تصور ہے۔

''آنحضرتؐ نے بھی فرمایا ہے کہ ''سب دشمنوں سے زیادہ دشمن تیرا نفس ہے جو تیرے پہلو میں ہے'' اور آنحضرتؐ نے یہ بھی فرمایا کہ ''شیطان انسان میں خون کی طرح چلتا ہے اور ٹھیک یہ حالت نفس کی ہے۔'' غرض یہ کہ تمام محققین اس بات کے قائل ہیں کہ انہیں قویٰ کو جو انسان میں ہیں اور جن کو نفس امارہ یا قوائے بہیمیہ تعبیر کرتے ہیں یہی شیطان ہے''۔ ۷۱

تصور جنات

عموماً اجنۃ کو ایک قسم کی مافوق الفطرت آتشیں مگر ذی عقل مخلوق سمجھا جاتا ہے۔اور شیطان کو بھی جنوں ہی کے قبیل سے شمار کیا جاتا ہے۔سرسید کا اس بارے میں بھی دعویٰ ہے کہ اس قسم کی مخلوق کا وجود قرآن سے ثابت نہیں۔ان کا خیال ہے کہ قرآن کریم میں جہاں جنوں کا ذکر آیا ہے وہاں انسانوں کی ایک قوی ہیکل وحشی قوم مراد ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سرسید احمد خان تفسیر القران میں ص:۶۳ پر یوں رقم طراز ہیں۔

''قرآن مجید میں بھی کہیں استعارۃً جن کا اطلاق شیطان مغوی للانسان پر ہوا ہے۔اور کہیں وحشی اور شریر انسانوں پر اور کہیں بطور الزام و خطابیات کے اسی وجود خیالی پر جس کا مشرکین یقین کرتے تھے۔مگر خطابیات کے طور پر بیان کرنے سے فی الواقع ویسی مخلوق کے ہونے کا ثبوت نہیں ہوتا۔'' ۷۲

سرسید تفسیر القرآن کے ص:۶۷ پر لکھتے ہیں۔

''ان آیتوں میں جو جن کا لفظ آیا ہے اس سے وہ پہاڑی و جنگلی آدمی مراد ہیں جو حضرت سلیمان کے ہاں بیت المقدس بنانے کا کام کرتے تھے۔اور جن پر بہ سبب وحشی اور جنگلی ہونے کے جو انسانوں سے جنگلوں اور پہاڑوں میں چھپے رہتے ہیں اور نیز بہ سبب قوی اور طاقتور اور محنتی ہونے کے جن کا اطلاق ہوا ہے پس اس سے وہ جن مراد نہیں جن کو مشرکین اپنے خیال میں ایک مخلوق مع ان اوصاف کے جو ان کے ساتھ منسوب کیے ہیں مانا ہے اور جن پر مسلمان بھی یقین کرتے ہیں۔'' ۷۳

قانون فطرت اور عقل کے متعلق رائے

سرسید احمد خان کی فکر میں عقل کو بہت اہم مقام حاصل ہے کیونکہ یہ عقل ہی ہے جو فطرت اور قانون فطرت کا صحیح فہم پیدا کر کے خالق فطرت کی منشاء جاننے کا ذریعہ بنتی ہے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ فطری قوانین کس چیز کا نام ہے؟ کائنات کی جتنی چیزیں قوانین عادیہ کے تحت کام کر رہی ہیں دہری اسے طبعی استعداد اور نیچری اسے اس چیز کا فطری مزاج ،فلاسفہ اس استعداد کو ماہیات اشیاء کہتے ہیں اور نظریہ وحدۃ الوجود میں اسے معلومات الٰہی یا اعیان ثابتہ کی اقتضا آت اور قابلیات کہتے ہیں یہ تمام مسالک اس بات پر متفق ہیں کہ کائنات کی ہر چیز جس طرح اپنی اپنی فطری استعداد کے مطابق کام کر رہی ہے۔اسی طرح اپنے اپنے نہج پر تا ابد کام کرتی رہیں گی۔خارج میں کوئی قوت قاہرہ یا خود اللہ تعالیٰ بھی ان کی اس فطری نہج میں تبدیلی نہیں کر سکتے کیونکہ یہ بات سنۃ الٰہی کے خلاف ہے اور خود قرآن مجید صراحتاً فرماتا ہے کہ اللہ اپنی سنۃ سے انحراف نہیں فرماتے۔ولن تجد لسنة الله تبديلا(الاحزاب:۶۲)

سرسید کے سارے مذہبی فکر کا مرکز و محور ہی یہ عقیدہ ہے۔کہ دین اسلام سچا دین ہے اور اس دین کا رب سچا الٰہ ہے اور قانون فطرت اسی ایک الٰہ کے مقرر کردہ ہیں لہذا یہ دین،دین فطرت ہے اور چونکہ یہ قانون فطرت اس ایک اللہ کی سچائی کا علم دیتے ہیں سو لازم آتا ہے کہ یہ مطابق عقل ہوں تا کہ اللہ تک رسائی کا ذریعہ بنیں۔پس ثابت ہوا کہ فطرت ماوراء عقل کسی چیز کا نام نہیں اب چونکہ دین،دین فطرت ہے لہذا عقل اور دین میں کوئی دوئی نہیں یعنی ہم تمام قوانین فطرت اور احکام و مصالح احکام الٰہی ادراک بذریعہ عقل کر سکتے ہیں۔سرسید کے نزدیک فطرت تمام تخلیق شدہ حقیقتوں کا نام ہے کائنات کو بہت سے قوانین فطرت کا مطیع دیکھتے ہیں یہ قوانین عقل کے ذریعے دریافت ہوتے ہیں ان کے یہاں عقل سے مراد عقل شخص نہیں بلکہ عقل انسانی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فصل پنجم

قرآن مجید کی خودساختہ تاویلات

تحقیق حقیقت استجابت دعا

حقیقت استجابت دعا کے متعلق سرسید کا نقطۂ نظر یہ ہے۔

''دعا جب دل سے کی جاتی ہے ہمیشہ مستجاب ہوتی ہے۔ مگر لوگ دعا کے مقصد اور استجابت کا مطلب سمجھنے میں غلطی کرتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ جس مطلب کے لئے ہم دعا کرتے ہیں دعا کرنے سے وہ مطلب حاصل ہو جاوے گا اور استجابت کے معنی اس مطلب کا حاصل ہو جانا سمجھتے ہیں حالانکہ یہ غلطی ہے حصول مطلب کے جو اسباب خدا نے مقرر کئے ہیں وہ مطلب تو انہی اسباب کے جمع ہونے سے حاصل ہوتا ہے مگر دعا نہ اس مطلب کے اسباب میں سے ہے اور نہ اس مطلب کے اسباب کو جمع کرنے والی ہے بلکہ وہ اس قوت کو تحریک کرنے والی ہے جس سے اس رنج ومصیبت اور اضطرار میں جو مطلب نہ حاصل ہونے سے ہوتا ہے تسکین دیتی ہے اور جبکہ دعا دل سے اور اپنے تمام فطرتی قویٰ کو متوجہ کر کر کی جاتی ہے اور خدا کی عظمت اور اس کی بے انتہا قدرت کا خیال اپنے دل میں جمایا جاتا ہے تو وہ قوت تحریک میں آتی ہے اور ان تمام قوتوں پر جن سے اضطرار پیدا ہوا ہے اور اس مصیبت کا رنج برانگیختہ ہوا ہے ان سب پر غالب ہو جاتی ہے اور انسان کو صبر و استقلال پیدا ہو جاتا ہے اور اسی کیفیت کا دل میں پیدا ہونا دعا کا مستجاب ہونا ہے۔'' ۷۴

شہدا کے متعلق نظریہ

سرسید احمد خان سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۱۵۴ ولا تقولوا لمن یقتل .....لا تشعرون کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''اسکی نسبت مفسرین کے تین قول ہیں ایک یہ کہ وہ شہید ہوتے ہی اسی وقت درحقیقت زندہ ہو جاتے ہیں لیکن ہم کو ان کا زندہ ہونا نہیں معلوم ہوتا۔ دوسرے یہ کہ احیاء سے مراد سیحیون ہے یعنی زندہ ہوں گے یعنی قیامت کے دن۔ اُس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ خدا نے کہا ہے کہ ان الابرار لفی نعیم وان الفجار لفی جحیم''۔ (الانفطار: ۱۳، ۱۴) '' ان المنافقین فی الدرک اسفل من النار'' (النساء: ۱۴۵)۔'' ان الذین امنوا وعملوا الصلحت فی جنات نعیم '' (لقمان: ۸) ان سب کے معنی یہ ہیں کہ سیصبرون کذلک یعنی عنقریب ایسے ہو جاویں گے۔ تیسرے یہ کہ ان کو مردہ مت کہو وہ تو زندہ ہیں یہ کہنا ایسا ہے جیسا کہ کوئی کہے کہ مامات رجل خلف مثلک یعنی وہ شخص نہیں مرا جس نے تیرے مانند خلف چھوڑا ہے جو لوگ دین کی استقامت کے سبب مارے گئے ہیں درحقیقت انہوں نے دین حق کے پھیلانے اور اپنے بعد اس نیکی کو قائم رہنے اور جاری رہنے کے لیے جان دی ہے'' ۷۵

سرسید مزید لکھتے ہیں

''پس انہوں نے اپنے بعد ایسی نیکی چھوڑی ہے جو اس سے بہتر نہیں ہو سکتی اور اسی اعتبار سے ان کی نسبت کہا جاتا ہے

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

کہ وہ مرے نہیں ہیں بلکہ زندہ ہیں جن سے ایسی نیکی قائم وجاری ہے پس حیات سے ان کی حیات فی الدین مراد ہے جیسے کہ ایک جگہ خدا نے ایمان والوں کی نسبت فرمایا ہے'' اومن کان میتا فاحییناہ ''(الانعام:۱۲۲)۔اور سورہ آل عمران میں جو خدا نے ان کی حیات کے ساتھ یہ قید بھی لگائی ہے کہ بل احیاء عند ربھم ' (آل عمران:۱۶۹) اس سے اور زیادہ اس مطلب کو تقویت ہوتی ہے کہ ان کی حیات سے حیات فی الدین مراد ہے نہ اور قسم کی حیات میرے نزدیک تیسرے معنی صحیح ہیں۔'' ۷۶

جنگ بدر میں فرشتوں کا نزول ومدد

سرسید احمد خان ولقد نصرکم اللّٰہ ببدر وانتم اذلۃ (سورہ آل عمران:۱۲۳) کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں

''بڑا مسئلہ بحث طلب اس آیت میں فرشتوں کا لڑائی میں دشمنوں سے لڑنے کے لئے اترنا ہے میں اس بات کا بالکل منکر ہوں، مجھے یقین ہے کہ کوئی فرشتہ لڑنے کو سپاہی بن کر یا گھوڑے پر چڑھ کر نہیں آیا۔ مجھ کو یہ بھی یقین ہے کہ قرآن مجید سے بھی ان جنگ جو فرشتوں کا اترنا ثابت نہیں ہے، مگر تمام مسلمانوں کا اعتقاد اس کے خلاف ہے وہ یقین کرتے ہیں کہ درحقیقت فرشتوں کا رسالہ لڑنے کو اُترا تھا۔ وہ نادانی سے یہ بھی کہتے ہیں کہ فرشتوں کا لڑائی کے لیے اترنا منصوص ہے اور اس سے انکار کرنا قرآن کا انکار کرنا ہے مگر ان کا یہ خیال محض غلط ہے۔'' ۷۷

رمی تراب کی تاویل

وما رمیت اذ رمیت و لکن اللہ رمیٰ (الانفال:۱۷) کی تاویل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''اس آیت میں تمام مفسرین نے ''رمیٰ'' سے باوجودیکہ سیاق کلام اور مقتضائے مقام سے اعلانیہ تیر مارنا سمجھا جاتا ہے تیر مارنا مراد نہیں لیا ہے بلکہ ایک روایت کی بنیاد پر جس کو خود وضع کر کے بیان کیا ہے جو خود دلیل اس کے غیر معتبر یا ضعیف وغیر ثابت ہونے کی ہے یہ لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک مٹھی خاک کی دشمنوں کے لشکر کی طرف پھینکی اور خدا کی قدرت سے اُس کو اس قدر وسعت ہوئی کہ دشمنوں کے لشکر کے ہر ایک شخص کی آنکھ میں جا پہنچی تو وہ آنکھیں ملنے لگے اور مسلمانوں نے ان کو مار کر قیمہ کر دیا اور مسلمانوں کی فتح ہوگئی۔'' ۷۸

عقیدۂ ناسخ ومنسوخ

شاہ ولی اللہؒ نے جو کچھ الفوز الکبیر میں لکھا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مفسرین کا رجحان آہستہ آہستہ اس طرف آرہا تھا کہ قرآن میں آیات نسخ کو کم سے کم کیا جائے اسکی بڑی وجہ اصل میں نسخ کی تعریف پر مبنی تھی متقدمین کی تعریف اور تھی، متاخرین کی اور تھی۔ شاہ ولی اللہؒ نے صرف پانچ آیات نسخ کو تسلیم کیا ہے غالباً سرسید پہلے شخص ہیں جنہوں نے یہ دعویٰ کیا کہ قرآن میں سرے سے کوئی منسوخ نہیں ہوا اور نہ قرآن کی کسی آیت کی تلاوت منسوخ ہوئی اور سورۂ بقرہ کی اس آیت سے کہ'' ما ننسخ من اٰیۃ او ننسھا ' (البقرہ:۱۰۶) قرآن کی کسی آیت کا ناسخ اور کسی کا منسوخ ہونا مراد نہیں ہے بلکہ اس کی بعض آیتوں سے شرائع سابقہ کے بعض احکام کا منسوخ ہونا مراد ہے۔

سرسید احمد خان ناسخ ومنسوخ کے ضمن میں تفسیر القرآن جلد اول میں لکھتے ہیں۔

''اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس مقام میں آیت کے لفظ سے قرآن کی آیت مراد نہیں ہے بلکہ موسوی شریعت کے احکام جو شرع محمدی میں تبدیل ہو گئے یا جن احکام شریعت موسوی کو یہودیوں نے بھلا دیا تھا وہ مراد ہیں ہمارے اکثر مفسرین نے نہایت کج بحثی سے اس آیت میں جو لفظ' آیت' ہے اسکو قرآن مجید کی آیتوں پر محمول کیا ہے اور یہ سمجھا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ قرآن مجید کی ایک آیت دوسری آیت سے منسوخ ہو جاتی ہے۔'' ۷۹

پھر اُسی مقام پر ذرا آگے یوں تحریر کرتے ہیں۔

''اور یقین جانتے ہیں کہ جو کچھ خدا کی طرف سے اترا وہ بے کم و کاست موجود ہے۔قرآن میں جو درحقیقت آنحضرتؐ کے زمانہ حیات میں تحریر ہو چکا تھا موجود ہے اور کوئی حرف بھی اس سے خارج نہیں ہے اور نہ قرآن مجید کی کوئی آیت منسوخ ہے بلکہ احکام ادیان سابقہ کی نسبت بھی لفظ نسخ کا مجازی معنی میں استعمال ہوا ہے نہ حقیقی معنی میں۔'' ۸۰

طوفان نوح کے متعلق نقطۂ نظر

سرسید احمد خان کے خیال میں طوفان نوح جس کا ذکر قرآن مجید میں متعدد جگہ آیا ہے عام نہ تھا بلکہ اُسی قوم اور اُسی ملک میں محدود تھا جس پر نوحؑ مبعوث ہوئے تھے چنانچہ وہ تفسیر القرآن میں لکھتے ہیں۔

''یہودی اور عیسائی اس بات کے قائل ہیں کہ طوفان تمام دنیا میں عام تھا ہمارے علمائے مفسرین کی عادت ہے کہ بغیر اس بات کے کہ قرآن مجید کے الفاظ پر غور کریں ایسے امور میں یہودیوں کی روایتوں کی تقلید کرتے ہیں اور اس لیے وہ بھی اس بات کے قائل ہوئے ہیں کہ طوفان تمام دنیا میں عام تھا مگر طوفان کا عام ہونا محض غلط ہے اور قرآن مجید سے اس کا تمام دنیا میں عام ہونا ہرگز ثابت نہیں ہے۔'' ۸۱

مزید لکھتے ہیں۔

'' قرآن مجید میں یہ بیان نہیں ہے کہ طوفان کا پانی اس قدر اونچا ہو گیا تھا کہ اونچے پہاڑ بھی چھپ گئے تھے .....پس قرآن مجید سے اسی قدر ثابت ہوتا ہے کہ مینہہ نہایت زور سے برسا زمین میں سے چشمے جاری ہو گئے اور ایک پانی دوسرے پانی سے مل گیا اور تمام ملک سطح آب ہو گیا اور اس قدر پانی چڑھا کہ کشتی تیرنے لگی اور جو لوگ کشتی میں نہ تھے وہ ڈوب گئے۔'' ۸۲

پھر حضرت نوحؑ کے بیٹے کے بارے میں یوں اظہار کرتے ہیں۔

''ان آیتوں سے بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ سوائے اُن تین بیٹوں کے جن کا ذکر توریت مقدس میں ہے حضرت نوحؑ کے ایک اور بیٹا تھا جو کافروں کے ساتھ ڈوب گیا مگر یہ خیال غلط ہے حضرت نوحؑ کے کوئی اور بیٹا سوائے ان تین بیٹوں کے نہ تھا اور یہ بیٹا جس کا یہاں ذکر ہے حضرت نوحؑ کا بیٹا نہ تھا بلکہ حضرت نوحؑ کی بیوی کا بیٹا پہلے خاوند سے تھا اور قاین کی نسل سے تھا اور غالباً یہ بیٹا نعمہ کا تھا جس کا نام کتاب پیدائش باب ۴ ورس ۲۲ میں آیا ہے۔'' ۸۳

سرسید تفسیر القرآن جلد پنجم صفحہ نمبر ۱۸ پر یوں رقم طراز ہیں۔

''یہودی اور عیسائیوں نے جو مذہبی طور پر سب سے بڑی غلطی اس قصہ میں ڈال رکھی تھی وہ یہ تھی کہ تمام دنیا میں طوفان آیا تھا اور کل کرہ زمین پانی میں ڈوب گیا تھا اور طوفان کا پانی دنیا کے بڑے سے بڑے پہاڑوں کی چوٹیوں سے بھی اونچا ہو گیا تھا اور حضرت نوحؑ نے تمام دنیا کے ہر قسم کے جانداروں کا جوڑہ جوڑہ کشتی میں بٹھا لیا تھا اور تمام دنیا کے تمام جانور، انسان اور چرند و پرند و حشرات الارض سب کے سب مر گئے تھے اور بجز اُن کے جو کشتی میں تھے کوئی جاندار تمام دنیا میں زندہ نہیں رہا تھا یہ ایک بڑی غلطی تھی جس کو قرآن مجید نے صحیح کیا ہے مگر افسوس اور نہایت افسوس کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہمارے مفسروں نے قرآن مجید کی اس برکت کو حاصل نہیں کیا اور وہ خود یہودیوں اور عیسائیوں کی تقلید سے اُسی غلطی میں پڑ گئے جس غلطی سے قرآن مجید نے اُن کو نکالنا چاہا تھا۔'' ۸۴

تاویل واقعہ اصحاب فیل

سرسید احمد خان واقعہ اصحاب فیل کی تاویل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''مشہور قصہ اصحاب فیل کا ہے ابرہۃ الاشرم جو ایک عیسائی حاکم یمن کا تھا اس نے صنعاء یمن میں قریب عمدان کے ایک عظیم الشان کنیسہ یعنی گرجا بنایا تھا اور فلیس اس کا نام رکھا تھا اور یہ بات چاہی کہ لوگ کعبہ کا حج چھوڑ دیں اور اس کنیسہ کا حج کیا کریں اور اس لیے اُس نے کعبہ کے ڈھانے کا ارادہ کیا اور معہ فوج کے اور چند ہاتھیوں کے روانہ ہوا اور مغمس میں اترا اس وقت قریش اور کنانہ اور خزاعہ اور ہذیل سب لڑنے کو تیار ہوئے مگر انہوں نے ابرہۃ الاشرم سے مقابلہ کرنے کی طاقت اپنے میں نہیں پائی۔ ابرہۃ الاشرم نے کہلا بھیجا کہ مجھے تم سے جدال وقتال منظور نہیں ہے بلکہ صرف کعبہ ڈھانا مقصود ہے اس گفتگو میں چند روز گزرے اور اسی درمیان میں ابرہہ کے لشکر میں چیچک کی وبا پھیلی جو اس سے پہلے نہیں ہوئی تھی تمام لشکر برباد ہو گیا بہت سے مر گئے اور بہت سے اسی حالت میں پھر گئے خدا تعالیٰ نے ان پر ایسی آفت ڈالی کہ جو بدارادہ انہوں نے کیا تھا اُس پر کامیاب نہیں ہوئے۔ مفسرین نے اس قصہ کو عجیب طرح سے رنگا ہے قرآن مجید میں دو لفظ آئے ہیں 'طیرا' اور 'حجارۃ' ان دونوں لفظوں کی مناسبت سے جو مفسرین وضاعین نے جو قصہ چاہا بنا لیا ہے جس کی کچھ اصل نہیں ہے۔'' ۸۵

تفسیر واقعہ حضرت نحمیاہ

سرسید احمد خان واقعہ حضرت نحمیاہ کے بارے میں لکھتے ہیں۔

(۱)۔ ''قرآن مجید میں اس شخص کا جس کا رویاء یہاں بیان ہوا ہے ذکر نہیں ہے اور نہ اس قریہ کا ذکر ہے جسمیں گزرنا اس شخص نے رویا میں دیکھا تھا۔ غالباً اس قریہ کے تعین کی ضرورت بھی نہیں کیونکہ اس شخص نے رویاء میں دیکھا ہو گا کہ میں ایک قریہ میں گزرا ہوں جو ویران پڑا ہے البتہ اس شخص کی جس نے یہ رویاء دیکھا اس کی تعیین کرنی چاہیئے غالباً آنحضرتؐ کے زمانہ میں اس شخص کے نام کو ہر کوئی جانتا ہو گا مگر اب ہمارے پاس اس شخص کا نام متعین کرنے کو بجز روایات اور تاریخی واقعات کے اور کچھ نہیں ہے تاریخی واقعات سے جہاں تک کہ تحقیق ہو سکتے ہیں اور جن پر اعتماد ہو سکتا ہے اُن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ شخص حضرت نحمیاہ نبی تھے۔'' ۸۶

(۲)۔ ''حضرت نحمیاہ نے رویا میں دیکھا اور ان کو تسلی ہوئی کہ بیت المقدس آباد اور تعمیر ہو جائے گا اسی رویا کا ذکر اس آیت میں ہے اور وہ رویاء یہ ہے کہ انہوں نے دیکھا کہ میں ایک قریہ میں گیا ہوں جو بالکل ڈھیا ہوا اور ویران پڑا ہے رویا ہی میں انہوں نے کہا کہ اس قریہ کے اسطرح مر جانے یعنی ویران ہو جانے کے بعد کس طرح خدا اسکو زندہ یعنی آباد کرے گا اسی حالت میں انہوں نے دیکھا کہ میں مر گیا ہوں اور پھر جی اٹھا ہوں رویاء میں اُن سے کسی نے کہا کہ کتنی دیر تک تم پڑے رہے انہوں نے کہا کہ ایک دن یا ایک دن سے کچھ کم اس نے کہا کہ تم سو برس تک پڑے رہے اپنے کھانے اور اپنے پینے کی چیزوں کو دیکھو کہ وہ تو نہیں بگڑیں اور اپنے گدھے کو دیکھو کہ اس کا کیا حال ہو گیا ہے اور دیکھو کہ پھر اس کی ہڈیاں کس طرح ہلتی ہیں اور کس طرح ان کے اوپر گوشت چڑھتا ہے اس عجیب رویا سے ان کو تسلی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہوئی کہ بیت المقدس ضرور تعمیر ہو جاوے گا پس یہی قصہ جو خدا کی قدرت اور حکمت اور عظمت کو جتاتا ہے اس آیت میں بیان ہوا ہے۔'' ۸۷

واقعہ ابراہیمؑ کی تاویل

سرسید احمد خان واقعہ ابراہیمؑ کی تاویل کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

''جس طرح کہ پہلی آیت کے سیاق کلام سے ثابت ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا قصہ ایک رویا کا واقعہ تھا اسی طرح اس قصہ کا بھی رویا میں واقع ہونا پایا جاتا ہے اول تو اس وجہ سے کہ سب سے اول جو قصہ ابراہیمؑ کا نمرود کے ساتھ بیان ہوا اور واقعی قصہ تھا اس سے ابراہیم کے اس قصہ کو علیحدہ کر کے اس قصہ کے بعد بیان کیا ہے جو رویا میں واقع ہوا تھا دوسرے یہ کہ کیفیت احیاء موتی امر مشاہد بالعین نہیں ہے اگر کوئی شخص کسی مردہ کو زندہ کر دے یا بیمار کو اچھا کر دے تو اس قدر مشاہدہ ہو سکتا ہے کہ مردہ زندہ یا بیمار اچھا ہو گیا مگر اسکی کیفیت احیاء و کیفیت صحت امر مشاہد نہیں ہے اور اس لئے لفظ ارنی سے کسی ایسے امر سے مراد نہیں ہے جو وقوع فی المشاہدہ ہو بلکہ ارایت قلبی مراد ہے پس گویا حضرت ابراہیمؑ کا یہ کہنا ہے کہ ''اے رب میرے دل کو بتا دے کہ مُردے کس طرح زندہ ہوں گے''۔ تیسرے یہ کہ اس قسم کے تردد ات جو بزرگوں کو اور اہل دل کو واقع ہوتے ہیں ان کا رفع اور تسلی اسی طریقہ سے ہوتی ہے جس کو مشاہدات یا مکاشفات یا رویا سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جو فطرت انسانی کے بالکلیہ مطابق ہے'' ۸۸

سرسید واقعہ ابراہیم کو بیان کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں

''حضرت ابراہیمؑ نے اور نہ ان سے پیشتر کسی نے اس دنیا میں مردوں کا زندہ ہونا دیکھا تھا اور اس لئے کوئی ذی عقل خدا سے ایسا سوال نہیں کر سکتا تھا۔ پس صاف پایا جاتا ہے کہ جو تعجب احیاء اموات کی نسبت حضرت ابراہیمؑ کے دل میں پیدا ہوا تھا اسی کا رفع ہونا چاہتا تھا اور اس کا رفع ہونا نہ دنیاوی مشاہدہ اور نہ ان ظاہری آنکھوں کے دیکھنے سے علاقہ رکھتا تھا پس اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ قصہ جو یہاں مذکور ہوا ہے وہ ایک رویاء حضرت ابراہیمؑ کا ہے انہوں نے رویاء میں خدا سے کہا کہ مجھکو دکھلایا بتا کہ تو کس طرح مردہ زندہ کریگا پھر خواب ہی میں خدا کے بتلانے سے انہوں نے چار پرندہ جانور لیے اور ان کا قیمہ کر کے ملا دیا اور پہاڑوں پر رکھ دیا پھر بُلایا تو وہ سب جانور الگ الگ زندہ ہو کر چلے آئے اور ان کے دل کو مردوں کے زندہ ہونے سے جن کے اجزا بعد مرنے کے عالم میں مخلوط و منتشر ہو جاتے ہیں طمانیت ہو گئی۔'' ۸۹

واقعات عہد حضرت موسیٰؑ

(۱)۔ واقعہ سبت کی تاویل

سرسید احمد خان عہد موسیٰ کے تمام واقعات کی تاویل کرتے ہیں ذیل میں تمام واقعات کو تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے۔

''(کونوا قردۃ) (البقرہ:۶۵) ہو جاؤ بندر۔ اسکی تفسیر میں بھی ہمارے علماء مفسرین نے عجیب و غریب باتیں بیان کی ہیں اور لکھا کہ وہ لوگ سچ مچ صورت و شکل اور حسیت میں بھی بندر ہو گئے تھے۔ بعضوں کا قول ہے کہ وہ سب تیسرے دن مر گئے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ بندر جو اب درختوں پر چڑھتے اور ایک ٹہنی سے دوسری ٹہنی پر اچھلتے پھرتے ہیں انہی بندروں کی نسل میں سے ہیں۔ مگر یہ تمام باتیں لغو و خرافات ہیں خدائے پاک کے کلام پاک کا یہ مطلب نہیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے یہودیوں کی شریعت میں سبت کا دن عبادت کا تھا اور اس میں کوئی کام کرنا یا شکار کھیلنا منع تھا مگر ایک گروہ یہودیوں کا جو دریا کے کنارہ پر رہتا تھا فریب سے سبت کے دن بھی شکار کھیلتا تھا۔ ان کی قوم کے مشائخوں نے منع کیا۔ جب نہ مانا تو ان کو قوم سے منقطع، برادری سے خارج، کھانے پینے سے الگ، میل جول سے علیحدہ کر دیا اور وہ توریت پر نہ چلنے والوں کو ایسا ہی کیا کرتے تھے'' ۹۰

سرسید واقعہ سبت کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں

''اور اسی لیے ان کی حالت بندروں کی سی حالت ہو گئی تھی جس کی نسبت خدا نے فرمایا کہ ''کونوا قردۃ خاسئین'' (البقرہ:۱۶۵) یعنی جسطرح بندر بلا پابندی شریعت حرکتیں کرتے ہیں جسطرح انسانوں میں بندر ذلیل وخوار ہیں اسی طرح تم بھی انسانوں سے علیحدہ اور ذلیل وخوار ورسوا رہو، جس کے سبب اس زمانے کے لوگوں کو عبرت ہو اور آئندہ آنے والے اُن کی ذلت اور رسوائی کا حال سن کر عبرت پکڑیں، یہ کہنا کہ وہ لوگ سچ مچ کے بندر ہو گئے تھے، بجز اہل الجنہ کے اور کوئی تسلیم نہیں کر سکتا تھا۔ اسی سبب سے بعض مفسرین نے بھی اُن کے سچ مچ کے بندر ہو جانے سے انکار کیا ہے۔'' ۹۱

(۲) گائے کا ذبح کرنا

''یہ قصہ توریت میں بھی ہے مگر اس میں بنی اسرائیل کا موسیٰ سے اس کا اتا پتا پوچھنا مذکور نہیں ہے اور اس کے ذبح کے بعد جو قصہ توریت میں ہے وہ قرآن مجید میں نہیں ہے بہر حال اتنی بات کہ خدا نے ایک بیل کے ذبح کرنے کا حکم دیا قرآن اور توریت دونوں میں موجود ہے 'بقرہ' بالتحریک ومع التا گائے اور بیل دونوں پر بولا جاتا ہے اور قرآن مجید کے یہ الفاظ کہ'' لا ذلول تثیر الارض ولا تسقی الحرث ''(البقرہ:۷۱) صاف اس کے بیل ہونے پر دلالت کرتی ہے قرآن کے تمام الفاظ سے اور ان پتوں اور نشانیوں سے جو بتائے گئے ہیں صاف پایا جاتا ہے کہ وہ بیل بت پرستوں یا کافروں کے طریقہ پر بطور سانڈھ کے چھوڑا ہوا تھا تفسیر کبیر میں بھی مسلمۃ کی تفسیر ''ای وحشیۃ مرسلۃ من الحبس ''لکھی ہے جو ٹھیک چھوڑے ہوئے سانڈ کی ہے اور اسی کے ذبح کر ڈالنے کا موسیٰ نے حکم دیا تھا اور بنی اسرائیل چاہتے تھے کہ وہ ذبح ہونے سے بچ جاوے اسی لیے اس کے اتے پتے پوچھتے تھے پس اس قصہ میں کوئی عجوبہ بات نہیں ہے جس بچھڑہ کو بنی اسرائیل نے پوجا تھا اس کا معدوم کرنا اور جس بیل کو بطور سانڈھ کے چھوڑا تھا کہ وہ بھی ایک قسم کی پرستش ہے اسکو ذبح کر ڈالنا اُس شرک وکفر کے مٹانے کے لیے تھا۔ ہمارے علماء مفسرین نے بلاشبہ غلطی کی ہے جو یہ سمجھا ہے کہ یہ قصہ اگلی آیت ''واذ قتلتم نفسا ''(البقرہ:۷۲) سے متعلق ہے اور پہلی آیت کو خدا نے پیچھے کر دیا ہے۔'' ۹۲

(۳) حقیقت تجلی للجبل

''موسیٰ نے جو آگ دیکھی تھی حقیقت میں وہ آگ ہی تھی نہ خدا تھا اور نہ خدا کا نور اور نہ ہرے سبز درخت میں سے وہ آگ روشن ہوئی تھی اور درخت نہیں جلتا تھا جیسا کہ لوگ خیال کرتے ہیں بلکہ صرف بات اس قدر تھی کہ درحقیقت حضرت موسیٰ نے پہاڑ کی جانب آگ جلتی ہوئی دیکھی رستہ پر آگ جلانا پرانی قوموں کا دستور تھا رات کا وقت اور موسم سردی کا تھا اور جنگل میں حضرت موسیٰ رستہ بھول گئے تھے انہوں نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ تم ٹھہرو میں وہاں جاتا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہوں یا وہاں کوئی شخص رستہ بتانے والا مل جاوے گا یا میں تمہارے لیے وہاں سے کوئی جلتی ہوئی لکڑی لے آؤں گا جس سے تم تاپنا تا کہ سردی سے بچو۔'' ۹۳

(۴) کوہ طور کا بلند کرنا

''اب غور کرنا چاہئے کہ واقعہ کیا تھا بنی اسرائیل جو خدا کے دیکھنے کو گئے تھے طور یا طور سینین کے نیچے کھڑے ہوئے تھے پہاڑ ان کے سر پر نہایت اونچا اٹھا ہوا تھا وہ اس کے سایہ کے تلے تھے اور طور بسبب آتش فشانی کے شدید حرکت اور زلزلہ میں تھا جس کے سبب وہ گمان کرتے تھے کہ ان کے اوپر گر پڑے گا پس اس حالت کو خدا تعالیٰ نے ان لفظوں میں یاد دلایا ہے کہ'' و رفعنا فوقکم الطور (البقرہ:۶۳) نتقنا الجبل فوقهم كانه ظلة وظنوا انه واقع بهم ، (الاعراف:۱۷۱) پس ان الفاظ میں کوئی بات ایسی نہیں ہے جو عجیب ہو یا مطابق واقع اور قانون قدرت نہ ہو۔ ہاں مفسرین نے اپنی تفسیروں میں اس واقعہ کو عجیب و غریب واقعہ بنا دیا ہے اور ہمارے مفسر (خدا ان پر رحمت کرے) عجائبات دوراز کار کا ہونا مذہب کا فخر اور اس کی عمدگی سمجھتے تھے اس لیے انہوں نے تفسیروں میں لغو اور بیہودہ عجائبات بھر دی ہیں۔'' ۹۴

(۵) یدِ بیضاء

''جبکہ یہ بات تسلیم کی گئی کہ انسان میں ایک ایسی قوت ہے کہ انسان اس کے ذریعے سے قوائے متخیلہ کی طرف توجہ کرتا ہے اور پھر اس میں ایک خاص قسم کا تصرف کرتا ہے اور اُن میں طرح طرح کے خیالات اور گفتگو اور صورتیں جو کچھ اس کو مقصود ہوتی ہیں ڈالتا ہے پھر اُن کو اپنے نفس مؤثرہ کی قوت سے دیکھنے والوں کی حس پر ڈالتا ہے پھر دیکھنے والے ایسا ہی دیکھتے ہیں کہ گویا وہ خارج میں موجود ہے۔ حالانکہ وہاں کچھ بھی نہیں ہوتا'' ۹۵

''جہاں قرآن مجید میں ید بیضاء کا ذکر آیا ہے وہاں یہ مضمون بھی موجود ہے کہ جب حضرت موسیٰ نے اپنا ہاتھ نکالا تو وہ یکا یک چٹا تھا دیکھنے والوں کے لیے۔ اور یہ مضمون صاف اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ دیکھنے والوں کی نگاہ میں وہ چٹا دکھائی دیتا تھا جو اثر قوت نفس انسانی کا تھا نہ کوئی معجزہ مافوق الفطرت۔'' ۹۶

(۶) تخیل تحرک جبل رثعبان

''ان آیتوں پر غور کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ کیفیت جو حضرت موسیٰ پر طاری ہوئی تھی قوت نفس انسان کا ظہور تھا جس کا اثر خود ان پر ہوا تھا یہ کوئی معجزہ مافوق الفطرت نہ تھا اور نہ اس پہاڑ کی تلی میں جہاں یہ امر واقع ہوا کسی معجزہ کے دکھانے کا موقع تھا اور نہ یہ تصور ہو سکتا ہے کہ وہ پہاڑ کی تلی کوئی مکتب تھا جہاں پیغمبروں کو معجزے سکھائے جاتے ہوں اور معجزوں کی مشق کرائی جاتی ہو۔ حضرت موسیٰ میں از روئے فطرت و جبلت کے وہ قوت نہایت قوی تھی جس سے اس قسم کے اثر ظاہر ہوتے ہیں انہوں نے اس خیال سے کہ وہ لکڑی سانپ ہے اپنی لاٹھی پھینکی اور وہ اُن کو سانپ یا اژدہا دکھائی دی۔ یہ خود ان کا تصرف اپنے خیال میں تھا وہ لکڑی لکڑی ہی تھی اس میں فی الواقع کچھ تبدیلی نہیں ہوئی تھی خدا تعالیٰ نے کسی جگہ پر نہیں فرمایا کہ فانقلبت العصا ثعبانا یعنی وہ لاٹھی بدل کر اژدہا ہو گئی بلکہ سورۂ نمل میں فرمایا كانها جآنّ (النمل:۱۰) یعنی گویا وہ اژدہا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ درحقیقت وہ اژدہا نہیں ہوئی تھی بلکہ وہ لاٹھی کی لاٹھی ہی تھی۔'' ۹۷

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''سورۂ اعراف کی آیت میں جس پر باقی آیتیں محمول ہیں ایک جملہ آیا ہے کہ سحروا اعین الناس (الاعراف:۱۱۶) یعنی لوگوں کو ڈھٹ بندی کردی پس یہ جملہ صاف اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ درحقیقت وہ لاٹھیاں یا رسیاں سانپ اور اژدہے نہیں ہوگئی تھیں بلکہ بسبب تاثیر قوت نفس انسانی کے جو ساحروں نے کسب سے حاصل کی تھیں وہ رسیاں اور لاٹھیاں لوگوں کو سانپ اور اژدہے معلوم ہوتی تھیں حضرت موسیٰ نے جو کچھ کیا وہ بمقتضائے قوتِ نفس انسانی تھا کوئی امر مافوق الفطرت نہ تھا مگر وہ قوت حضرت موسیٰ میں فطری اور جبلی تھی۔'' ۹۸

(۷) استسقائے قوم موسیٰ

''اصل یہ ہے کہ یہودی اس بات کے قائل تھے کہ حضرت موسیٰ کے لاٹھی مارنے سے سمندر پھٹ گیا تھا اور زمین نکل آئی تھی اور لاٹھی مارنے سے پتھر میں سے پانی بہہ نکلا تھا علماء اسلام تفسیروں میں اور خصوصاً بنی اسرائیل کے قصوں میں یہودیوں کی پیروی کرنے کے عادی تھے اور قرآن مجید کے مطالب کو خواہ مخواہ کھینچ تان کر یہودیوں کی روایتوں کے موافق کرتے تھے اس لئے انہوں نے اس جگہ بھی اور وہاں بھی جہاں قرآن میں آیا ہے۔'' فضرب بعصاک الحجر فانفجرت منه اثنتا عشرة عینا ''(البقرہ:۶۰) ضرب کے معنی 'زدن' کے لیے اور اس سیدھے سیدھے معجزہ کو ایک معجزہ خارج از قانون قدرت بنا دیا۔'' ۹۹

''یہی مقام ہے جہاں بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ سے پانی مانگا تھا اس مقام کے پاس پہاڑیاں ہیں جن کی نسبت خدا نے حضرت موسیٰ سے کہا کہ'' فاضرب بعصاک الحجر ''(البقرہ:۶۰) یعنی اپنی لاٹھی کے سہارے سے اس پہاڑی پر چڑھ چل اس پہاڑی کے پرے ایک مقام ہے جس کو توریت میں ''ایلم'' لکھا ہے وہاں بارہ چشمے پانی کے جاری تھے جسطرح پہاڑی ملک میں پہاڑوں کی جڑ یا چٹانوں کی دراڑوں میں سے جاری ہوتے ہیں جنکی نسبت خدا نے فرمایا ہے کہ ''فانفجرت منه اثنتا عشرة عینا ''(البقرہ:۶۰) یعنی اس سے پھوٹ نکلے ہیں بارہ چشمے۔'' ۱۰۰

(۸) من وسلویٰ

''من ایک چیز ہے جو بطور ترنجبین کے ایک خاص قسم کی جھاڑیوں پر جم جاتی ہے اور سلویٰ، بٹیر کی قسم کا جانور ہے جو اس جنگل میں جہاں بنی اسرائیل گئے تھے بکثرت پایا جاتا تھا اور وہاں وہی اُن کی غذا تھی پس اسی کا ذکر قرآن مجید میں ہے باقی عجائبات 'من'' کے جو توریت میں بیان ہوئے ہیں اور جن پر یقین کرنا ایسا ہی مشکل ہے جیسے کہ قانون قدرت سے انکار کرنا۔ ان کا کچھ ذکر قرآن مجید میں نہیں ہے گو مفسرین نے اور انبیاء کے قصے لکھنے والوں نے یہودیوں کی پیروی سے اپنی تصنیفات میں انکا ذکر کیا ہے۔'' ۱۰۱

(۹) سایۂ ابر

''قرآن مجید سے بنی اسرائیل کے ساتھ ساتھ بادل کا پھرنا نہیں معلوم ہوتا۔ اس آیت سے صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ کسی وقت دھوپ اور گرمی کی سختی میں بادل آجانے سے خدا نے اُن کی تکلیف کو دور کر دیا، جس کا بطور ایک احسان کے ذکر کیا ہے بڑی غلطی لوگوں کے خیال میں یہ ہے کہ جو امور موافق قانون قدرت کے ظہور میں آتے ہیں ان کو معجزہ سمجھتے ہیں نہ احسان جتلانے یا ماننے کے قابل جانتے ہیں اور اس لئے اس میں بالطبع ایسی باتیں شامل کر لیتے ہیں جو قانون قدرت سے خارج ہوں حالانکہ خدا تعالیٰ نے تمام قرآن مجید میں جابجا بندوں پر انہی باتوں سے اپنا احسان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جتلایا ہے اور انہی کو بطور معجزہ کے بتلایا ہے جس کو اس نے اپنی قدرت کاملہ سے موافق قانون قدرت کے پیدا کیا ہے۔'' ۱۰۲

(۱۰) قحط، طوفان، جراد و قمل وضفادع ودم

''پس موسیٰ کے عہد میں طوفان کا واقعہ ایک معمولی واقعہ سے زیادہ کچھ نہیں تھا جو بزرگی اس میں تھی وہ صرف یہی تھی کہ اس زمانہ میں واقع ہوا جبکہ حضرت موسیٰ وہاں تشریف لے گئے تھے جراد و قمل و ضفادع یعنی ٹڈیوں، پسوؤں یا اسی قسم کے کسی جانوروں اور مینڈکوں کا کثرت سے پیدا ہو جانا خصوصاً طوفان اور دریائے نیل کے چڑھاؤ کے اترنے کے بعد ایک ایسی بات ہے جو قدرتی طور پر واقع ہوتی ہے حشرات الارض دفعتاً اس کثرت سے پیدا ہو جاتے ہیں جن کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے پس حضرت موسیٰ کے عہد میں ان حشرات الارض کا پیدا ہو جانا جس قدر کثرت سے وہ پیدا ہو گئے ہوں اور کیسی ہی سخت مصیبت ان کے سبب سے مصریوں پر پڑی ہو کوئی ایسی تعجب خیز بات نہیں ہے جس کو ایک لحہ کے لیے بھی واقعہ مافوق الفطرت تصور کیا جاوے۔'' ۱۰۳

'' ''دم'' کا لفظ البتہ لوگوں کو حیرت میں ڈالتا ہوگا۔ بعض مفسرین نے اس بات کو کہ دریا اور حوض اور تمام پانی جو برتنوں میں تھا خون ہو گیا غیر قابل یقین خیال کر کے یہ لکھا کہ فرعون اور اس کی تمام قوم کو نکسیر بہنے یعنی ناک سے خون جاری ہونے کی بیماری ہو گئی تھی۔ گو کہ کسی وباء کا پھیل جانا خصوصاً قحط و طوفان کے بعد کوئی امر بعید از عقل نہیں ہے لیکن اصل بات معلوم ہوتی ہے کہ دریائے نیل کا پانی اگرچہ عموماً نیلے رنگ کا رہتا ہے مگر کبھی طغیانی کے زمانہ میں اس کا رنگ سرخ لال اینٹ کے گہرے رنگ کی مانند ہو جاتا ہے اور جب کبھی نباتی مادہ کثرت سے آجاتا ہے تو سبز ہو جاتا ہے۔ پس اس قسم کے واقعات کے سبب سے اس کا پانی سرخ ہو گیا ہوگا جس کو ''دم'' سے تعبیر کیا ہے۔'' ۱۰۴

(۱۱) فرعون کا غرق ہونا

''تمام مفسرین حضرت موسیٰ کے عبور اور فرعون کے غرق ہونے کو بطور ایک ایسے معجزے کے قرار دیتے ہیں جو خلاف قانون قدرت واقع ہوا ہو جس کو انگریزی میں سپر نیچرل کہتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت موسیٰ نے سمندر پر اپنی لاٹھی ماری وہ پھٹ گیا اور پانی مثل دیوار یا پہاڑ کے ادھر اُدھر کھڑا ہو گیا اور پانی نے بیچ میں خشک رستہ چھوڑ دیا حضرت موسیٰ اور تمام بنی اسرائیل اس رستہ سے پار اتر گئے فرعون بھی اسی رستہ میں دوڑ پڑا اور پھر سمندر مل گیا اور سب ڈوب گئے۔ اگر در حقیقت یہ واقعہ خلاف قانون قدرت واقع ہوا تھا تو خدا تعالیٰ سمندر کے پانی ہی کو ایسا سخت کر دیتا کہ مثل زمین کے اس پر سے چلے جاتے۔ خشک رستہ نکالنے ہی سے یہ بات پائی جاتی ہے کہ یہ واقعہ یا معجزہ جو اس کو تعبیر کرو مطابق قانون قدرت کے واقع ہوا تھا جو مطلب مفسرین نے بیان کیا ہے وہ مطلب قرآن مجید کے لفظوں سے بھی نہیں نکلتا۔'' ۱۰۵

''پس صاف معنی یہ ہیں کہ خدا نے حضرت موسیٰ کو کہا کہ اپنی لاٹھی کے سہارے سے سمندر میں چل وہ پھٹا ہوا یا کھلا ہوا ہے یعنی پایاب ہو رہا ہے سورۂ طٰہٰ میں جو آیت ہے اس میں صاف بیان ہوا ہے کہ میرے بندوں کو رات کو سمندر میں سوکھے رستہ سے لے کر نکل چل پس جو معجزہ تھا وہ یہی تھا کہ ایسی مشکل کے وقت میں سمندر کے پایاب ہونے سے خدا تعالیٰ نے موسیٰ کو اور تمام بنی اسرائیل کو فرعون کے پنجے سے بچا دیا اور جب فرعون نے پایاب اترنا چاہا تو پانی بڑھ گیا

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

تھا وہ معہ اپنے لشکر کے ڈوب گیا۔'' ۱۰۶

''انسلق ماضی کا صیغہ ہے اور عربی زبان کا یہ قاعدہ ہے کہ جب ماضی جزاء میں واقع ہوتی ہے تو اس کی دو حالتیں ہوتی ہیں اگر ماضی اپنے معنوں پر نہیں رہے بلکہ شرط کی معلول ہوتی ہے تو اس وقت اس پر 'ف' نہیں لاتے اور جبکہ وہ اپنے معنوں پر باقی رہتی ہے اور جزا کی معلول نہیں ہوتی تب اس پر 'ف' لاتے ہیں۔ جیسے کہ اس مثال میں ہے'' ان اکرمتنی فاکرمتک امس ''یعنی اگر تعظیم کرے گا تو میری تو میں تیری تعظیم کل کر چکا ہوں اس مثال میں جزا (یعنی گزشتہ کل میں تعظیم کا کرنا) شرط کی معلول نہیں ہے کیونکہ وہ اس سے پہلے ہو چکی تھی اسی طرح اس آیت میں سمندر کا پھٹ جانا یا زمین کا کہل جانا ضرب کا معلول نہیں ہو سکتا۔'' ۱۰۷

''علماء اسلام نے قرآن مجید کی صاف صاف عبارت اور الفاظ کو جو صریح جوار بھاٹے اور خشک زمین کے نکل آنے پر دلالت کرتے تھے اُلٹ پلٹ کر اس واقعہ کو بطور ایک عجیب واقعہ کے بنایا اور ایسا معجزہ جو قانون قدرت کو بھی توڑ دے ٹھہرالیا۔ مگر حقیقت حال یہ نہیں ہے۔'' ۱۰۸

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فصل ششم

معاد کے بارے نقطۂ نگاہ

تصور جنت ودوزخ

سرسید احمد خان نے آیت" فان لم تفعلوا ولن تفعلوا......للکافرین (البقرۃ:۲۴) کی تفسیر کرتے ہوئے اپنا جنت و دوزخ کا تصور یوں پیش کیا ہے۔

(۱)''ان آیتوں میں خداتعالیٰ نے جنت ونار یا دوزخ وبہشت کا ذکر کیا ہے۔''جنت ونار کی نسبت لفظ''اعدت'' جس کے معنی تیار یا آمادہ کے ہیں۔چار جگہ قرآن مجید میں آیا ہے اول تو اسی آیت میں ہے''اعدت للکفرین '' (آل عمران:۱۳۱)اور پھر سورۂ آل عمران میں ہے''واتقوا النار التی اعدت للکافرین ''(آل عمران:۱۳۱) اور پھر اسی سورۃ میں جنت کی نسبت دوسری جگہ ہے''اعدت للمتقین ''اور پھر سورۂ حدید میں ہے اعدت للذین امنوا باللّٰہ و رسلہ (الحدید:۲۱)اس لفظ پر علماء اسلام نے استدلال کرکر یہ عقیدہ قائم کیا ہے کہ " الجنۃ و النار مخلوقتین ''یعنی بہشت اور دوزخ پیدا ہو چکی ہیں یعنی بالفعل موجود ہیں مگر غور کرنے سے پایا جاتا ہے کہ ان آیتوں سے یا''اعدت''کے لفظ سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا۔'' ۱۰۹

سرسید سورۃ البقرہ آیت نمبر ۲۴ کی تشریح کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں

''تمام قرآن کا طرز بیان اس طرح پر ہے کہ آئندہ کی باتوں کا جو یقینی ہونے والی ہیں ماضی کے صیغوں سے بیان کیا جاتا ہے جو ان کے قطعی ہونے پر دلالت کرتے ہیں اسی طرح ان آیتوں میں جو باتیں ہونے والی ہیں ان کو بطور ہو چکی ،یعنی ماضی کے صیغہ سے بیان کیا ہے مثلاً پہلی آیت میں فرمایا ہے بچو اس آگ سے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں اور جو تیار ہے کافروں کے لیے۔آدمیوں پر ایندھن کا اطلاق اس وقت ہو سکتا ہے جب وہ آگ بھڑکانے کے لیے آگ میں ڈالے جاویں گے اور ان علماء اسلام کے نزدیک اگر یہ ہوگا تو قیامت میں حساب وکتاب کے بعد ہوگا پس اس وقت نہ کوئی آدمی جہنم کی آگ کا ایندھن ہے اور نہ کوئی ایسی آگ موجود ہے جس کا ایندھن آدمی ہوں۔ممکن ہے کہ کہا جاوے کہ ایسا ہوگا پس اگر ہوگا تو بالفعل موجود ہونا قائم نہ رہا۔'' ۱۱۰

''دوسری آیت میں بہشتیوں کی نسبت پھل کا ملنا اور ایک سے پھل کا ملنا اور ان کا کہنا کہ یہ تو وہی ہے جو پہلے ملا تھا سب ماضی کے صیغوں سے بیان ہوا ہے حالانکہ اگر یہ ہوگا تو قیامت کے بعد ہوگا جب لوگ حساب وکتاب دے کر بہشت میں جاویں گے۔علاوہ اس کے اگر کسی کام کا بدلہ یا کسی جرم کی سزا یقینی ہو تو اس کہنے سے کہ اگر تم یہ بات کرو گے تو اس کا یہ صلہ اور یہ جرم کرو گے تو اس کی یہ سزا تمہارے لیے تیار ہے۔یہ لازم نہیں آتا کہ وہ صلہ یا ذریعہ سزا بالفعل موجود بھی ہو بلکہ اس طرز کلام کا صرف یہ مفاد ہے کہ وہ بدلہ یا سزا ملنی یقینی ہے۔پس یہ مسئلہ کہ بہشت اور دوزخ دونوں بالفعل مخلوق وموجود ہیں قرآن سے ثابت نہیں۔'' ۱۱۱

(۲)اس کے سوا ایک اور سخت مشکل یہ ہے کہ کوئی انسان ان کیفیت کو بھی جو اس دنیا میں ہے تعبیر نہیں کر سکتا کوئی شخص

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کھٹاس، مٹھاس، درد، دکھ، رنج و راحت کی کچھ بھی کیفیت نہیں بتا سکتا یا اس کے لئے دوسرا لفظ بدل دیتا ہے یا کوئی مشابہت اور نظیر اسکی لاتا ہے جو وہ بھی مثل پہلی کے محتاج بیان ہوتی ہے پس بہشت کی کیفیت یا لذت کا جس کو "قرۃ اعین" سے تعبیر کیا ہے بیان کرنا گو کہ خدا ہی اس کا بیان کرنا چاہے محال سے بھی بڑھ کر محال ہے۔" ۱۱۲

(۳) "یہ سمجھنا کہ جنت مثل ایک باغ کے پیدا کی ہوئی ہے اسمیں سنگِ مرمر کے اور موتی کے جڑاؤ محل ہیں باغ میں شاداب و سرسبز درخت ہیں، دودھ و شراب و شہد کی ندیاں بہہ رہی ہیں ہر قسم کا میوہ کھانے کو موجود ہے ساقی و ساقنیں نہایت خوبصورت، چاندی کے کنگن پہنے ہوئے، جو ہمارے ہاں کی گھوسنیں پہنتی ہیں، شراب پلا رہی ہیں ایک جنتی ایک حور کے گلے میں ہاتھ ڈالے پڑا ہے ایک نے ران پر سر دھرا ہے ایک چھاتی سے لپٹا رہا ہے ایک نے لب جاں بخش کا بوسہ لیا ہے کوئی کسی کونہ میں کچھ کر رہا ہے کوئی کسی کونہ میں کچھ۔ ایسا بے ہودہ پن جس پر تعجب ہوتا ہے اگر بہشت یہی ہو تو بے مبالغہ ہمارے خرابات اُس سے ہزار درجہ بہتر ہیں۔" ۱۱۳

(۴) "تربیت یافتہ دماغ ان چیزوں سے محض راحت سمجھتا ہے نہ یہ کہ وہاں ایسی چیزیں بھی موجود ہیں۔۔۔۔۔۔ اور ایک کوڑ مغز مُلّا یا شہوت پرست زاہد یہ سمجھتا ہے کہ درحقیقت بہشت میں نہایت خوبصورت ان گنت حوریں ملیں گی۔ شرابیں پئیں گے میوے کھاویں گے دودھ و شہد کی ندیوں میں نہاویں گے اور جو دل چاہے گا وہ مزے اڑا دیں گے اور اس لغو و بے ہودہ خیال سے دن رات اوامر کے بجالانے اور نواہی سے بچنے میں کوشش کرتا ہے اور جس نتیجہ پر پہلا پہنچا تھا اسی پر یہ بھی پہنچ جاتا ہے اور کافۂ انام کی تربیت کا کام بخوبی تکمیل پاتا ہے پس جس شخص نے ان حقائق قرآن مجید پر جو فطرت انسانی کے مطابق ہیں غور نہیں کی، اس نے درحقیقت قرآن کو مطلق نہیں سمجھا۔ اور اس نعمت عظمیٰ سے بالکل محروم رہا۔" ۱۱۴

(۵) "تمام انسانوں کی خواہ وہ سرد ملک کے رہنے والے ہوں خواہ گرم ملک کے، مکان کی آراستگی، مکان کی خوبی، باغ کی خوشحالی، بہتے پانی کی دلربائی، میووں کی تروتازگی، سب کے دل پر ایک عجیب کیفیت پیدا کرتی ہے اس کے سوا حُسن یعنی خوبصورتی سب سے زیادہ دل پر اثر کرنے والی ہے۔ خصوصاً جبکہ وہ انسان میں ہو اور اس سے بھی زیادہ جبکہ عورت میں ہو، پس بہشت کی "قرۃ اعین" کو ان فطری راحتوں کی کیفیات کی تشبیہ میں، اور دوزخ کی مصائب کو آگ میں جلنے، اور لہو پلائے جانے اور تھور کھلائے جانے کی تمثیل میں بیان کیا ہے تاکہ انسان کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ بڑی سے بڑی راحت و لذت یا سخت سے سخت عذاب وہاں موجود ہے اور درحقیقت جو لذت و راحت یا رنج و کلفت وہاں ہے ان کو اس سے کچھ بھی مناسبت نہیں، یہ تو صرف ایک اعلیٰ راحت و احتظاظ، یا رنج و کلفت کا خیال، پیدا کرنے کو اس پیرایہ میں جس میں انسان اعلیٰ سے اعلیٰ احتظاظ و رنج کو خیال کر سکتا تھا بیان کیا ہے۔" ۱۱۵

میزان اور وزن اعمال کی تحقیق

سر سید احمد خان میزان اور وزن اعمال کا انکار کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"عام مسلمانوں کا عقیدہ ہے اور اس پر بہت سی بے بنیاد حدیثیں بھی بنالی ہیں کہ قیامت کے دن بندوں کے اعمال تولنے کے لیے ایک ترازو ہوگی جس کا ایک پلڑا بہشت پر اور ایک پلڑا دوزخ پر ہوگا اور اتنی بڑی ہوگی کہ تمام آسمان و زمین اور جو کچھ اُن میں ہے سب ایک دفعہ ایک پلڑے میں سما سکیں گے اور اس کی لسان یعنی ڈنڈی پر کی چوٹی جبرئیل

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پکڑے ہوئے ہوں گے اچھے اعمال خوبصورت اور برے اعمال بدصورت بن کر آویں گے اور تولے جاویں گے یا نامہ اعمال جن کو نیکی و بدی کے فرشتے لکھتے رہتے ہیں تولے جاویں گے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔غرض کہ علمائے متقدمین بھی اس بات کے قائل ہیں کہ میزان اور وزن اعمال سے فی الحقیقت میزان کا موجود ہونا اور فی الحقیقت اعمال کا وزن ہونا مراد نہیں ہے بلکہ صرف عدل کا استعارہ ہے اور مراد یہ ہے کہ خدا عدل کرے گا اور نیک اعمال کی جزاء اور بد کی سزا نہایت عدل وانصاف سے دے گا اسی لیے ہم نے اس امر کی نسبت زیادہ بحث نہیں کی۔'' ۱۱۶

نظریۂ اذن شفاعت

''جزا وسزا کے بارے میں سرسید کا عقیدہ یہ ہے کہ قیامت میں ہر شخص اپنے اعمال کے موافق جزا وسزا پائے گا وہاں نہ کسی کی سفارش چلتی ہے اور نہ کوئی سفارش کرسکتا ہے ان آیات قرآنیہ کے متعلق جن میں کہ خدا کے اذن پر شفاعت کو محمول کیا گیا ہے۔ سرسید یہ کہتے ہیں کہ ''ان میں شفاعت اذن کا دیا جانا مراد نہیں بلکہ اس سے اپنے ارادے اور مشیت کا اظہار مقصود ہے۔'' ۱۱۷

حشر اجساد

سرسید احمد خان کے خیال میں روح فنا نہیں ہوتی بلکہ موت جسمانی کی صورت میں ایک دوسری شکل اختیار کر لیتی ہے حشر اجساد کے ضمن میں سرسید نے حلیمی، غزالی، راغب، ابوزید، الدبوسی معمر (قدیم معتزلی) اور متاخرین شیعہ اور صوفیوں کے موقف کی تائید کی ہے کہ انسان حقیقت میں صرف نفس ناطقہ کا نام ہے وہی مکلف ہے وہی عاصی ہے اور مطیع ہے اسی پر ثواب عذاب ہوتا ہے اور بدن تو بجائے ایک آلہ کا کام دیتا ہے جسم خراب ہو جاتا ہے پھر بھی نفس باقی رہتا ہے پس جب خدا قیامت کے دن مخلوقات کو اٹھانا چاہے گا تو ہر ایک روح کے لیے مخصوص جسم بنا دے گا جس سے روح کا تعلق ویسا ہی ہوگا جیسا کہ دنیا میں تھا۔

سرسید احمد خان ان بزرگوں کی اس رائے کو کہ جب اللہ تعالیٰ حشر کرنا چاہے گا تو ایک روح کے لیے ایک جسم پیدا کر دے گا جس سے وہ روح متعلق ہو جائیگی کے موقف کو تسلیم نہیں کرتے ان کے نزدیک انسان کے مرنے کے بعد جب روح اس سے علیحدہ ہو جاتی ہے تو خود ایک جسم رکھتی ہے یعنی حشر میں کوئی نئی زندگی نہیں ہے بلکہ پہلی ہی زندگی کا تتمہ ہے یہی وہ بات ہے جو کہ شاہ ولی اللہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں بیان کی ہے کہ جسموں کا اٹھنا اور روحوں کا ان میں پھر سے آنا کوئی نئی زندگی نہیں بلکہ پہلی زندگی کا تتمہ ہے دلیل کے طور پر سرسید سورہ الواقعہ کی آیت ۶۰، ۶۱ پیش کرتے ہیں '' **نحن قدرنا بینکم الموت وما نحن بمسبوقین علیٰ ان نبدل امثالکم و ننشئکم فی ما لا تعلمون** ۔(الواقعہ ۶۰، ۶۱) ترجمہ:۔ہم نے مقدر کی ہے تم میں موت اور ہم اس بات سے پیچھے نہیں رہے یعنی عاجز نہیں ہیں کہ بدل دیویں اوصاف تمہارے اور ہم تم کو پیدا کریں اُس صفت میں جس کو تم نہیں جانتے۔ سرسید احمد خان کہتے ہیں۔

''پس یہ آیت صاف دلیل اس بات کی ہے کہ حیات بعد الموت میں روح کے لیے جسم جو دنیا میں ہے نہ ہوگا بلکہ ایک اور قسم کا جسم ہوگا یہ وہ حقائق ہیں جو نہ حکمت یونان میں پائے جاتے ہیں اور نہ فلسفہ وعلم کلام میں بلکہ یہ انوار ہیں مشکوٰۃ نبوت محمدی ﷺ کے جو بلا واسطہ سفینہ سینہ منور محمدی سے سینہ احمدی میں پہنچے ہیں گو کہ نابلدان کو چہ حقیقت ان انوار محمدی کو نعوذ باللہ کفر وزندقہ سے تعبیر کریں۔'' ۱۱۸

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فصل ہفتم

تہذیب وثقافت اور سرسید

فلسفہ جہاد اور سرسید

سرسید احمد خان اسلام کو ''دین فطرت'' اور جہاد کو عین فطرت قرار دیتے ہیں اور اسلام میں فلسفہ جہاد پر سر ولیم میور کے عائد کردہ الزامات کی سختی سے تردید کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ عیسائیوں کی اسلام کے متعلق یہ رائے کہ اسلام دین جنگ وجدل ہے اور یہ اپنے پیروؤں کو غیر مسلم اقوام سے جبراً اقرار اسلام کروانے کا درس دیتا ہے۔ سرسید کا موقف یہ ہے کہ

''اسلام دلی یقین اور قلبی تصدیق پر منحصر ہے تو کیونکر یہ بات خیال میں آسکتی ہے کہ وہ زبردستی منوایا اور قبلوایا جاتا ہے۔'' ۱۱۹

''اسلام میں جو خوبی ہے وہ یہی ہے کہ اس کے تمام قانون، قانون قدرت کے مطابق اور عمل درآمد کے لائق ہیں رحم کی جگہ جہاں تک کہ قانون قدرت اجازت دیتا ہے رحم ہے، معافی کی جگہ اسی کے اصول پر معافی ہے بدلے کی جگہ اسی کے مطابق بدلہ ہے۔ لڑائی کی جگہ اسی کے مطابق لڑائی ہے۔ ملاپ کی جگہ اسی کے مطابق ملاپ ہے اور یہی بڑی دلیل اس کی سچائی کی اور قانون قدرت کے بنانے والے کی طرف سے ہونے کی ہے۔'' ۱۲۰

''اسلام فساد اور دغا وغدر کی اجازت نہیں دیتا اور جو اسے امن دے بلا امتیاز مسلم و کافر اسکی اطاعت اور احسان مندی کی ہدایت دیتا ہے۔ مزید براں مسلم وغیر مسلم اقوام سے کئے گئے عہود و معاہدات کی پابندی پر زور دیتا اور محض ملک گیری کی تسکین کی خاطر لشکر کشی کی اجازت نہیں دیتا اسلام صرف دو صورتوں میں تلوار پکڑنے کی اجازت دیتا ہے

نمبر (۱):۔ ایک اس حالت میں جبکہ کافر، عداوت اسلام میں اسے معدوم کرنے کی خاطر حملہ آور ہوں نہ کہ کسی ملکی اغراض کی خاطر کیونکہ ملکی اغراض کی خاطر لڑی گئی جنگیں خواہ مسلم کی مسلم سے ہوں یا غیر مسلم اقوام سے دائرہ جہاد سے باہر ہیں۔'' ۱۲۱

نمبر (۲):۔ ''دوسرا اس وقت جب کسی قوم یا ملک میں مسلمانوں کو محض مسلمان ہونے کی سزا میں تختہ مشق ستم منایا جارہا ہو۔ لیکن ایسی حالت میں بھی اس ملک کی مسلم رعایا کو حکومت کے خلاف بغاوت کی اجازت نہیں بلکہ انہیں صبر کرنے یا ہجرت کر دینے کا حکم ہے ہاں البتہ دوسرے ملک کے مسلم باشندوں کو ان مظلوم مسلمانوں کو امن دلوانے کی خاطر تلوار پکڑنے کی اجازت ہے یہی بات ہے جس پر اسلام نے تلوار پکڑنے کی اجازت دی اور یہی لڑائی ہے جس کا نام جہاد رکھا ہے۔'' ۱۲۲

صیام کے متعلق بحث

جو لوگ مشکل سے روزہ رکھتے ہیں وہ آیت ''و علی الذین یطیقونه فدیة طعام مسکین'' (البقرہ:۱۸۴) کے بموجب روزوں کے بدلے فدیہ دے سکتے ہیں بعض دیگر علماء فدیہ کی اجازت کو خاص کر معمر لوگوں کے لیے مخصوص سمجھتے ہیں مگر سرسید کے نزدیک یہ حکم عموماً اُن سب لوگوں کے لئے ہے جن کو روزہ رکھنا شاق ہو، خواہ بڈھے ہوں اور خواہ جوان۔ لیکن بہ نسبت فدیہ دینے کے اُن کو روزہ رکھنا بہتر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے۔سرسید'تفسیر القرآن' میں یوں رقمطراز ہیں۔

''جن لوگوں کو روزہ رکھنے میں زیادہ سختی اور تکلیف ہوتی ہے اور بمشکل روزہ رکھ سکتے ہیں اُن کو اجازت ہے کہ روزوں کے بدلے فدیہ دیں مگر اُن کے حق میں فدیہ دینے سے روزہ رکھنا بہتر ہے۔'' ۱۲۳

تصور ابطال غلامی

ابطال غلامی کے ضمن میں سرسید احمد خان برصغیر میں وہ شخصیت ہیں جنہوں نے عہد برطانیہ میں غالباً پہلی بار ''رسالہ ابطال غلامی'' لکھا جس میں انہوں نے اپنا سارا زور تحریر اس بات کے ثبوت میں صرف کیا ہے کہ اسلام میں بردہ فروشی اور استرقاق (غلامی) کی کچھ گنجائش نہیں ہے۔

''ان کے استدلال کی بنیاد اس اصول پر تھی کہ آزادی اور غلامی باہم متضاد ہیں وہ نہ پہلو بہ پہلو قائم رہ سکتی ہیں اور نہ ساتھ ساتھ نشو ونما پا سکتی ہیں لہٰذا دونوں کو بیک وقت تائید ایزدی حاصل نہیں ہو سکتی۔'' ۱۲۴

اور پھر لکھا ہے کہ

''اگر غلامی خدا کی مرضی کے موافق ہو تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ خدا بندوں کو اپنا شریک گردانا پسند کرتا ہے اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ اگر غلام اچھی طرح رحم ومحبت کے ساتھ رکھے جائیں تو کوئی برائی نہیں اس کی تردید کی ہے اور کہا ہے کہ غلامی فی نفسہ ایک قدرتی گناہ ہے اور ان کو بدسلوکی سے رکھنا دوسرا گناہ ہے اور کوئی چیز قدرتی گناہ سے زیادہ خوفناک نہیں ہے۔'' ۱۲۵

سرسید احمد خان نے سورۃ محمد کی آیت کریمہ **فاذا لقیتم الذین کفروا فضرب الرقاب حتی اذا اثختموھم فشدوا الوثاق فاما منا بعد واما فداء** ''(محمد:۴) کی تفسیر جمہور علماء سے منفرد انداز میں کی ہے۔سرسید کا موقف ہے کہ

''زمانہ جاہلیت میں لڑائی کے قیدیوں کو قتل کرنا، لونڈی غلام بنانا۔فدیہ لے کر یا احساناً چھوڑ دینے کی چار باتیں رائج تھیں اسلام میں بھی جب تک کوئی حکم قیدیوں کی نسبت نہیں آیا۔ایسا ہی ہوتا رہا لیکن جب سے یہ آیۃ من وفدا نازل ہوئی پھر آنحضرتؐ نے کسی غزوۂ میں قیدیوں کو لونڈی غلام نہیں بنایا یعنی جاہلیت میں جو اسیران جنگ کے ساتھ چار طرح کے برتاؤ کئے جاتے تھے ان میں سے قتل واسترقاق کو بالکل موقوف کر دیا اور صرف من وفدا میں اختیار دے دیا کہ چاہو بغیر کسی معاوضہ کے محض احساناً چھوڑ دو اور چاہو کچھ فدیہ لے کر چھوڑو۔'' ۱۲۶

لیکن جو لوگ پہلے سے لونڈی غلام رکھتے تھے ان کو جبراً غلام آزاد کرنے کا حکم نہ دیا گیا کیونکہ یہ بات بہت سے معاشرتی مسائل پیدا کر دینے کا باعث بنتی لہٰذا کئی گناہوں کے کفارے میں یا بردہ کی آزادی کو اجر عظیم کے حصول کا ذریعہ بتلا کر اور مختلف طریقوں سے لوگوں میں غلام آزاد کرنے کے رجحان کو فروغ دیا۔مزید برآں بیت المال میں سے مکاتب، غلاموں کی آزادی کے لئے روپیہ دینا تجویز کیا گیا اور یوں غلاموں کی آزادی کی مختلف سبیلیں وا کی گئیں۔اور یوں ہمیشہ کے لیے اسلام نے غلامی کی جڑ اکھاڑ کے رکھ دی۔

حقیقت حج

حقیقت حج کے ضمن میں سرسید احمد خان تفسیر القرآن میں لکھتے ہیں۔

''حقیقت حج کی ہماری سمجھ میں یہ ہے جو ہم نے بیان کی جو لوگ سمجھتے ہیں کہ اس پتھر کے بنے ہوئے چوکھونٹے گھر میں ایک ایسی متعدی برکت ہے کہ جہاں سات دفعہ اس کے گرد پھرے اور بہشت میں چلے گئے یہ اُن کی خام خیالی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے کوئی چیز سوائے خدا کے مقدس نہیں ہے اسی کا نام مقدس ہے اور اُسی کا نام مقدس رہے گا اس چوکھونٹے گھر کے گرد پھرنے سے کیا ہوتا ہے اس کے گرد تو اونٹ اور گدھے بھی پھرتے ہیں وہ تو کبھی حاجی نہیں ہوئے پھر دو پاؤں کے جانور کو اس کے گرد پھر لینے سے ہم کیونکر حاجی جانیں ہاں جو حقیقتاً کرے وہ حاجی ہے۔'' ۱۲۷

مزید یوں تحریر کرتے ہیں۔

''حج میں قربانی کی کوئی مذہبی اصل قرآن مجید سے نہیں پائی جاتی۔ مکہ ایک بیابان غیر ذی ذرع تھا۔ اس قدر لوگوں کے جمع ہونے سے خوراک کا میسر آنا مشکل تھا اس لیے اکثر لوگ خوراک کے لیے جانور اپنے ساتھ لے جاتے تھے جو بُدن اور قلائد کے نام سے مشہور تھے اور جو نہ جاتے تھے وہ مکہ میں خریدتے تھے ان کو ذبح کر کے خود بھی کھاتے تھے اور لوگوں کو بھی کھلاتے تھے حج میں صرف یہی اصل قربانی کی قرآن مجید سے پائی جاتی ہے۔۔۔۔۔۔۔پس اس زمانہ میں جو حج کے دنوں میں حاجت سے زیادہ قربانی کی رسم ہے اور لاکھوں جانور ذبح کر کے جنگل میں ڈالتے ہیں جن کو گیدڑ اور کوے بھی نہیں کھاتے اسکا کچھ بھی نشان مذہب اسلام میں نہیں ہے خدا نے حج ادا کرنے کی زیادہ سختی انسان پر نہیں کی اور ہر شخص کی استطاعت پر اس کو منحصر کیا ہے جو نہایت وسیع معنی رکھتا ہے وہ بھی تمام عمر میں ایک دفعہ اگر ہو سکے۔'' ۱۲۸

مسئلہ قطع یدسارق کی تحقیق

قطع یدسارق کے ضمن میں سرسید کا موقف ''حیات جاوید'' میں یوں بیان کیا گیا ہے۔

''سارق کے لیے قطع ید کی سزا جو قرآن میں بیان ہوئی ہے لازمی نہیں ہے کیونکہ اگر لازمی ہوتی تو فقہا اس کو مال مسروقہ کی ایک خاص مقدار کے ساتھ مشروط نہ کرتے اور نیز صحابہ کے وقت میں متعدد موقعوں پر سارق کو صرف قید کی سزا نہ دی جاتی۔'' ۱۲۹

سرسید کے اس موقف کی تائید اُن کے اس بیان سے ہوتی ہے جو انہوں نے سورہ المائدہ کی آیت نمبر ۳۸ کی تفسیر کے ضمن میں تحریر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

''ایک بحث یہ پیش آئی ہے کہ مکرر سرقہ کرنے کی حالت میں دوسرے ہاتھ کا بھی کاٹا جانا جائز ہے یا نہیں اس پر متقدمین کو بھی شبہ رہا ہے اور بعض دفعہ اس پر عمل ہوا ہے مگر میں نہایت طمانیت سے کہہ سکتا ہوں کہ مکرر سرقہ کرنے کی حالت میں قرآن مجید میں دوسرے ہاتھ یا پاؤں کے کاٹے جانے کا ہرگز حکم نہیں ہے جنہوں نے اس پر عمل کیا ہے اُن سے اجتہاد میں خطا ہوئی ہے کیونکہ میں نہیں سمجھتا کہ اگر یہ جائز ہو تو تیسرے یا پانچویں جرم سرقہ میں کیا کیا جاوے گا۔ ڈاکوؤں اور راہزنوں کا ایک ہاتھ اور ایک پاؤں اور چور کا ایک ہاتھ کاٹ ڈالنا اُن کو اُن جرائم کے ارتکاب سے ایک مناسب حد تک معذور کر دینا ہے اور اس سے زیادہ خدا کی حکمت کو باطل کرنا اور اُن کو انسان سے ایک مضغہ بنا دینا ہے جو فطرت اللہ کے برخلاف ہے۔'' ۱۳۰

سرسید احمد خان تفسیر القرآن میں لکھتے ہیں

''مگر جبکہ ملک میں تسلط ہو اور قید خانوں کا انتظام موجود ہو تو قرآن مجید کی رُو سے اس سزائے بدنی کا دینا کسی طرح جائز نہیں ہے۔'' ۱۳۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ذبیحہ وطعام اہل کتاب

سرسید احمد خان نے محسوس کیا کہ عیسائیوں کا ذبیحہ مسلمانوں اور عیسائیوں کے مابین خوشگوار تعلقات قائم کرنے میں حائل ہے تو انہوں نے طعام اہل کتاب کے نام سے رسالہ لکھا۔ محمد اسماعیل پانی پتی نے ''مقالات سرسید'' میں یہ رسالہ شائع کیا ہے۔

سرسید کے خیال میں ہندوستانی مسلمانوں نے ہزاروں ہندوانہ رسوم اختیار کر رکھی ہیں جن کی خلاف ورزی کرنے والے کو کافر یا کرسٹان کے القابات سے نوازتے ہیں۔ طعام اہل کتاب کے ضمن میں بھی اہل ہند شدید غلو کا شکار ہیں۔ لہٰذا جاننا چاہیے کہ طعام اہل کتاب بشرطیکہ محرمات شرطیہ میں سے نہ ہو مسلمان کے لئے حلال و درست اور اس کا کھانا جائز و مباح ہے۔ خواہ ہم اس کا بھیجا ہوا اور انہیں کا پکایا ہوا اپنے گھر کھاویں خواہ ہم اکیلے کھاویں خواہ ہم اور اہل کتاب ایک جگہ بیٹھ کر کھائیں اور وہ کھانا قسم لحوم طیبہ (پاک گوشت) سے ہو یا از قسم حبوب وشیرینی۔

سرسید احمد خان تفسیر القرآن میں طعام اہل کتاب کے ضمن میں کہتے ہیں۔

> ''مگر اگلی آیت میں خدا تعالیٰ نے طعام اہل کتاب ہمارے لئے بلا کسی قید و شرط کے حلال کر دیا ہے پس جس طرح کہ اہل کتاب موافق اپنے اپنے مذہب کے اس طعام کو جس کا عین ہمارے لئے حرام نہیں ہے۔ اپنے لئے تیار کرتے ہیں ان کا کھانا ہمارے لئے جائز ہے۔ اور اگلی آیت ''و طعام الذین اوتو ا الکتاب حل لکم ''(المائدہ:۵) ان تمام احکام میں سے جو بہ نسبت ذبائح ہیں۔ طعام اہل کتاب کو مستثنیٰ کر دیتی ہے پس باوصف تسلیم کرنے تمام باتوں کے جو اول و دوم سے علاقہ رکھتی ہیں طیور مخنقہ اہل کتاب کا کھانا حرام و ممنوع نہیں رہتا۔'' ۱۳۲

مسئلہ تعدد ازواج

اسلام کے خلاف سر ولیم میور کے الزامات کے محاذوں میں خاص محاذ ازواج کے رواج کا تھا۔ جس میں اولاً نبی کریمؐ کی کثرت ازواج ثانیاً اسلام میں اجازت تعدد ازواج اور ثالثاً اسلام میں اجازت طلاق کو نشانہ بنایا گیا تھا۔

سرسید احمد خان سے قبل نبی کریمؐ کے کثرت ازواج کے بارے میں علماء کرام کافی شافی جواب دے چکے ہیں اور تورات و انجیل میں مذکور کئی انبیاء کرام مثلاً ابراہیمؑ، موسیٰؑ، داؤدؑ، سلیمانؑ، وغیرہ کی کثرت ازواج کی مثال سے واضح کر چکے تھے کہ تورات جو کہ یہودی و نصاریٰ دونوں کے نزدیک الہامی کتاب ہے اس میں کثرت ازواج کی نہ صرف اجازت دی گئی ہے بلکہ انبیاء کرام کے کثرت ازواج کے پہلو پر بات کر کے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ کثرت ازواج کسی نبی کے نبوت پر فائز ہونے کے اثبات میں حائل نہیں ہے اور نہ ہی نبی کا ایک سے زائد بیویاں کرنا اسے اس کے مقام نبوت سے ہٹانے کا ثبوت فراہم کرتا ہے۔ کثرت ازواج کے معاملے میں سرسید نے تین پہلوؤں سے جواب دیا۔

> ''قانون فطرت کے لحاظ سے، معاشرتی سطح پر اس کے صحیح اور غلط استعمال سے اور تیسرے اسکی مذہبی ادغانی حیثیت سے۔ انہیں اس میں کوئی حیاتیاتی نقص نظر نہیں آتا ہے جو تعدد ازدواج کی اجازت اور اس پر عمل پیرا ہونے میں قانون فطرت کے خلاف ہو، کیونکہ مرد قدرتاً مختلف عورتوں کو حاملہ کرنے کی پوری اہلیت رکھتا ہے۔ معاشرتی مسئلہ کی حیثیت سے ان کا ادغا یہ ہے کہ بعض معاشروں میں عقد ثانی کے گناہ کے بغیر چارہ نہیں ہے خواہ وہ پہلی منکوحہ کو طلاق دینے کے بعد ہو خواہ بلا طلاق دیے۔ مؤخر الذکر کے نفسیاتی یا جذباتی مفادات کے لیے نہیں بلکہ محض اس کے معاشی تحفظ کے لئے یہ اقدام ضروری ہے۔'' ۱۳۳

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''آخر میں مذہبی اعتبار سے سرسید اس مسئلے پر نظر ڈالتے ہیں اور ثابت کرتے ہیں کہ اسلام نے تمام مذاہب سے بڑھ کر تعدد ازدواج کو روکا ہے اور نہایت ہی محدود اور اشد ضروری حالتوں میں بڑی سخت شرائط کے ساتھ اس کی اجازت دی ہے۔'' ۱۳۴

مقالات سرسید میں ''تعدد ازدواج کا مسئلہ'' کے عنوان کے تحت یہاں تک کہا گیا ہے کہ اسلام نے بمقتضائے فطرت انسانی و ضروریات تمدنی تعدد ازدواج کی جو اجازت مرحمت فرمائی ہے اس میں یہ اجازت محض اس مسئلہ کے جواز پر دلالت کرتی ہے نہ کہ وجوب پر۔ اور اس پر عدل بین الازدواج کی کڑی شرط عائد کر دی گئی ہے۔

''سرسید کے مطابق انبیاء کرام کی نفوس قدسیہ کے علاوہ کسی اور سے اس شرط کو پورا کرنا ممکن نہیں کیونکہ صرف انبیائے کرام ہی نفسانی خواہشات کی قیود سے آزاد ہوتے ہیں گویا سرسید یہ بات کہہ کر یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ سوائے نامساعد حالات اور تمدنی حاجات کے تقاضوں کے پیش نظر کثرت ازدواج کا جواز بھی باقی نہیں رہتا ہے لہٰذا سرسید کے الفاظ میں غرض کہ قرآن مجید سے (اجازت تعدد ازدواج) کا جو حکم پایا جاتا ہے وہ یہی ہے کہ ایک جورو ہونی چاہیے تعدد ازدواج کی اجازت اسی وقت ہے کہ جب بمقتضائے فطرت انسانی وضروریات تمدنی کے عقل و اخلاق وتمدن اس کی اجازت دے اور خوف عدم عدل باقی نہ رہے۔'' ۱۳۵

حرمت سود اور نظریہ سرسید

سرسید احمد خان کے نظریہ کے مطابق جس ربا یعنی سود کی حرمت قرآن میں بیان ہوئی ہے اس سے اسی قسم کا ربا مراد ہے جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں عرب میں جاری تھا اور جس کی مثال ہمارے ملک کے سود خواروں اور رہٹیوں میں، جن کا پیشہ سود خواری ہے پائی جاتی ہے مگر اس سے منافع کی حرمت، جو پرامیسری نوٹوں پر لیا جاتا ہے ثابت نہیں ہوتی اس کے سوا کسی گورنمنٹ یا کمپنی کو جو ملک کی ترقی کیلئے روپیہ قرض لے کر اس کو سود پر روپیہ دینا یا کسی جماعت کو جو رفاہ عام کے کام کے لئے چندہ جمع کرے اس روپیہ کا سود میں لگانا اور اس کے منافع سے رفاہ عام کے کام کرنا یہ بھی ربا میں داخل نہیں ہے۔

سرسید تفسیر القرآن جلد اول میں لکھتے ہیں:۔

''اسی طرح بہت سے معاملات قرضہ کے ہیں جو تجارت کے کاروبار میں پیش آتے ہیں اور ایسے بینکوں کے قائم ہونے سے سود پر تجارت کے مقاصد کیلئے روپیہ قرض دیتے ہیں اور ایک جگہ سے دوسری جگہ روپیہ پہنچا دیتے ہیں اور ہر قسم کی آڑھتوں کا کام کرتے ہیں اور جن سے تجارت کو اور ترقی ملک کو اور افزونی آبادی کو نہایت امداد پہنچتی ہے ان معاملات میں جو سود کہ لیا و دیا جاتا ہے مجھ کو قرآن مجید کی رُو سے اس کے ایسا ربا ہونے کے جس کو اس آیت میں حرام ہے کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی پس حکم ربا جو قرآن مجید میں ہے وہ نہایت اخلاق و نیکی پر مبنی ہے۔ اور کسی طرح ترقی تجارت و ترقی ملک و دولت کا مانع نہیں ہے۔ فقہا نے بلاشبہ اپنے اجتہاد اور قیاس سے ایسی قیدیں بڑھا دیں ہیں جن سے ربا کا حکم تجارت کی ترقی کا مانع قوی ہو گیا ہے۔'' ۱۳۶

تفسیر القرآن کی جلد اول میں ایک اور مقام پر یوں لکھتے ہیں:۔

''اور اگر میری یاد میں غلطی نہ ہو تو بڑے بڑے مقدس مولویوں نے اس قسم کا نذرانہ دے کر تنخواہیں اپنی اور اپنے قرابت مندوں کی مقرر کرائیں تھیں پس میں نہیں سمجھ سکتا کہ اگر یہ بڑھوتری سود ناجائز نہ تھی تو پرامیسری نوٹ کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بڑھوتری کیوں سود نا جائز قرار ہوسکتی ہے۔ مثلاً گورنمنٹ یا کوئی جماعت محدود اسی غرض سے روپیہ قرض لے کر اس روپیہ سے ایک نہر آبپاشی کیلئے یا آہنی سڑک آمدورفت کیلئے جاری کرے اور دائن کو اس قرضہ کی بابت سود دینا قبول کرے تو وہ بھی ربائے ممنوع میں جسکا ذکر آیت میں ہے داخل نہیں ہے کیونکہ وہ اس قسم کا قرضہ نہیں ہے جس پر ربا ممنوع ہے۔'' ۱۳۷

''فرض کرو کہ کسی شخص یا جماعت نے ایک سرمایہ اس غرض سے جمع کیا ہے کہ اس کے محاصل سے عام رفاہ کے کام کئے جاویں گے وہ سرمایہ فقہ کی رو سے وقف ہے اور وہ شخص یا جماعت صرف امین یا متولی وقف ہے اس سرمایہ کی ملکیت نہیں رکھتے پس اگر وہ سرمایہ بالفرض کسی کو سودی قرض دیا جاوے تو وہ بھی ربائے ممنوع میں داخل نہیں ہوسکتا۔'' ۱۳۸

قصاص کے متعلق نظریہ

سرسید احمد خان سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۱۷۸،۱۷۹ ''یایھاالذین امنو ا کتب علیکم القصاص .....لعلکم تتقون ۔ کی تفسیر کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

''جن علماء نے غلطی سے ان الفاظ کو حکم قصاص کی تفصیل سمجھا ہے انہوں نے ایک بے فائدہ بحث کی ہے اور نتیجہ اپنی بحث کا یہ نکالا ہے کہ اگر ایک حر نے کسی عبد کو مار ڈالا ہو یا ایک عبد نے کسی حر کو مار ڈالا ہو یا ایک مرد نے کسی عورت کو، یا ایک عورت نے کسی مرد کو مار ڈالا ہو تو اُن سے قصاص لینے کا حکم اس آیت میں پایا نہیں جاتا اور اس لئے ان کے قصاص میں مختلف رائیں ہوگئی ہیں بعضوں نے کہا ہے کہ اگر کسی عبد نے حر کو یا عورت نے مرد کو مار ڈالا ہو تو ان سے قصاص لینا قیاس پر مبنی ہے کیونکہ ادنیٰ نے اعلیٰ کو مارا ہے اور اگر ایک حر نے عبد کو، یا مرد نے عورت کو مار ڈالا ہو تو اُن سے قصاص لینا اجماع پر مبنی ہے مگر کچھ شبہ نہیں ہے کہ یہ سب رائیں غلط ہیں اور جملہ اول سے عموماً قصاص لینے کا حکم ثابت ہے۔'' ۱۳۹

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حوالہ جات

۱	پانی پتی، محمد اسمٰعیل	،	خطبات سرسید	،	ص:۱/۵۰۹
۲	عبیداللہ، سندھی	،	القام المحمود	،	ص:۴/۲۰۵
۳	سرسید، احمد خان	،	تہذیب الاخلاق	،	ص:۵
۴	سرسید، احمد خان	،	تہذیب الاخلاق	،	ص:۴
۵	سرسید، احمد خان	،	تہذیب الاخلاق	،	ص:۳،۴
۶	پانی پتی، محمد اسماعیل	،	مقالات سرسید	،	ص:۴
۷	محمد عمر الدین	،	سرسید احمد خان کا نیا مذہبی طرز فکر	،	ص:۶۹
۸	پانی پتی، محمد اسماعیل	،	مقالات سرسید	،	ص:۵
۹	سرسید، احمد خان	،	تفسیر القرآن	،	ص:۱/۲۰
۱۰	سرسید، احمد خان	،	تفسیر القرآن	،	ص:۱/۵۲
۱۱	سرسید، احمد خان	،	تفسیر القرآن	،	ص:۱/۶۷
۱۲	سرسید، احمد خان	،	تفسیر القرآن	،	ص:۱/۶۳
۱۳	سرسید، احمد خان	،	تفسیر القرآن	،	ص:۱/۶۵
۱۴	سرسید، احمد خان	،	تفسیر القرآن	،	ص:۱/۳۱
۱۵	سرسید، احمد خان	،	تفسیر القرآن	،	ص:۱/۴۹
۱۶	حقانی، عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۲/۱۰۲
۱۷	سرسید، احمد خان	،	تفسیر القرآن	،	ص:۲/۲۴
۱۸	سرسید، احمد خان	،	تفسیر القرآن	،	ص:۲/۲۷،۲۸
۱۹	سرسید، احمد خان	،	تفسیر القرآن	،	ص:۲/۳۰
۲۰	سرسید، احمد خان	،	تفسیر القرآن	،	ص:۲/۳۴
۲۱	سرسید، احمد خان	،	تفسیر القرآن	،	ص:۲/۴۳
۲۲	سرسید، احمد خان	،	تفسیر القرآن	،	ص:۲/۴۲
۲۳	سرسید، احمد خان	،	تفسیر القرآن	،	ص:۲/۴۵
۲۴	سرسید، احمد خان	،	تفسیر القرآن	،	ص:۳/۳۳
۲۵	سرسید، احمد خان	،	تفسیر القرآن	،	ص:۳/۳۴
۲۶	سرسید، احمد خان	،	تفسیر القرآن	،	ص:۳/۳۴
۲۷	سرسید، احمد خان	،	تفسیر القرآن	،	ص:۳/۳۴

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۲۸	پانی پتی، شیخ محمد اسماعیل	،	مقالات سرسید	،	ص:۱۳/۴۷،۴۸
۲۹	سرسید، احمد خان	،	تفسیر القرآن	،	ص:۶/۱۲۲
۳۰	سرسید، احمد خان	،	تفسیر القرآن	،	ص:۶/۱۲۳،۱۲۴
۳۱	سرسید، احمد خان	،	تفسیر القرآن	،	ص:۶/۱۳۰
۳۲	پانی پتی، شیخ محمد اسماعیل	،	مقالات سرسید	،	ص:۱۳/۴۷،۴۸
۳۳	سرسید، احمد خان	،	تفسیر القرآن	،	ص:۲/۱۵۰
۳۴	سرسید، احمد خان	،	تفسیر القرآن	،	ص:۲/۳۱،۳۲
۳۵	سرسید، احمد خان	،	تفسیر القرآن	،	ص:۲/۳۲،۳۳
۳۶	سرسید، احمد خان	،	تفسیر القرآن	،	ص:۲/۱۶۵
۳۷	سرسید، احمد خان	،	تفسیر القرآن	،	ص:۲/۱۶۴
۳۸	سرسید، احمد خان	،	تفسیر القرآن	،	ص:۲/۱۶۵
۳۹	سرسید، احمد خان	،	تفسیر القرآن	،	ص:۲/۱۵۹
۴۰	سرسید، احمد خان	،	تفسیر القرآن	،	ص:۲/۱۶۳
۴۱	سرسید، احمد خان	،	تفسیر القرآن	،	ص:۲/۱۵۶
۴۲	سرسید، احمد خان	،	تفسیر القرآن	،	ص:۲/۱۵۰،۱۵۱
۴۳	سرسید، احمد خان	،	تفسیر القرآن	،	ص:۲/۱۵۶
۴۴	کیلانی، عبدالرحمٰن	،	عقل پرستی اور انکار معجزات	،	ص:۲۰۷
۴۵	سرسید، احمد خان	،	تفسیر القرآن	،	ص:۶/۱۳۲
۴۶	سرسید، احمد خان	،	تفسیر القرآن	،	ص:۱/۳۴
۴۷	سرسید، احمد خان	،	تفسیر القرآن	،	ص:۱/۳۳
۴۸	سرسید، احمد خان	،	تفسیر القرآن	،	ص:۳/۹۱
۴۹	سرسید، احمد خان	،	تفسیر القرآن	،	ص:۳/۹۰،۹۱
۵۰	سرسید، احمد خان	،	تفسیر القرآن	،	ص:۳/۹۲،۹۳
۵۱	سرسید، احمد خان	،	تفسیر القرآن	،	ص:۳/۹۳
۵۲	سرسید، احمد خان	،	تفسیر القرآن	،	ص:۳/۹۴
۵۳	سرسید، احمد خان	،	تفسیر القرآن	،	ص:۱/۱۴۵
۵۴	سرسید، احمد خان	،	تفسیر القرآن	،	ص:۱/۱۴۷،۱۴۸
۵۵	سرسید، احمد خان	،	تفسیر القرآن	،	ص:۱/۱۴۹
۵۶	سرسید، احمد خان	،	تفسیر القرآن	،	ص:۱/۱۵۵
۵۷	سرسید، احمد خان	،	تفسیر القرآن	،	ص:۱/۱۶۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۵۸	سرسید،احمد خان	،	تفسیرالقرآن	،	ص:۱/۱۶۴
۵۹	سرسید،احمد خان	،	تفسیرالقرآن	،	ص:۱/۵۳
۶۰	سرسید،احمد خان	،	تفسیرالقرآن	،	ص:۱/۵۳
۶۱	سرسید،احمد خان	،	تفسیرالقرآن	،	ص:۱/۵۳
۶۲	سرسید،احمد خان	،	تفسیرالقرآن	،	ص:۱/۵۵
۶۳	سرسید،احمد خان	،	تفسیرالقرآن	،	ص:۱/۵۶
۶۴	سرسید،احمد خان	،	تفسیرالقرآن	،	ص:۱/۱۴۵
۶۵	سرسید،احمد خان	،	تفسیرالقرآن	،	ص:۱/۱۴۶
۶۶	سرسید،احمد خان	،	تفسیرالقرآن	،	ص:۱/۱۴۷
۶۷	سرسید،احمد خان	،	تفسیرالقرآن	،	ص:۱/۱۶۵
۶۸	سرسید،احمد خان	،	تفسیرالقرآن	،	ص:۱/۱۶۵
۶۹	سرسید،احمد خان	،	تفسیرالقرآن	،	ص:۱/۱۶۶
۷۰	سرسید،احمد خان	،	تفسیرالقرآن	،	ص:۱/۱۶۶
۷۱	سرسید،احمد خان	،	تفسیرالقرآن	،	ص:۱/۵۹
۷۲	سرسید،احمد خان	،	تفسیرالقرآن	،	ص:۳/۶۳
۷۳	سرسید،احمد خان	،	تفسیرالقرآن	،	ص:۳/۶۷
۷۴	سرسید،احمد خان	،	تفسیرالقرآن	،	ص:۱/۱۲
۷۵	سرسید،احمد خان	،	تفسیرالقرآن	،	ص:۱/۲۱۰
۷۶	سرسید،احمد خان	،	تفسیرالقرآن	،	ص:۱/۲۱۰
۷۷	سرسید،احمد خان	،	تفسیرالقرآن	،	ص:۲/۵۲،۵۳
۷۸	سرسید،احمد خان	،	تفسیرالقرآن	،	ص:۴/۱۷
۷۹	سرسید،احمد خان	،	تفسیرالقرآن	،	ص:۱/۱۷۵
۸۰	سرسید،احمد خان	،	تفسیرالقرآن	،	ص:۱/۱۷۶
۸۱	سرسید،احمد خان	،	تفسیرالقرآن	،	ص:۵/۸
۸۲	سرسید،احمد خان	،	تفسیرالقرآن	،	ص:۵/۱۱،۱۲
۸۳	سرسید،احمد خان	،	تفسیرالقرآن	،	ص:۵/۱۳،۱۴
۸۴	سرسید،احمد خان	،	تفسیرالقرآن	،	ص:۵/۱۸
۸۵	سرسید،احمد خان	،	سیرت محمدی	،	ص:۵۵۴،۵۵۵
۸۶	سرسید،احمد خان	،	تفسیرالقرآن	،	ص:۱/۳۰۱
۸۷	سرسید،احمد خان	،	تفسیرالقرآن	،	ص:۱/۳۴

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۸۸	سرسید،احمد خان	،	تفسیرالقرآن	،	ص:۱/۳۰۴
۸۹	سرسید،احمد خان	،	تفسیرالقرآن	،	ص:۱/۳۰۴
۹۰	سرسید،احمد خان	،	تفسیرالقرآن	،	ص:۱/۱۲۲
۹۱	سرسید،احمد خان	،	تفسیرالقرآن	،	ص:۱/۱۲۳
۹۲	سرسید،احمد خان	،	تفسیرالقرآن	،	ص:۱/۱۲۴
۹۳	سرسید،احمد خان	،	تفسیرالقرآن	،	ص:۳/۱۹۱
۹۴	سرسید،احمد خان	،	تفسیرالقرآن	،	ص:۱/۱۲۱،۱۲۲
۹۵	سرسید،احمد خان	،	تفسیرالقرآن	،	ص:۳/۱۷۳
۹۶	سرسید،احمد خان	،	تفسیرالقرآن	،	ص:۳/۱۷۳
۹۷	سرسید،احمد خان	،	تفسیرالقرآن	،	ص:۳/۱۷۰،۱۷۱
۹۸	سرسید،احمد خان	،	تفسیرالقرآن	،	ص:۳/۱۷۲
۹۹	سرسید،احمد خان	،	تفسیرالقرآن	،	ص:۱/۸۸
۱۰۰	سرسید،احمد خان	،	تفسیرالقرآن	،	ص:۱/۱۱۷
۱۰۱	سرسید،احمد خان	،	تفسیرالقرآن	،	ص:۱/۱۱۵
۱۰۲	سرسید،احمد خان	،	تفسیرالقرآن	،	ص:۱/۱۱۴
۱۰۳	سرسید،احمد خان	،	تفسیرالقرآن	،	ص:۳/۱۷۸
۱۰۴	سرسید،احمد خان	،	تفسیرالقرآن	،	ص:۳/۱۷۹
۱۰۵	سرسید،احمد خان	،	تفسیرالقرآن	،	ص:۱/۷۹
۱۰۶	سرسید،احمد خان	،	تفسیرالقرآن	،	ص:۱/۹۱،۹۲
۱۰۷	سرسید،احمد خان	،	تفسیرالقرآن	،	ص:۱/۸۶،۸۷
۱۰۸	سرسید،احمد خان	،	تفسیرالقرآن	،	ص:۱/۱۰۳
۱۰۹	سرسید،احمد خان	،	تفسیرالقرآن	،	ص:۱/۳۹
۱۱۰	سرسید،احمد خان	،	تفسیرالقرآن	،	ص:۱/۳۹
۱۱۱	سرسید،احمد خان	،	تفسیرالقرآن	،	ص:۱/۴۰
۱۱۲	سرسید،احمد خان	،	تفسیرالقرآن	،	ص:۱/۴۲
۱۱۳	سرسید،احمد خان	،	تفسیرالقرآن	،	ص:۱/۴۴
۱۱۴	سرسید،احمد خان	،	تفسیرالقرآن	،	ص:۱/۴۷
۱۱۵	سرسید،احمد خان	،	تفسیرالقرآن	،	ص:۱/۴۳
۱۱۶	سرسید،احمد خان	،	تفسیرالقرآن	،	ص:۳/۷۳،۷۴
۱۱۷	محمد عمرالدین	،	سرسیداحمد خان کا نیا مذہبی طرز فکر	،	ص:۶۷

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۱۱۸	سرسید،احمد خان	،	تفسیر القرآن	،	ص:۱۱۳/۳
۱۱۹	حالی،الطاف حسین	،	حیات جاوید	،	ص:۵۱۳
۱۲۰	سرسید،احمد خان	،	تفسیر القرآن	،	ص:۲۵۲/۱
۱۲۱	سرسید،احمد خان	،	تفسیر القرآن	،	ص:۲۵۲/۱،۲۵۳
۱۲۲	سرسید،احمد خان	،	تفسیر القرآن	،	ص:۲۵۴/۱
۱۲۳	سرسید،احمد خان	،	تفسیر القرآن	،	ص:۲۴۳/۱
۱۲۴	عزیز احمد، پروفیسر	،	برصغیر میں اسلامی جدیدیت	،	ص:۸۲
۱۲۵	حالی،الطاف حسین	،	حیات جاوید	،	ص:۵۵۲
۱۲۶	حالی،الطاف حسین	،	حیات جاوید	،	ص۵۵۴
۱۲۷	سرسید،احمد خان	،	تفسیر القرآن	،	ص:۲۷۴/۱
۱۲۸	سرسید،احمد خان	،	تفسیر القرآن	،	ص:۲۷۴/۱،۲۷۵
۱۲۹	حالی،الطاف حسین	،	حیات جاوید	،	ص:۶۱۱
۱۳۰	سرسید،احمد خان	،	تفسیر القرآن	،	ص:۱۳۹/۲،۱۴۰،۱۴۱
۱۳۱	سرسید،احمد خان	،	تفسیر القرآن	،	ص:۱۳۷/۲
۱۳۲	سرسید،احمد خان	،	تفسیر القرآن	،	ص:۱۱۹/۲
۱۳۳	عزیز احمد، پروفیسر	،	برصغیر میں اسلامی جدیدیت	،	ص:۸۳،۸۴
۱۳۴	محمد عمرالدین	،	سرسید احمد خان کا نیا مذہبی طرز فکر	،	ص:۳۲،۳۱
۱۳۵	پانی پتی،محمد اسماعیل	،	مقالات سرسید	،	ص:۲۶۵
۱۳۶	سرسید،احمد خان	،	تفسیر القرآن	،	ص:۳۱۷/۱
۱۳۷	سرسید،احمد خان	،	تفسیر القرآن	،	ص:۳۲۰/۱
۱۳۸	سرسید،احمد خان	،	تفسیر القرآن	،	ص:۳۲۱/۱
۱۳۹	سرسید،احمد خان	،	تفسیر القرآن	،	ص:۲۲۱/۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

باب چہارم

سرسید کے افکار پر نقدِ حقانی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تاریخ انسانی میں لاتعداد تفسیریں لکھی گئیں جن میں یہ چیز نمایاں طور پر دیکھی گئی کہ لوگوں نے اپنی اپنی استعداد اور اپنے دور کے مسائل اور تقاضوں کے حل کے لئے قرآن مجید کے احکام میں غور وخوض کیا چنانچہ شاہ ولی اللہؒ کے نزدیک ہر شخص نے اپنی اپنی افتادِ طبع کے مطابق قرآن مجید میں غور وفکر کیا ہے۔ اسی افتادِ طبع کے اختلاف کی بنیاد پر تفاسیر کو سات قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

مولانا عبدالحق حقانی کی تحریر کردہ تفسیر کا اصل نام ''فتح المنان'' ہے جو کہ تفسیر حقانی کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں بہت سے تفسیری رجحانات کو یکجا کیا گیا ہے۔ نہ صرف اپنے زمانے بلکہ آج کے دور اور مستقبل کے حوالے سے بھی یہ تفسیر خصوصاً علم مخاصمہ کے حوالے سے ایک گراں قدر تفسیر ہے۔ جس دور میں یہ تفسیر لکھی گئی وہ انگریزی اور ہندی غلبہ کا دور تھا ہر طرف سے اسلام کے خلاف سازشوں کا جال پھیلا ہوا تھا اسلام کے بارے میں بڑا معذرت خواہانہ انداز اپنایا جا رہا تھا۔ ہندوؤں اور عیسائیوں کے اعتراضات کے علاوہ بعض دیگر گروہ مثلاً نیچری طبقہ ایک غیر محسوس انداز سے اپنے اپنے افکار ونظریات کو پھیلانے میں مصروف تھے، مخالفت کی اس یلغار میں ہوسکتا تھا کہ مفسر کے پایہ ثبات میں کچھ لغزش آجائے اور وہ اسلام کے بارے میں جرأت مندانہ انداز اپنانے کی بجائے معذرت خواہانہ انداز اپنا لیتا لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ تفسیر حقانی کے اندر جو بات بھی کہی گئی ہے نہایت جرأت کے ساتھ کہی گئی ہے اس میں کسی طرح کی نہ تو معذرت ہے اور نہ کہیں فکری مرعوبیت کی وجہ سے حق بات کہنے میں کوئی عار محسوس کی گئی۔ تفسیر ایک طرف عصر حاضر کے فکری مسائل سے کما حقہ عہدہ برآ ہوتی ہے تو ساتھ ہی تحفظ دین کے حوالے سے بھی پڑھنے والے کو فکری رہنمائی مہیا کرتی ہے۔ تفسیر کا انداز عمومی طور پر یہ ہے کہ وہ جدید تعلیم یافتہ طبقے کی ذہنی اُفتاد کو تشفی مہیا کرتی ہے۔ چونکہ تفسیر کے مخاطب تحریک تجدد کے متاثرہ لوگ اور نو معتزلہ ہیں جو خالصتاً عقلی بنیادوں پر سوچتے ہیں اسلئے یہ امکان ہوسکتا تھا کہ عقلی استدلال کے بھنور میں پھنس کر تفسیر کو کلام اور فلسفہ کا مجموعہ بنا دیا جائے پڑھنے والا ان ہی موشگافیوں میں الجھ کے رہ جاتا اور کتاب تفسیر کی بجائے کلام اور فلسفے کا مجموعہ بن جاتی اور اس پر اسی فقرے کا اطلاق ہو جاتا کہ ''فیہ کل شئی الا التفسیر'' ہم دیکھتے ہیں کہ تفسیر اس افراط و تفریط سے مبرا ہے۔ سرسید احمد خان نے قرآن مجید کے معانی اور مطالب میں جو تحریف اور غلطیاں کی ہیں ان کا خوب ہی جواب دیا گیا ہے۔ اب یہاں سرسید کے افکار ونظریات کا بالترتیب تفسیر حقانی کی روشنی میں تحقیقی وتنقیدی جائزہ لیا جاتا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فصل اول

توحید

ہستی اور صفات باری تعالیٰ

مولانا عبدالحق حقانی ''مقدمہ تفسیر حقانی'' میں ہستی اور صفات باری تعالیٰ کے بارے میں اپنا عقیدہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

(۱)۔''ہر ذی عقل یہ خوب جانتا ہے کہ یہ عالم (کہ جس میں رنگ برنگ کی صنعتیں اور طرح بطرح کے استحکام وانتظام ہیں) از خود نہیں بلکہ ضرور اس کا بنانے والا اور عدم سے ہستی میں لانے والا کوئی بڑا حکیم قوی قادر ہے کہ جس کا نہ کوئی شریک نہ کوئی سہیم ہے سب عیوب سے پاک اور ہر کام میں بے نیاز اپنی ذات وصفات میں ممکنات سے ممتاز ہے ان امور کے ثبوت میں دلیل کی ضرورت نہیں کیونکہ کسی صاحب عقل سلیم کو انکار کی کوئی صورت نہیں۔''[۱]

(۲)۔''خدا تعالیٰ جو صانع عالم اور صفاتِ کمالیہ سے متصف ہے اس کے موجود ہونے کا یقین کرنا ہر شخص کی فطرت اور جبلت میں داخل ہے والیہ یشیر قولہ تعالےٰ فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا .(الروم:۳۰) پس جس طرح کہ اس کا یقین فطری ہے ویسے ہی اس کا رحیم ہونا بھی فطری ہے۔''[۲]

مولانا حقانی سورۃ الفاتحہ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں

(۳)۔''عالم یعنی خدا تعالیٰ کی ذات وصفات کے سوا جو کچھ ہے یا جوہر ہے یعنی بذاتِ خود قائم جیسا کہ رنگ درخت و پتھر یا عرض کہ جو کسی اور میں پایا جاتا ہے جیسا کہ رنگ سیاہی سفیدی کو بغیر کسی جسم کے پائی نہیں جاتی اور ان میں سے ہر ایک حادث ہے اعنی پہلے معدوم تھا پھر موجود ہوا ہے اور جب عالم کے دونوں جز وحادث ہوئے تو مجموعہ عالم بھی حادث اور ہر حادث کے لئے ایک محدث یعنی پیدا کرنے والا ضرور ہے۔کس لئے کہ جب تمام عالم حادث ہوا تو قطعاً ضروری الوجود نہیں ورنہ عدم کو قبول کرنے کے کیا معنی؟ بلکہ وجود وعدم اس کی ترازو کے دونوں پلے مساوی ہیں۔پس کوئی مرجح یعنی اس وجودی پلہ کا جھکانے والا ضرور ہے اور وہ عالم سے الگ ہے اور عالم کے جمیع اوصاف وخصائص سے بھی اسی طرح مبائن ہے کہ جس طرح اپنی ذات میں مبائن ہے۔''[۳]

مولانا حقانی مزید لکھتے ہیں ''اب رہا یہ ثبوت کہ کل اعراض حادث ہیں سو وہ یوں ہے کہ بعض کا حادث ہونا تو مشاہدہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تاریکی چلی گئی روشنی ہوگئی اور سبز پتا سفید ہوگیا۔اور بعض کا یوں کہ ہر عرض قابل عدم ہے اور جو قابل عدم ہے وہ قدیم نہیں اور جو قدیم نہیں وہ حادث ہے اور کل جواہر کا حادث ہونا بھی ظاہر ہے۔کس لئے کہ کوئی جوہر ایسا نہیں کہ جس پر کوئی نہ کوئی عرض سوار نہ ہو اور نہیں تو حرکت وسکون سے تو کوئی بھی خالی نہیں کیونکہ اگر دو آن تک ایک جگہ میں ہے تو ساکن ورنہ متحرک پس جو حوادث کا محل ہے وہ خود بھی حادث ہے ورنہ قدم حوادث لازم آئے گا۔''[۴]

مولانا عبدالحق حقانی سورۃ الفاتحہ میں اللہ تعالیٰ کی صفات کا تذکرہ یوں کرتے ہیں

''خدا تعالیٰ کی ذات مقدسہ کا اور اس کے تمام صفات کمالیہ کا ثبوت کس لئے کہ اس عالم گوناگوں کی تربیت بغیر حیات۔قدرت۔علم۔ارادہ۔سمع۔بصر۔کلام۔تکوین۔اور پھر رازقیت۔رحمت۔حلم وغیرہ کے نہیں ہوسکتی اور تمام

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حدوث اور نقصان کی باتوں سے بری ہونا۔ کیونکہ ممکن اور واجب اور رب اور مربوب میں تغائر ذاتی ہے، پس جہالت۔ عجز۔ حدوث۔ کھانے۔ پینے۔ چلنے۔ پھرنے سے وہ پاک ہے۔ اسی طرح جورو بنانے۔ بچہ بنانے اور مجسم ومشکل ہونے اور کسی مکان خاص میں اور زمانے میں پائے جانے سب سے پاک ہے کیونکہ یہ باتیں مربوب کا حصہ ہیں نہ کہ رب کا۔'' ۵

سورۃ الاخلاص کی تفسیر میں مولانا عبدالحق حقانی بیان کرتے ہیں

'' 'ھـــو' سے ان ملحدوں اور خدا کے منکروں کو تنبیہ ہے جو کسی قدر عقل وادراک سے بھی بہرہ ور ہیں، کس لئے کہ موجودات میں سے جب وہ ایک چیز کو بھی غور کریں گے تو آخر بول اٹھیں گے وہی ہے وہی۔ اب آفتاب ہی کو دیکھو اور اپنے علم کے گھوڑے دوڑاؤ اور اس کو ساکن بھی مان لو اور زمین کو اس کے اردگرد حرکت کرتے ہوئے سمجھ لو تو اب یہ بتاؤ کہ اگر یہ خود بخود بن گیا ہے تو گول کس نے کر دیا اور پھر اور ستاروں سے یہ کیوں بڑا بن گیا۔ ان میں نور کیوں نہیں۔ کس لئے کہ جس طرح از خود یہ بنا ہے وہ بھی بنے ہیں، پھر اس کے نور میں گرمی کی کیا وجہ ہے؟ اوروں کے نور میں سردی کا کون سبب ہے؟ پھر ان کے باہم یہ ابعاد اس مقدار پر کیوں ہیں؟ اور جب یہ کسی کے مسخر نہیں تو پھر اس فاصلہ میں تفاوت کیوں پیدا نہیں ہوتا اگر کہو مادہ علت ہے تو مادہ تمہارے قول کے بموجب غیر محسوس چیز ہے، اس کے قائل ہونے کا کون سبب؟ پھر مادہ کو اس طرح کس نے تقسیم کیا، اور مادہ تو سب کا ایک ہے پھر تفاوت کیوں ہے؟ پھر اگر کہو صورت کے سبب سے تفاوت ہے تو اس صورت کو کس نے پیدا کیا اور کیوں مختلف صورتیں پیدا ہوئیں؟ پھر اگر وہی مادہ سبب اور علت ہے تو ترجیح بلا مرجح ہے، اور اگر کوئی مرجح ہے تو وہی ہے آخر کار ہر پھر کر اسی طرف آنا پڑتا ہے۔ مادی اور طبعی لوگوں کو بجز سکوت اور حیرت کے کوئی چارہ نہیں ہوتا۔'' ۶

رویئت باری تعالیٰ

رویئت باری تعالیٰ کے نظریہ کو بیان کرتے ہوئے مولانا عبدالحق حقانی تحریر کرتے ہیں۔

''جمہور اہل اسلام اس بات کے معتقد ہیں کہ قیامت کو اہل جنت دیدار الٰہی کی دولت سے مشرف ہوں گے اس کی عیاناً زیارت کریں گے مگر جس طرح آجکل فلسفی خیالات کے دریا رواں ہیں اسی طرح بنی العباس کے عہد میں تھے جبکہ علوم یونانیہ کا عربی میں ترجمہ ہوا اور منطق اور فلسفہ میں مسلمانوں نے توغل کیا تو ایک فریق خیالات فیلسوفانہ کا پیرو ہو کر قرآن مجید کو اس کے ساتھ مطابق کرنے لگا جن کو معتزلہ کہتے ہیں انہوں نے دیکھا کہ اگر کوئی خدا تعالیٰ کو دیکھے تو ضرور کسی جہت اور سمت میں دیکھے گا سو اس کے لئے کوئی جگہ تجویز کرنی پڑے گی پھر جسم بھی ماننا پڑے گا اس لئے انہوں نے اس آیت کا سہارا پکڑ کر قیامت میں دیدار الٰہی کا انکار کر دیا اور جس قدر آیات واحادیث دیدار الٰہی کے بیان میں وارد ہیں سب کی تاویل کر دی اگرچہ علمائے اہل سنت نے بہت کچھ جواب دیا مگر ہم یہاں یہ کہتے ہیں کہ دنیا میں انسان کی نگاہ خاص محسوسات کے دیکھنے سے زیادہ تجاوز نہیں کر سکتی مگر جنت جو عالم قدس ہے وہاں یہ حال نہ ہوگا وہاں کے اجسام روح سے بھی زیادہ لطیف ہوں گے وہاں ویسی ہی آنکھیں ملیں گی پھر اب اس عالم میں جب روحانی طور پر اہل صفاء خدا تعالیٰ کے دیدار سے مشرف بلکہ ہر وقت اسی کی درگاہ قدس میں حاضر رہتے ہیں جن کی آنکھوں میں عالم محسوسات ایسا لاشی ہو گیا ہے کہ جس طرح آفتاب کے روبرو رات کے تارے عارف جدھر دیکھتا ہے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس کو خدا ہی نظر آتا ہے۔ ہر کاروبار میں اسی کے یدِ قدرت دکھائی دیتے ہیں پھر اس عالم میں عام مومنین کیوں اس کو نہیں دیکھیں گے بلکہ ضرور دیکھیں گے۔'' ۷

مسئلہ جبر وقدر

مولانا عبدالحق حقانی مسئلہ جبر وقدر کے سلسلے میں اپنا تحقیقی نقطۂ نگاہ یوں بیان کرتے ہیں۔

''اس حالت کا فاعل حقیقی خدائے تعالیٰ ہے کیونکہ یہ جتنے امور جبلی ہیں سب قضاوقدر سے ہیں اور اسلئے ان کو خدائے تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور اس میں اسکی ذات پاک پر کوئی عیب نہیں لگتا۔ کس لئے کہ اسکا کا سب بندہ ہے اسکو کسی قدر اس میں دخل ہے اس لئے اس کی طرف بھی نسبت کرتے ہیں اور برائی کا بوجھ اسکے سر پر دھرتے ہیں اور اسی لئے اتمام حجت کو ان کے پاس بھی خدا کے انبیاءؑ پیغام ہدایت لاتے ہیں اور پھر وہ اپنی نافرمانی کی سزا دنیا و آخرت میں پاتے ہیں اب جس طرح یہ سوال بے جا ہے کہ خدا نے اپنے بندوں کو مختلف استعداد پر کیوں بنایا اور بعضوں کی جبلت میں یہ تاریکی کیوں رکھی ہے اور پھر ان کو عذاب کیوں دیا کس لئے کہ یہ کسی قدر اختیار پر مبنی ہے اور مختلف استعداد اور رنگ برنگ کی قابلیت دینے میں وہ خود مختار ہے جس کو جو کچھ دیا اسکا فضل ہے اور جسکو نہیں دیا تو اس پر کچھ ظلم نہیں کیا اسی طرح برتن کا کمہار سے یہ کہنا بے جا ہے کہ تو نے مجھ پر ظلم کیا جو آبدست کرنے کی بدھنی بنایا۔ بادشاہوں اور معشوقوں کے پینے کا پیالہ نہ بنایا؟ اس مسئلہ جبر وقدر میں زیادہ گفتگو کرنے کی ممانعت ہے کیونکہ اس کے اسرار پورے پورے عقل میں مشکل سے آتے ہیں اس لئے ہم بھی قلم روکتے ہیں۔'' ۸

مفسر حقانی اپنی تفسیر میں ایک اور مقام پر اس ضمن میں اہل سنت کے نظریہ کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں۔

''اہل سنت کا اعتقاد ہے کہ انسان کا ہدایت پانا یا گمراہ ہونا اللہ کی طرف سے ہے انسان کے پیدا ہونے سے پہلے یہ سب امور ظہور پذیر ہو چکے ہیں اس اعتقاد کو ایمان بالقدر کہتے ہیں۔ یہ مضمون قرآن مجید کی اس آیت میں ظاہر ہو گیا اور آئندہ بھی بہت سی آیتوں سے اسکا بیان آئے گا علیٰ ہذا حدیث میں بھی اس کا بیان بڑی تفصیل سے ہے اس لئے علماء نے مسئلہ قدر کے بارے میں گفتگو کرنے سے منع کیا ہے۔'' ۹

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فصل دوم

نبوت

قصہ آدم

مولانا عبدالحق حقانی تفسیر حقانی میں سرسید کے قصہ آدم کے متعلق خیالات کا تحقیقی وتنقیدی جواب لکھتے ہوئے کہتے ہیں۔

(۱)۔''یہ آپ کا بہتان صریح ہے اہل اسلام میں سے کوئی معتبر ذی علم تو کیا ادنیٰ مسلمان بھی یہ نہیں سمجھتا کہ فرشتوں نے خدا سے مباحثہ یا جھگڑا کیا تھا کیونکہ خدا تعالیٰ فرشتوں کی نسبت فرماتا ہے۔ لا یعصون اللہ ما امرھم و یفعلون ما یومرون (التحریم:۶) کیا فرشتوں کا استفہام کرنا جھگڑا ہے؟ آپ ایسی بے بنیاد باتوں سے جملہ علماء اہل اسلام کو بے اعتبار بنایا چاہتے ہیں۔'' [۱۰]

(۲)۔''یعنی فطرت انسانی زبان حال سے اپنا دکھڑا رو رہی ہے۔ یہاں ایک بات اور آپ سے رہ گئی شاید دوبارہ جب آپ کی تفسیر چھپی (خدانخواستہ) آپ اس کی اصلاح کر دیں یا آپ کے بعد کوئی آپکا سجادہ نشین اس کو پورا کر دے وہ یہ بات ہے کہ آپ نے یہاں چار فریق بتائے خداء آدم، ملائکہ، شیطان۔ آدم اور ملائکہ اور شیطان کی تو آپ نے تاویل کر دی اور کچھ کا کچھ مراد لے لیا ہے مگر چوتھے فریق خدا میں آپ نے کیوں تاویل نہ کی؟ یہاں بھی دہریا پرا کرتی کہہ دیتے سارا جھگڑا ہی مٹ جاتا۔

رموز مملکت خویش خسرواں دانند

کوئی مصلحت ضرور ہے کہ جس سے تاویل نہ کی'' [۱۱]

مولانا عبدالحق حقانی سرسید کے تصور وجود آدمؑ کے ضمن میں ان کی غلطیوں کی نشاندہی کرتے ہوئے تحقیقی وتنقیدی جواب یوں تحریر کرتے ہیں۔

''یہاں سے تو معلوم ہوا کہ آپ کی عادت میں یہ بات داخل ہے کہ جہاں آپ کے خیالات کی تائید میں کوئی قول بھی کسی شخص کا آپ کو ملتا ہے خواہ وہ کیسا ہی کیوں نہ ہو اور خواہ آپ کے مدعا کے لئے بنظر غور مخالف ہی کیوں نہ ہو مگر ذرا سا لگاؤ ہونا چاہیے۔ آپ بے سمجھے بوجھے اس کو نقل کر دیتے ہیں اور جہاں آپ کو کوئی قول بھی نہیں ملتا تو آپ وہاں تنہا رہ جاتے ہیں اور اگر آپ کے برخلاف اسی قائل کا قول بلکہ صریح آیت و احادیث بھی ہوں تو نہیں مانتے یہ بات انصاف سے نہایت بعید ہے جناب عالی آپ نے جو یہاں وجود آدم علیہ السلام کا انکار کیا کس دلیل سے مگر دلیل کہاں محض اپنا خیال اور اس قول کا یہ جواب ہے کہ اول تو یہ بات خوب معلوم نہیں کہ صاحب کشف الاسرار کس مرتبہ کے شخص ہیں آیا ایسے بھی ہیں کہ ان کے قول سے قرآن کی آیت متروک ہو سکتی ہے؟ دوم صاحب کشف الاسرار حاشا وکلا یہ نہیں کہتے کہ جو تم سمجھتے ہو یہ انکار آدم اہل اسلام میں سے بتقلید فلاسفہ آپ ہی کا ایجاد ہے بلکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ مالمقصود بآدم آدم وحدہ کہ اس جگہ لفظ آدم سے صرف آدم نہ مراد لینا چاہیے بلکہ اس کی ذریت بھی۔ اب یہاں سے آدم کی نفی کیونکر سمجھی گئی؟ آپ کو کوئی یوں کہے کہ آپ اکیلے مراد نہیں بلاشک آپ اس کلام سے یہ سمجھیں گے کہ آپ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بھی اور آپ کے ساتھ اور بھی مراد ہیں نہ یہ کہ آپ مراد ہی نہیں۔ آپ وجود آدمؑ کا کہاں تک انکار کریں گے۔'' ۱۲؎

مولانا عبدالحق حقانی قرآن مجید کی آیات سے وجود آدمؑ کا ثبوت یوں دیتے ہیں ''قرآن مجید میں بہت آیات سے حضرت آدم کا وجود جداگانہ پایا جاتا ہے۔ منجملہ ان کے یہ آیت ہے۔(۱) وبدء خلق الانسان من طین ثم جعل نسله من سللة من ماء مهین (السجدہ:۷) اس میں صاف تصریح ہے کہ آدم کو مٹی سے بنایا اور اس کی اولاد کو منی سے بنایا اگر حضرت آدم کوئی شخص خاص نہیں تو پھر یہ نوع انسانی پر کیوں صادق آسکتا ہے کہ نوع انسانی کو مٹی سے اور اس کی نسل کو نطفہ سے پیدا کیا کس لئے کہ تمام نوع اس بات میں برابر ہیں اور پھر نوع کی نسل کیا معنی رکھتی ہے۔

(۲) یا ادم اسکن انت و زوجک الجنة فکلا منها رغدا حیث شئتما و لا تقربا هذه الشجرة (البقرہ:۳۵)۔ اگر آدم سے مراد نوع انسانی ہے تو اس میں مرد و عورت دونوں شریک ہیں۔ لفظ آدم اس تقدیر پر دونوں کو شامل ہے پھر اس نوع انسانی کی وجہ کیا ہے کہ جس کو انسان کے برابر خطاب میں ملحوظ رکھ کر ہر جگہ تثنیہ کا صیغہ بولا ہے۔(۳) ان مثل عیسیٰ عندالله کمثل ادمؑ خلقه من تراب (آل عمران:۵۹) اس آیت میں بھی تصریح کی ہے کہ جس طرح حضرت عیسیٰ بے باپ کے پیدا ہوئے حضرت آدمؑ بھی۔'' ۱۳؎

سرسید کی غلطیوں کی نشاندہی کرتے ہوئے مولانا حقانی مقدمہ تفسیر حقانی میں مزید لکھتے ہیں۔

''یہاں چند غلطیاں آپ سے سرزد ہوئیں۔(۱) یہ کہ اگر ''ھم'' کا مرجع آدمؑ ہیں باعتبار نوعیت کے تو کیا ضمیر مفرد مناسب تھی؟ پس ''عرضھم'' کہنا تطویل بلافائدہ تھی بجائے اس کے لئے لفظ عرضہ نہایت مناسب تھا اگر آپ یوں کہیں کہ معنی کی رعایت بلحاظ افراد نوع ضروری تھی تو آپ یا آدم اسکن انت (البقرہ:۳۵) میں کیا جواب دیں گے۔ پھر وہاں کیوں ان انواع کی رعایت کر کے اسکنوا نہ فرمایا؟ اور بالفرض اگر افراد کا لحاظ تھا تو کیا آدم کے ساتھ ایک فرد اس کی زوجہ ہی تھی جو لفظ تثنیہ بولا گیا جس سے صاف معلوم ہوا کہ جنس یا نوع قطعاً مراد نہیں ہو سکتی۔

(۲) اسماء سے مراد آپ کے نزدیک قویٰ ہیں اور قویٰ کی آپ کے نزدیک دو قسم ہیں ایک قویٰ ملکوتیہ جن کو آپ فرشتے کہتے ہیں دوسرے قویٰ بہیمیہ جن کو آپ شیطان کہتے ہیں اور انسان سے مراد ان قویٰ کا مجموعہ لیتے ہیں تو اس تقدیر پر'' ثم عرضهم علی الملائکة'' (البقرہ:۳۱) کے یہ معنی ہوئے کہ مجموعہ قویٰ ملکوتیہ اور بہیمیہ کو قویٰ الملکوتیہ کے سامنے کر کے مباحثہ کرایا و فساد ہ ممالا یخفیٰ (۳) یا آدم انبئهم باسمائهم (البقرہ:۳۳) کے یہ معنی ہوئے کہ اے مجموعہ قویٰ ملکوتیہ و بہیمیہ تو ان کو یعنی قویٰ ملکوتیہ کو قوی ملکوتیہ بتلا دے کیونکہ آپ فرما چکے ہیں۔ کہ انبئهم اور اسمائهم میں جو ''ھم'' ضمیر ہے وہ فرشتوں کی طرف راجع ہے اب اس کلام کے مہمل ہونے میں کیا شک باقی رہ گیا؟'' ۱۴؎

(۴) ''انبئونی باسماء هو لاء (البقرہ: ۳۱) کے یہ معنی ہوئے کہ اے قویٰ ملکوتیہ تم مجھ کو قویٰ ملکوتیہ ان چیزوں کی بتلا دو۔ اب ھولاء جو اسماء کا مضاف الیہ ہے وہ کیا چیز ہیں؟

(۵) جب آدم مجموعہ قویٰ ہے تو اس کو اس کے سکھلانے کے کیا معنی ہیں؟ پھر یہ قول وعلم آدم الاسماء کلها (البقرہ:۳۳) محض بے معنی ہے۔

(۶) جب فرشتے جزء آدم ٹھہرے اور اس کے قویٰ میں شمار کیے گئے تو پھر آپ کا یہ فرمانا کہ فرشتوں سے کہا گیا محض بے معنی کلام ہے کیونکہ قویٰ کا امتحان کرنا اور پھر ان قوی کا حال انہیں سے دریافت کرنا اور ان کا اپنی ذات کے علم سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عاجز آجانا جو علم حضوری ہے کہ جس سے کوئی ذی عقل محروم نہیں اور پھر آدم سے اس کے قوی کا حال دریافت کر کے پھر اس کے قویٰ کو ملامت کرنا اور الم اقل لکم انی اعلم (البقرہ:۳۳) کہنا اور ان قوی کا نحن نسبح بحمدک و نقدس لک (البقرہ:۳۰) کہنا ایک مجذوبوں کی بڑ ہے کہ جس کو کوئی ذی عقل پسند نہیں کرتا۔'' ۱۵

(۷) ''یہ آیت واذ قال ربک للملئکة انی جاعل فی الارض خلیفة قالوا اتجعل فیها من یفسد فیها و یسفک الدمآء و نحن نسبح بحمدک و نقدس لک قال انی اعلم مالاتعلمون (البقرہ:۳۰) بآواز بلند کہہ رہی ہے کہ ملائکہ آدم کے وجود سے پیشتر تھے کیونکہ جب خدائے پاک نے یہ فرمایا کہ ہم زمین میں اپنا خلیفہ پیدا کرنا چاہتے ہیں ملائکہ نے بوجہ اس بات کے کہ وہ سرشت آدم سے واقف تھے یہ کہا کہ حضور ایسے شخص کو کہ جس کی سرشت میں فساد ہے اس کو خلیفہ بنانا چاہتے ہیں اور ہم جو حضور کی تسبیح وتقدیس کرتے ہیں ہم کو نہیں بناتے اس میں کیا مصلحت ہے؟ پھر خدا نے آدم کو پیدا کیا اور اس کو ہر طرح کے علوم سے مشرف کر کے ملائکہ کے مقابلہ میں پیش کیا ملائکہ عاجز آ کر اپنے قصور فہم کے معترف ہوئے ان عنوان کلام سے جس کو ادنیٰ سلیقہ عبارت فہمی کا ہوگا صاف جان جاوے گا کہ ملائکہ آدم کی قویٰ نہیں کیونکہ قویٰ کسی شخص کے اس کے وجود سے پیشتر نہیں ہو سکتے دوم قویٰ خواہ زبان حال یا کلام فطرت سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہم میں خیر ہے ہم کو خلیفہ بنایئے اور جس کا ہم جزء ہیں وہ مفسد ہے کہ اس کو نہ بنایئے کیونکہ آدم کا مفسد ہونا اس کے قویٰ کا مفسد ہونا ہے اور آدم کو خلیفہ بنانا اس کے قویٰ ملکوتیہ کا بنانا ہے سوم وہ قویٰ ملکوتیہ کہ جس کی وجہ سے آدم کو شرف ہے اور جو اسکی خلافت کا باعث اعظم ہے جب وہ آدم سے بحیثیت غیریت علوم میں زائد نہ ہو سکیں اور کچھ بھی نہ بتا سکیں تو پھر زبان حال سے کیا خاک قوی ملکوتیہ نے استحقاق خلافت جتلایا۔'' ۱۶

نبوت کے متعلق نقطہ نظر

''سید احمد خان صاحب کا ان لوگوں کے حال پر انبیاؑ کے حال کو قیاس کرنا بڑی غلطی ہے اس شبہ سے سید صاحب کو اور چند مشکلیں پیش آئیں۔(۱) یہ کہ جب آپ نے الہام اور وحی اس سوداوی مرض کو فرض کر لیا تو بہت سے لوگوں کو نبی کہنا پڑا اور نبوت کے معنی محض رفارمری اور وعظ گوئی رہ گئی۔(۲) یہ کہ جب ایسی سوداوی اشکال جبرائیل ٹھہرے تو اصل جبرائیلؑ اور ان کے ساتھ کل ملائکہ اور ان کے ذیل میں شیطان اور جن بلکہ کل غیر محسوس چیزوں کا منکر محض بننا پڑا اور جن آیات میں کہ ان چیزوں کے ذکر ہیں ان کی توجیہات بعیدہ کرنی پڑیں اور کہیں توجیہہ نہ بن آئے تو انکار محض۔'' ۱۷

(۳) جب یوں نبوت کا دروازہ کھلا اور ہر واعظ اور رفارمر بالخصوص یورپین جنٹل مین واعظ بھی نبی مانا گیا اور ہر ملک اور ہر قوم اور ہر زمانہ میں قوم کی ترقی کو نبی کہنا پڑا اور وہاں معجزات سے اس کو بالکل خالی دیکھ کر اس کی نبوت باطل ہوتی دیکھی تو سرے سے معجزات بلکہ کل خرق عادات میں عادات ہی کا انکار کر دیا اور جن آیات میں کہ معجزات انبیاء اور خرق عادات مذکور ہیں ان کی بے بنیاد تاویلات اور کہیں انکار کیا۔(۴) یہ کہ جب نبوت ایسی ہلکی چیز ٹھہری تو جملہ عبادات ساقط۔عبادت کیا؟ مسلمانوں کے لئے دنیا حاصل کرنے کے وسائل کی تعلیم اور یہی ترقی اسلام (۵) جب عبادت وریاضت ندارد تو پھر جنت کی نعماء اور دوزخ کی تکالیف کا بھی انکار محض اور ان آیات کی تاویلات رکیکہ اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ان چیزوں کے انکار سے ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہے کہ جب عقبیٰ کا ڈر اور امید جیسا کہ چاہیے کچھ بھی نہ رہا تو پھر جائز اور ناجائز حلال وحرام طور سے دنیا حاصل کرنے کا پورا موقع ہاتھ آوے گا۔'' ۱۸

نظریہ پیدائش عیسیٰ/ ولادت عیسیٰ

تفسیر حقانی میں پیدائش عیسیٰ/ ولادت عیسیٰؑ کے متعلق یوں تحقیقی وتنقیدی جواب دیا گیا ہے۔

(۱)''مریم کو بغیر باپ کے بچہ دینے میں اظہار قدرت کاملہ اور لوگوں پر رحمت مقصود تھی رحمت اس لئے کہ ماں ہی کا اثر مولود میں ظاہر ہوا اور عورت کی ذات میں قدرت نے نرمی اور شفقت رکھی ہے۔'' ۱۹

(۲)''حضرت عیسیٰؑ اور مریمؑ کے قصہ کو تمام کر کے فرماتا ہے ذلک عیسیٰؑ بن مریم (مریم: ۳۱) کہ اصل حقیقت عیسیٰؑ بن مریمؑ کی یہ ہے سچا واقعہ جس میں وہ جھگڑتے ہیں یہ ہے نہ وہ جو کہ یہود کہنے لگے کہ معاذ اللہ وہ زنا سے پیدا ہوئے تھے اور مکار وفریبی تھے نہ وہ جو کہ عیسائی کہنے لگے کہ وہ خدا کے بیٹے تھے خدا ان کی شکل میں ظاہر ہوا تھا۔ یہود کا قول تو از حد بدیہی البطلان تھا ان کی طرف توجہ نہیں کی گئی اس لئے عیسائیوں کے قول کو باطل کرتا ہے ما کان للہ ان یتخذ من ولد سبحانہ (مریم:۳۵) کہ خدا کی یہ شان ہی نہیں کہ وہ کسی کو بیٹا بنادے وہ اس سے پاک ہے اذا قضیٰ امرا فانما یقول لہ کن فیکون (البقرہ:۱۱۷) بیٹا ان کے لئے ہوتا ہے جن کو احتیاج ہے اور اس کے حکم میں تو ہر چیز ہے کن کہتے ہی ہو جاتی ہے اس طرح بغیر سبب ظاہری یعنی باپ کے بغیر عیسیٰ کو پیدا کر دیا خود عیسیٰ نے کہہ دیا تھا انی عبداللہ۔(مریم:۳۰)'' ۲۰

(۳)''تمام اہل اسلام اور تمام عیسائی اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت علیہ السلام بغیر باپ کے محض قدرت کاملہ سے پیدا ہوئے تھے برخلاف یہود کے کہ وہ ان کو انسان کے نطفہ سے بطور عادت پیدا ہونا کہتے ہیں اور معاذ اللہ ناجائز تولد قرار دیتے ہیں مگر آجکل برائے نام مسلمان ایک گروہ جو اس زمانہ میں علوم حسیہ کی ترقی اور علوم روحانیہ کے مفقود ہو جانے اور حسن باطن اور نور قلبی کے مٹ جانے سے پیدا ہوا ہے۔ وہ فریق قدم بہ قدم حکماء یورپ کے چلتا اور قرآن واحادیث کو ان کے خیالات کے مطابق کرتا ہے غلط تاویلات کے ذریعہ سے وہ بھی یہود کی طرح بطور عادت انسان کے نطفہ سے پیدا ہونا کہتا ہے کیونکہ خوارق عادت امور ان کے نزدیک محال ہیں'' ۲۱

(۴) ان مثل عیسیٰؑ عند اللہ کمثل آدم (آل عمران: ۵۹) میں اس امر کی صاف تصریح ہے کیونکہ آدمؑ کے ساتھ مسیحؑ کو تشبیہ دینا اور اگر اس بات میں نہیں کہ جس طرح وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے اسی طرح یہ بھی تو پھر اور کون سی خصوصیت آدمؑ کے ساتھ مسیحؑ کو ہے؟ اور نیز اس آیت کا نزول انہیں کے دفع خیال کے لئے ہے جو مسیحؑ کو بغیر باپ کے پیدا ہونے سے خدا کا بیٹا سمجھتے تھے۔ اس کے علاوہ اسی قصے میں اور کتنی ایک باتیں خارق عادت مذکور ہیں۔ جیسا کہ کھجور خشک سے ترخرموں کا پیدا ہونا پانی کا چشمہ نمودار ہونا مسیحؑ کا گود میں کلام کرنا جس کی بابت یہود نے کہا تھا کہ ہم گود کے بچہ سے کیونکر بات کر سکتے ہیں؟ اور فرشتہ کا مجسم ہو کر مریم کو نظر آنا پھر یہاں بھی شاید تاویل باطل کریں گے اس طرح عیسائیوں کی اناجیل اربعہ میں بھی اس امر کی صاف تصریح ہے حالانکہ ماؤل صاحب اپنی کتاب تبیین الکلام میں اناجیل مذکورہ کو غیر محرف اور کلام الٰہی مان چکے ہیں انجیل متی کے اول باب میں ۱۸ ورس سے لے کر آخر تک اس کی تصریح ہے جس کا ایک جملہ یہ ہے کہ جب اس کی ماں مریم کی منگنی یوسف کے ساتھ ہوئی تو ان کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اکٹھے آنے سے پہلے وہ روح القدس سے حاملہ پائی گئی۔ پھر انجیل لوقا کے اول باب میں ۲۶ ورس سے لے کر کئی جملوں تک قرآن مجید کے موافق مریم کو فرشتہ سے حمل ہونا اور مسیحؑ کا بغیر باپ کے پیدا ہونا مذکور ہے پھر نہیں معلوم کہ ماول صاحب کس سند سے انکار کرتے ہیں اور آسمان وزمین کے قلابے ملاتے ہیں۔'' ۲۲

(۵) ''نیچر مفسر نے ان معجزات کے مٹانے پر بہت کچھ ہاتھ پاؤں مارے ہیں اور جبکہ آیات قرآنیہ کی کوئی تاویل ہی نہ ہوسکی تو کہیں بے تک ف عطف ف تفریع کا جھگڑا لے بیٹھے کہیں یہ کہہ دیا کہ مفسرین کو یہود و نصاریٰ کی تقلید کی عادت ہے۔ غرض بے تک ہذیان ہے جس کی بنیاد نہ کسی دلیل عقلی پر ہے نہ نقلی پر بلکہ صرف اس بات پر کہ معجزہ کا وجود ممکن نہیں۔'' ۲۳

(۶) ''نیچری کہتے ہیں کہ مسیحؑ کا بغیر باپ کے پیدا ہونا قرآن سے بھی ثابت نہیں میں کہتا ہوں عقلاً بھی ممکن ہے اور نقلاً بھی ثابت ہے عقلاً تو یوں کہ آپ نے مٹی سے سینکڑوں جاندار پیدا ہوتے بار ہا دیکھے ہوں گے پھر مریم کے پیٹ میں ذی روح کے پیدا ہو جانے سے کیا محال لازم آسکتا ہے۔ اور نقلاً یوں کہ علاوہ انجیل متی کے قرآن مجید کی بھی متعدد آیات سے مطلب ثابت ہوتا ہے۔ از انجملہ یہی آیت ہے کیونکہ کلمتہ القھا الیٰ مریم (النساء:۱۷۱) کے یہی معنی ہیں کہ خدا نے اس کلمہ کو مریم کی طرف ڈالا نہ یوسف نجار یا کسی اور نے پھر اس سے زیادہ کیا صراحت ہوگی۔''۲۴

(۷) ''وبکفرھم و قولھم علی مریم بھتانا (النساء:۱۵۶) یہ نالائق فعل ان سے حضرت مسیحؑ کی ولادت کے وقت صادر ہوا تھا وہ یہ کہ حضرت مسیحؑ چونکہ بغیر باپ کے صرف اسکی قدرت کاملہ سے پیدا ہوئے تھے وہ اس کے منکر ہوگئے و بکفرھم سے اسی طرف اشارہ ہے سوانہوں نے اس قدرت کاملہ کا انکار کیا اور حضرت مریم پاک دامن پر زنا کی تہمت لگائی کہ اس نے یہ حرامی بچہ جنا ہے اور اخیر تک اسی لیے یہود حضرت مسیحؑ کو بنظر حقارت دیکھتے رہے بعض یہود کا یہ بھی گمان تھا کہ حضرت مسیحؑ یوسف نجار کے نطفہ سے پیدا ہوئے جنکی تقلید سے آج کل نیچری بھی یہی کہتے ہیں اور قرآن مجید کی بے جا تاویلیں کرتے تھے مگر انجیل کی کیا تاویل کریں گے۔ جہاں روح القدس سے حاملہ پائے جانے کی تصریح ہے گرچہ کسی پاک دامن عورت کو زنا کی طرف منسوب کرنا بہتان ہے مگر انہوں نے اس زنا کو ایک بڑے پاکدامن شخص یعنی زکریاؑ کی طرف منسوب کیا جیسا کہ عموماً یہود کا گمان بد تھا بہتان عظیم ہے اس لئے بہتان کے بعد لفظ عظیم آیا۔'' ۲۵

(۸) ''ان سے بڑھ کر دہریے اور ان کے مقلد نیچری ان آیات کے صاف اور سیدھے مطلب کو اسی قاعدہ فاسدہ پر (کہ خرق عادت محال ہے) عجب تاویلیں کرکے الٹ پلٹ کرتے ہیں چنانچہ نیچری مفسر نے اس مقام پر حضرت مریمؑ کو غیب سے روزی پہنچنے کا اور حضرت عیسیٰؑ کے بے باپ کے پیدا ہونے کا انکار کیا اور یہ تاویل کی ہے کہ حضرت یوسف نجار سے پیدا ہوئے تھے صرف یہ بات تھی کہ رخصت کرکے لے جانے سے پہلے یوسف مریم سے ہم بستر ہو گئے تھے چونکہ یہ بات یہود میں مذموم تھی جو دونوں کو شرم وحجاب کا موجب ہوا۔ اور زکریا اور بی بی مریم نے جو فرشتوں سے باتیں کیں وہ ان کا خیال مجسم یا خواب تھا اور چونکہ اس مذہب کا یونانیوں میں رواج دینا منظور تھا اور ان میں ایسی باتیں ہمیشہ سے باعث بزرگی سمجھی جایا کرتی تھیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ افسوس یہ لوگ صرف برائے نام مسلمان کہلانے کے لئے قرآن مجید کی فضول تاویلیں کرکے اپنا مضحکہ اُڑواتے ہیں اور تاریخی واقعات کو غلط کہہ کے محققوں میں حقیر بنتے ہیں مگر ان کو سرے سے اسلام ہی کا انکار کر دینا تھا۔ اس زمانے میں اسلام سے کیا دنیا ملتی ہے؟'' ۲۶

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نظریہ وفات عیسیٰؑ / رفع عیسیٰؑ

مفسر حقانی کا وفات عیسیٰ / رفع عیسیٰ کے سلسلہ میں تحقیقی وتنقیدی انداز بیان درج ذیل ہے۔

(۱)''ورافعک الی (آل عمران: ۵۵) اگر خدا جہت اور مکان سے پاک ہے مگر جہت علوی کو اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ اب جسطرح آسمان کو اس کا مکان قرار دینا غلط ہے اسی طرح نیچریوں کا آسمان کی طرف حضرت عیسیٰ کے اٹھائے جانے سے انکار کرنا لغو ہے اور تاویلات رکیکہ ہیں جن کا کوئی اہل مذہب بھی اعتبار نہیں کر سکتا۔ یا صرف روح کی رفعت مراد لینا اور یہ کہنا کہ ماقتلوہ و ماصلبوہ (النساء: ۱۵۷) میں بھی روح مراد ہے محض بیکار تاویل ہے کس لیے کہ کوئی بھی کسی کی روح کو قتل نہیں کر سکتا نہ یہود کو اس کا دعویٰ تھا نہ فخر پھر روحانی رفعت میں حضرت عیسیٰؑ کی کیا خصوصیت ہے۔'' ۲۷

(۲)''اس وقت حضرت پر ایک عجیب حالت طاری تھی جس میں خدا نے حضرت مسیح سے خطاب کر کے یہ جملے فرمائے جو ان آیات میں مذکور ہیں کہ اے عیسیٰ کچھ غم نہ کرو میں تم کو آسمان کی طرف اٹھا لیتا ہوں اور جو کچھ یہ لوگ تم پر بہتان لگاتے ہیں۔ کہ تو نے خدائی دعوی کیا اور خدا کا بیٹا بنا (انجیل لوقا باب ۲۲ ورس ۴۹) اس سے میں نبی اخیر کی معرفت تم کو پاک کر دوں گا جیسا کہ انجیل برنباس سے ثابت ہے اور اب جو مخالفین کی جماعت تم کو غالب دکھائی دیتی ہے میں ان کو قیامت تک تمہارے ماننے والوں کے ماتحت کر دوں گا یہ دنیا کی سزا ہے اور آخر تو ہر شخص ہماری طرف رجوع کرتا ہے ہم نیکوں کو پورا بدلہ دیں گے اور بدوں کو سخت عذاب دیں گے۔ آخر کار خدا نے ایک شخص مفسد شمعون اقرائی کو حضرت عیسیٰ کی صورت میں کر دیا لوگوں نے اسی کو عیسی سمجھ کر اس پر صلیب دھر کر شہر کے باہر لے گئے اور سولی دی اور حضرت عیسیٰؑ کو ملائکہ آسمان پر اٹھا کر لے گئے۔'' ۲۸

(۳) اذقال اللہ یعیسی انی متوفیک (آل عمران: ۵۵) الخ توفی کے معنی لغت میں کسی چیز کا پورا کر دینا ہے اور چونکہ مردہ اپنی حیات کا پورا حصہ پالیتا ہے اس لئے اس کو بھی متوفی کہتے ہیں اور انہیں اعتبارات سے اس کے معنی قبض کرنے کے بھی آتے ہیں اور کبھی متوفی بمعنی مستوفی بھی آتا ہے۔ اگر یہاں اس سے مراد موت لیجاوے تو پھر اس آیت میں (وماصلبوہ ولکن شبہ لھم (النساء: ۱۵۷) نہ انہوں نے عیسیٰ کو قتل کیا نہ سولی دیا بلکہ ان پر اشتباہ پڑ گیا) بظاہر اختلاف سا معلوم ہوتا ہے چنانچہ بعض پادریوں نے یہ اعتراض بھی کیا ہے (ہدایت المسلمین ۳۵۵) اسکا جواب بہت سہل ہے (۱) یوں کہ یہاں متوفی بمعنی مستوفی ہو جسکے معنی یہ ہوئے کہ میں تیری اجل کو پورا کروں گا کہ تجھ کو ان کے قتل سے بچا کر آسمان پر چڑھا لوں گا پھر تو اپنے وقت معہود پر مرے گا (بیضاوی) اب دونوں آیتوں میں کچھ بھی اختلاف نہیں۔ (۲) یوں کہ اس کے معنی قبض کے ہیں جس سے آیت کے یہ معنے ہوئے کہ میں تجھکو زمین سے اپنے قبضے میں لاکر آسمان پر پہنچا دیتا ہوں (بیضاوی) اب بھی کچھ اختلاف باقی نہ رہا۔ (۳) وفات سے مراد قوی بہیمہ اور آثار جسمانیہ سے ہلکا کر دینا ہے جو آسمان کی طرف عروج کو مانع ہیں خلاصہ یہ کہ تیرے آثار جسمانیہ کو پست کر کے تیری روحانیت کو غلبہ دیکر تجھے آسمان پر چڑھا دیتا ہوں'' ۲۹

(۴)''نہ کوئی یہودی تاریخ اسکی خبر دیتی ہے اور نہ کوئی حواری اپنا مشاہدہ بیان کرتا ہے انا جیل اربعہ میں سے لوقا اور مرقس تو پولوس کے شاگرد ہیں جو اس واقعہ میں شریک ہی نہ تھے سو یہ ظاہر ہے کہ وہ سنی سنائی باتیں کہتے ہیں رہے یوحنا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور متی وہ بھی وہاں نہ تھے صرف چند عورتیں دور سے دیکھتی تھیں اور کچھ عجب نہیں کہ یہودیوں کو وہاں شک پڑا ہو کہ فلاں شخص ہیں اور فلاں کہاں ہے؟ مگر ان کا یہ شبہ اور تردد ہم تک کیونکر منقول ہو سکتا جس میں انکی سبکی تھی برخلاف اس کے خود عیسائیوں میں سے دو گواہ قوی شہادت دے رہے ہیں اول برنباس حواری کی انجیل ہے جو آنحضرتؐ کے زمانہ سے صدہا سال پیشتر عیسائیوں میں مشہور و معروف تھی'' ۳۰

(۵)''ورافعک الی گرچہ خدا جہت اور مکان سے پاک ہے مگر جہت علوی کو اپنی طرف منسوب کیا ہے اب جس طرح آسمان کو اس کا مکان قرار دینا غلط ہے۔ اسی طرح نیچریوں کا آسمان کی طرف حضرت عیسیٰؑ کے اٹھائے جانے سے انکار کرنا لغو ہے اور تاویلات رکیکہ ہیں جنکا کوئی اہل مذہب بھی اعتبار نہیں کر سکتا۔ یا صرف روح کی رفعت مراد لینا اور یہ کہنا کہ ماقتلوہ وما صلبوہ (النساء:۱۵۷) میں بھی روح مراد ہے محض بیکار تاویل ہے کس لئے کہ کوئی بھی کسی کی روح کو قتل نہیں کر سکتا نہ یہود کو اس کا دعویٰ تھا نہ فخر پھر روحانی رفعت میں حضرت عیسیٰ کی کیا خصوصیت ہے۔''۳۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فصل سوم

معجزات کی عقلی توجیہہ

معجزات وکرامات کے متعلق نظریہ

معجزات وکرامات کے ضمن میں مفسر حقانی تحقیقی انداز اختیار کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں۔

''جو چیز کہ خلاف عادت اور برخلاف قانون قدرت یعنی بغیر اس بات کے کہ وہ اپنے اسباب عادیہ پر مبنی ہو کسی شخص سے سرزد ہو تو اس کو خارق عادت کہتے ہیں مثلاً عادت یوں جاری ہے کہ بھوک پیاس کھانے پینے سے دور ہوتی ہے یا درخت اور پتھر اور حیوانات گائے بھینس وغیرہ انسان سے کلام نہیں کرتے کوئی درخت یا پتھر کسی کے بلانے سے بحرکت ارادیہ نہیں آسکتا وغیرہ ذٰلک۔ یا کوئی شخص دریا پر زمین خشک کی طرح نہیں چل سکتا یا ایک آدمی کا کھانا صدہا آدمیوں کو شکم سیر نہیں کر سکتا۔ نہ کوئی شخص ایک مشت خاک سے صدہا آدمیوں کو اندھا کر سکتا ہے وغیرہ ذٰلک پس جو کوئی ایسا کردے تو یہ کام اس کا خارق عادت ہے۔ اب یہاں سے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ کام بذریعہ آلات واسباب ہوں خواہ وہ اسباب مخفی ہوں یا ظاہر جیسا دوا سے بیمار کا تندرست کرنا، کشتی کے ذریعہ سے دریا کو عبور کرنا خارق عادت نہیں۔ پس جو باتیں سحر اور طلسم کے ذریعہ سے ہوں یا نیرنجات کے شعبدے ہوں وہ بعض محققین کے نزدیک خارق عادت نہیں کیونکہ ان کے اسباب مخفی ہیں۔ کہ ہر شخص کی سمجھ میں نہیں آسکتے لیکن میں نے جو تحقیق کیا تو یوں معلوم ہوا کہ سحر کا ایک طور یوں بھی ہے کہ بذریعہ ارواح خبیثہ وشیاطین کام کیے جاتے ہیں ان کے لئے اسباب عادیہ میں سے کوئی سبب نہیں ہوتا اس لحاظ سے اس کو خارق عادت کہہ سکتا ہوں۔ ہاں اگر ان شیاطین وارواح خبیثہ کو سبب مخفی قرار دیا جائے تو خارق عادیہ نہیں۔ پھر یہ خارق عادت اگر مدعی نبوت سے ظاہر ہو تو اس کو معجزہ کہتے ہیں۔ کہ مخالف کو اس کے مثل کام کرنے سے عاجز کر دیتا ہے اب خواہ مدعی نبوت سے یہ معجزہ ایک معمولی طور سے صادر ہو یا اس وقت نبوت کا دعویٰ بھی ہوا گر یہ خارق عادت نبی کے پیرو سے صادر ہوا گر وہ ولی ہے تو اس کو کرامت کہتے ہیں۔'' ۳۳

معجزات نبویؐ کے متعلق نظریہ

مولانا عبدالحق حقانی کا معجزات نبویؐ کے ضمن میں تحقیقی وتنقیدی جواب درج ذیل ہے۔

(۱) ''وانشق القمر (القمر:۱) اور چاند پھٹ گیا۔ جمہور مفسرین اور تمام اہل سنت والجماعت کا یہ قول ہے کہ آیت کے ظاہری معنی مراد ہیں کس لئے کہ جب آپؐ مکے میں تھے تو کفار نے آپؐ سے کوئی معجزہ طلب کیا تھا تب آپؐ نے چاند کی طرف اشارہ کیا اور اس کے دو ٹکڑے لوگوں کو دکھائی دیئے ایک ابوقبیس پہاڑ اور دوسرا اس کے قریب قیقعان پہاڑ پر نظر آیا اور لوگوں نے دیر تک دیکھا اس بات کو محدثین نے بسند صحیح نقل کیا ہے صحیح بخاری وصحیح مسلم ومسند امام احمد وغیرہ میں مذکور ہے اس معجزہ کو دیکھ کر کفار نے یہ کہہ دیا کہ محمدؐ نے جادو کر دیا ہے اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ وان یروا اٰیۃ یعرضوا و یقولوا سحر مستمر (القمر: ۲) کہ اگر وہ نشانی دیکھتے ہیں تو قوی یا قدیم جادو کہتے ہیں (طبرانی) اور آیات کا سیاق وسباق بھی یہی کہہ رہا ہے کس لئے کہ اول اقتربت الساعۃ (القمر:۱) فرمایا اور بعد

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نشانی دیکھ کر اس کو جادو کہنا اور اس سے انکار کرنے کا ذکر آیا۔۔۔۔۔۔۔۔جیسا یہ معجزہ ہمارے رسول کریمؐ سے صادر ہوا ہے ایسا معجزہ کبھی کسی نبی سے صادر نہیں ہوا اور انبیاء کی روحانی قوت کا اثر زمین کی چیزوں پر ہوا۔ پتھر سے پانی نکلا، قلزم جیسے سمندر کو چیر کر رستہ لیا لاٹھی کا اژدہا بنایا، ہاتھ میں روشنی دکھائی اُن کی بددعاؤں سے سرکش ہلاک ہوئے دعاؤں سے مردے بھی جی اٹھے دریا کو ڈانٹا، ہوا پر حکومت کی۔ مگر آسمانی چیزوں پر خاص اسی خاتم المرسلین ﷺ کا اثر پہنچا اور ایک اشارے سے چاند کے دو ٹکڑے کر دیئے اس سے آنحضرت ﷺ کی تمام انبیاء علیہم السلام پر فضیلت و فوقیت ثابت کی گئی۔'' ۳۳

(۲) ''مشرکین مکہ جواب سے عاجز آ کر یہ بھی کہا کرتے تھے اگر آپؐ نبی ہیں تو کوہ صفا کو سونے کا بنا دیں اور مکہ کے پہاڑوں کو ہٹا دیں تا کہ کھیتی کیا کریں اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی '' وما منعنا '' الخ کہ ہم یہ بھی کر سکتے ہیں مگر یوں نہیں کرتے کہ پہلی امتوں میں بھی لوگوں نے انبیاء سے سوال کر کے معجزات طلب کئے تھے اور پہلے وعدہ کر لیا تھا کہ اگر ہماری خواہش کے مطابق معجزہ آوے گا تو ہم ایمان لاویں گے مگر پھر بھی نہ ایمان لائے اور عادت الٰہی جاری ہے کہ جو ہٹ کر معجزات طلب کرتے ہیں اور پھر بھی ایمان نہیں لاتے تو ہلاک ہوتے ہیں چنانچہ قوم ثمود نے صالحؑ سے اونٹنی کا سوال کیا ان کے کہنے کے موافق اونٹنی پیدا ہوئی آخر ایمان نہ لائے بلکہ اسکی کونچیں کاٹ ڈالیں تب ہلاک ہوئے اس قسم کے معجزات خطرناک ہوتے ہیں۔ چنانچہ فرماتا ہے وما نرسل بالآیات الاتخویفا (بنی اسرائیل:۵۹) اور ہم کو اہل مکہ کا ہلاک کرنا مقصود نہیں اسلئے ان کی یہ خواہش پوری نہیں کی جاتیں اس تفسیر پر سلف سے خلف تک جمہور مفسرین متفق ہیں پھر جو کوئی پادری اس آیت سے یہ ثابت کرے کہ آنحضرتؐ سے کوئی معجزہ صادر نہیں ہوا جیسا کہ پادری فنڈر نے کتاب ''میزان الحق'' میں لکھا ہے اور پھر اسکی تقلید نیچری مفسر نے کی ہے بڑی غلطی ہے الآیات سے بواسطہ الف لام وہی آیات یعنی معجزات مقصود ہیں کہ جن کا مشرکین سوال کرتے تھے نہ کہ کل مفسرین کا اسی پر اتفاق ہے اور ابن عباسؓ کا بھی یہی قول ہے۔'' ۳۴

تصور معراج النبیؐ

مولانا عبدالحق حقانی معراج النبیؐ کو تحقیقی دلائل سے ثابت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

(۱) ''یہ معراج کا واقعہ محققین کے نزدیک ہجرت سے ایک سال پیشتر رجب کے مہینے میں ستائیسویں شب کو ہوا تھا جیسا کہ معالم التنزیل وغیرہ سے ثابت ہے۔ (۲) جسم عنصری کا ایسی حرکتِ سریع کرنا، جبکہ اسکی عنصریت روحانیت سے بھی لطافت میں بڑھ جاوے کچھ بھی محال نہیں آجکل ریل اور تار برقی کی حرکت کو ملاحظہ کر لیجئے اور اسی طرح آسمانوں کا خرق والتیام جن خیالات فاسدہ سے محال ثابت کیا تھا اس کی پوری پوری حکماء اسلام نے علم کلام میں قلعی کھول دی ہے اور ثابت کر دیا ہے کہ وہ حکماء یونان اپنے عقلی ڈھکوسلوں سے زمین و آسمان کے قلابے ملایا کرتے تھے جن کے مسائل طبیعیات کی آجکل حکماء یورپ کیسی خاک اُڑا رہے ہیں اور جو کوئی ملحد عیسائی ایسی باتوں کا قائل نہیں تو کیا ہوا پر جو انا جیل اور بائیبل کو مانتے ہیں ان پر ان باتوں کا تسلیم کرنا ضرور ہے۔'' ۳۵

(۳) ''یہ معراج روحانیت کا کامل غلبہ ہے عبادت و تسبیح کے سبب جس سے روح جسم پر غالب آ گئی اور جسمانیت میں سرایت کر گئی اور جسم بھی بمنزلہ روح کے لطیف ہو گیا تھا اور یہ بات اہل کمال پر مخفی نہیں۔'' ۳۶

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

معجزہ شق صدر کے متعلق رائے

مفسر حقانی سورۃ انشراح کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

''الم نشرح لک صدرک (الم نشرح:۱) کہ کیا ہم نے اے نبی تیرا سینہ نہیں کھول دیا؟ ضرور کھول دیا یہ استفہام تقریری کامل ثبوت کا فائدہ دیا کرتا ہے احادیث صحیحہ میں وارد ہے کہ دوبار آنحضرت ﷺ کا سینہ فرشتوں نے چاک کر کے قلب مبارک کو نورانی طشت میں آب قدس سے دھویا ایک بار لڑکپن میں جبکہ آپؐ حلیمہ سعدیہ کے ہاں پرورش پایا کرتے تھے، دوبارہ جبکہ معراج کو تشریف شریف عالم بالا کی طرف لے گئے جمیع الواث بشریہ و کدورات انسانیہ دھو دیئے تھے۔ یہ اسی شرح صدر کی تاثیر تھی کہ دنیا و مافیھا آپؐ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی وقعت نہیں رکھتے تھے اور غم اور خوشی دونوں حالتیں آپؐ پر کوئی تغیر پیدا نہ کرتی تھیں ہمت عالی کے نزدیک تمام جہان کی اصلاح کے لئے کھڑا ہونا اور دنیا کو ناپاک کرنے والی قوی سلطنتوں کا اکھیڑ کر پھینک دینا کہ جن کی نسبت یہ خیال کرنا بھی جنون شمار ہوتا تھا کوئی بڑی بات نہ تھی ہر حال میں آپ انبساط قلبی کے ساتھ اپنے فرائض کو ادا کرتے تھے لک کی قید یہ بتلا رہی ہے کہ اور کسی کیلئے شرح صدر مراد نہیں بلکہ خاص آپؐ ہی کے واسطے۔'' ۳۷

معجزات حضرت عیسیٰؑ

۱۔ تکلم فی المہد

(۱)۔''الغرض جب حضرت عیسیٰؑ پیدا ہوئے اور ان کی برکت سے خشک کھجور میں چھوارے نمودار ہوئے تو یہود گروہ کے گروہ مریم کو ملامت کرنے آتے تھے کہ تیرے ماں اور باپ تو ایسے پاک دامن تھے تو نے یہ کیا کیا؟

حضرت مریمؑ نے کہا کہ اسی لڑکے سے پوچھو لوگوں نے کہا شیر خوار لڑکا کیونکر بات کر سکتا ہے۔ اس میں خود حضرت عیسیٰؑ بول پڑے کہ میں خدا کا برگزیدہ نبی ہوں اور میری ماں پاک دامن ہے اس سے سب کو تعجب ہو گیا پھر اور بھی معجزات لڑکپن میں لوگوں نے دیکھے۔'' ۳۸

(۲)۔''یہ سب سے اول احسان ہے جو حضرت مسیحؑ پر کیا تھا کہ روح القدس سے ان کی تائید کی تھی جس سے وہ لڑکپن میں بھی کلام کرتے تھے کہ جس وقت عادتاً لڑکے نہیں بول سکتے ورنہ پھر تائید روح القدس کی اور کلام کرنے کی خصوصیت کیا تھی؟ روح سے مراد جبرئیلؑ القدس سے ذات باری تعالیٰ۔ جبرئیل کی تائید یہ تھی کہ یہ ہر وقت اپنی ملکیت کا اثر ان کی بشریت پر ڈالتے رہتے تھے جس سے ان سے معجزات سرزد ہوتے تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ ارواح کے درجات متفاوت ہیں خدا تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو پاک روح عطا کی تھی جس کے آثار ہمیشہ جسمانیت اور بہیمیت پر غالب رہتے تھے سو یہ تائید تھی کہ لڑکپن میں کلام کرنا اور انی عبد اللہ (مریم:۳۰) کہنا انجیل طفولیت میں ثابت ہے اور آج اس کو مسلم الثبوت نہ کہنے سے اس کے جمیع واقعات کی تکذیب نہیں ہو سکتی خصوصاً جبکہ انجیل یوحنا کے اخیر باب میں تصریح ہے کہ مسیحؑ نے جو کچھ کام کئے ہیں آج اگر وہ سب لکھے جاویں تو دنیا میں نہ سما سکیں۔'' ۳۹

(۳)''پس پاک ہونے کے بعد ختنہ کیلئے شریعت موسوی کے موافق مریم عیسیٰؑ کو بیت المقدس میں لائیں فاتت به قومها تحمله '(مریم:۲۷) یہاں ان پر لوگوں کا ہنگامہ ہوا اور طعن و تشنیع شروع ہوئی کہ تیرے ماں باپ تو ایسے نہ تھے تو یہ حرام کار کہاں سے پیدا ہوئی؟ سچ بتا کہ یہ بچہ کس کا ہے؟ مریم نے حضرت مسیحؑ کی طرف اشارہ کیا کہ خود اسی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے دریافت کرلو لوگوں نے کہا کہ ہم بچہ سے کیونکر بات چیت کر سکتے ہیں اتنے میں حضرت مسیحؑ گود میں سے آپ بول اٹھے کہ میں اللہ کا بندہ ہوں (سب سے پہلے جملہ یوں کہا کہ ان کے بغیر باپ کے پیدا ہونے اور عجائب معجزات دکھانے سے لوگ ان کو کہیں خدا کا بیٹا نہ سمجھ لیں جیسا کہ نصاریٰ سمجھ بیٹھے) مجھ کو کتاب دی ہے یعنی انجیل گو اس وقت تک نہ ملی تھی بلکہ تیس برس کی عمر میں جبکہ نبی ہوئے اور اسی طرح نبوت بھی جب ہی ملی اور صلوٰۃ وزکوٰۃ کی وصیت بھی اسی وقت میں ہوسکتی ہے لیکن یہ سب باتیں ہونے والی تھیں اور عالم غیب میں قرار پا چکی تھیں گو ظہور اس وقت تک نہ ہوا تھا لیکن حضرت عیسیٰؑ کو یہ معلوم کرایا گیا تھا اس لئے ان سب باتوں کو بلفظ ماضی اس طفولیت کے وقت بیان فرمایا تھا۔ شیر خواری کی حالت میں اپنی ماں کی برأت کیلئے مسیح نے ایک ہی بار کلام کیا تھا پھر نہیں کیا بلکہ پھر اسی وقت بولے جب اور لڑکے بولا کرتے ہیں جب لوگوں نے یہ کلام سنا تو حیرت میں رہ گئے اور اس لئے مریم پر زنا کی سزا جو قتل تھی قائم نہ کی ورنہ سزا سے بری رکھنے کی کوئی وجہ نہ تھی مگر اس بات کو یہود نے مخفی کر دیا تا کہ لوگ ان کے معتقد نہ ہو جائیں اور حضرت زکریا علیہ السلام پاک دامن پر بہتان دھر دیا۔'' ۴۰

(۲) نزول مائدہ

مولانا عبدالحق حقانی نزول مائدہ کے متعلق یوں رقم طراز ہیں۔

''فقیر کے نزدیک مائدہ کا نازل ہونا پایا گیا جیسا کہ اس کا پتہ انجیل یوحنا سے لگتا ہے اور عیسائیوں کے پاس بے اندازہ دنیا کا جمع ہونا اسی کا ثمرہ ہے۔ نیچر مفسر نے ان معجزات کے مٹانے پر بہت کچھ ہاتھ پاؤں مارے ہیں اور جبکہ آیات قرآنیہ کی کوئی تاویل ہی نہ ہوسکی تو کہیں بے تک عطف ف تفریع کا جھگڑا لے بیٹھے کہیں یہ کہہ دیا کہ مفسرین کو یہود ونصاریٰ کی تقلید کی عادت ہے غرض بے تک ہذیان ہے جس کی بنیاد نہ کسی دلیل عقلی پر ہے نہ نقلی پر بلکہ صرف اس بات پر کہ معجزہ کا وجود ممکن نہیں۔'' ۴۱

(۳) اخبار عن الغیب

مولانا عبدالحق حقانی تفسیر حقانی میں تنقیدی انداز اپناتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''ان سے بڑھ کر دہریے اور ان کے مقلد نیچری ان آیات کے صاف اور سیدھے مطلب کو اسی قاعدہ فاسدہ پر (کہ خرق عادت محال ہے) عجیب تاویلیں کر کے الٹ پلٹ کرتے ہیں۔۔۔۔۔ افسوس یہ لوگ صرف برائے نام مسلمان کہلانے کے لیے قرآن مجید کی فضول تاویلیں کر کے اپنا مضحکہ اڑواتے ہیں اور تاریخی واقعات کو غلط کہہ کے محققوں میں حقیر بنتے ہیں۔ مگر ان کو سرے سے اسلام ہی کا انکار کر دینا تھا۔ اس زمانے میں اسلام سے کیا دنیا ملتی ہے۔'' ۴۲

(۴) مردوں کو زندہ کرنا

مولانا عبدالحق حقانی تحقیقی، تنقیدی اور الزامی جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''مردہ کا زندہ کرنا بھی لوقا کی انجیل کے باب ۸ میں مذکور ہے۔'' ۴۳

''اگر تاریخی باتیں انجیل اربعہ کے مصنف نے اپنی تاریخوں میں نہ لکھیں تو اس سے کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ امور غلط ہیں دیکھو زکریا کا فرشتہ سے بشارت پانا اور یحییٰ کا نام رکھنا وغیرہ باتیں صرف لوقا نے لکھیں ہیں اوروں نے نہیں پھر کیا اس وجہ سے یہ غلط ہوسکتیں ہیں؟ اس طرح مسیح کے پیدا ہونے کے دنوں میں مجوسیوں کو ایک ستارہ دکھائی دینا اور اس کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ان کے آگے آگے چلنا سوائے حق کے اور کسی نے نہیں لکھا اسی طرح ان چاروں مورخوں کا باہم سیکڑوں باتوں میں تفاوت پایا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں یوحنا اپنی انجیل کے سب سے اخیر میں یہ لکھتا ہے کہ اور بھی بہت سے کام ہیں جو یسوع نے کئے اگر وہ جدا جدا لکھے جاتے تو میں گمان کرتا ہوں کہ کتابیں جو لکھی جاتیں دنیا میں نہ سماتیں پھر کیا مسیح نے یہ ہی چند باتیں اور یہی چند کام کئے ہیں جو اناجیل اربعہ میں ہیں؟ ہرگز نہیں۔ علاوہ اس کے یہودی مورخوں اور دیگر اناجیل سے بھی ان باتوں کا پتا لگتا ہے اور ان اناجیل کے زیادہ معتبر ہونے کی وجہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ اُن کے سب تاریخی واقعات غلط ہوں۔'' ۴۴

(۵) اندھوں اور کوڑھیوں کو درست کرنا

صاحب تفسیر حقانی لکھتے ہیں۔

''حضرت عیسیٰ کی پیدائش کے موقع پر جب یہودیوں نے حضرت مریمؑ سے بچے (عیسیٰ) کے متعلق پوچھا تو اس پر خود عیسیٰ بول اٹھے کہ میں خدا کا برگزیدہ نبی ہوں اور میری ماں پاکدامن ہے اس سے سب کو تعجب ہو گیا پھر اور بھی معجزات لڑکپن میں لوگوں نے دیکھے۔'' ۴۵

مفسر حقانی کے مطابق معجزات لڑکپن سے مراد گارے کے پرند، جانور بنا کر اُن میں پھونک مارنا اور پھر اُن کا زندہ ہو کر اڑ جانا ہے۔

(۶) تائید روح القدس

تائید روح القدس کے ضمن میں مولانا حقانی رقمطراز ہیں۔

''اکابر ملائکہ ہیں منجملہ ان کے جبرئیل و میکائیل ہیں کہ جن کا ذکر قرآن میں آیا ہے قال تعالیٰ من کان عدوا للہ و ملئکتہ و رسلہ و جبریل و میکال فا ن اللہ عدو للکافرین۔ (البقرہ:۹۸) حضرت جبرئیل کے قرآن مجید میں چند اوصاف مذکور ہیں از انجملہ یہ کہ وہ انبیاء اور خدا کے درمیان واسطہ ہے اس کے ذریعہ سے وحی آتی ہے کما قال تعالیٰ علمہ شدید القویٰ۔ (النجم:۵) وقال تعالیٰ نزل بہ الروح الامین (الشعراء:۱۹۳) از انجملہ یہ ہے کہ ان کو خدا نے روح القدس فرمایا ہے کما قال اذایدتک بروح القدس (المائدہ:۱۱۰)۔'' ۴۶

(۷) خلق طیر

اس سلسلہ میں مولانا حقانی تحقیقی جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''مٹی کے جانور بنا کے ان میں پھونکنا اور اُن کا زندہ ہو کر اڑ جانا یہ معجزہ بھی آپؑ کا انجیل طفولیت میں موجود ہے۔ ۴۷

حضرت ابراہیمؑ کا آگ میں ڈالے جانے کا واقعہ

مولانا عبدالحق حقانی واقعہ ابراہیم کے بارے تحریر کرتے ہیں۔

''پھر حضرت ابراہیمؑ کو مجلس قومی کے سامنے حاضر کیا گیا اور ان سے سوال کیا کہ یہ کام کس ظالم نے کیا؟ فرمایا کہ یہ تمہارے معبود ہیں ان میں ہر قسم کی قدرت ہے خود ان سے دریافت کر لو الزام دینا مقصود تھا کہ یہ کیسے معبود ہیں جن کو کسی نے توڑ ڈالا یہ کچھ نہ کر سکے اور نیز اب بیان بھی نہیں کر سکتے ان میں باہم لڑائی ہوئی ہوگی بڑے نے چھوٹوں کو مار ڈالا اس پر اور بھی وہ نادم اور خجل ہوئے اور یہ مشورہ کیا کہ ابراہیمؑ کو آگ میں جلا دو چونکہ ان وحشی قوموں میں سخت جرم کی ایسی ایسی وحشیانہ سزائیں تھیں آگ میں ڈالا اللہ تعالیٰ نے آگ کو ابراہیمؑ پر سرد اور راحت کر دیا۔ صحیح سلامت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس میں سے نکل آئے تب تو اور بھی لوگوں کو حیرت ہوئی اور ان کے بھتیجے لوطؑ بھی ایمان لے آئے۔'' ۴۸

معجزہ صالحؑ

مولانا عبدالحق حقانی معجزہ صالح کے ضمن میں تحقیقی انداز اختیار کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں۔

''چنانچہ قوم ثمود نے صالحؑ سے اونٹنی کا سوال کیا ان کے کہنے کے موافق اونٹنی پیدا ہوئی آخر ایمان نہ لائے بلکہ اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں تب ہلاک ہوئے۔ اس قسم کے معجزات خطرناک ہوتے ہیں چنانچہ فرماتا ہے'' وما نرسل بالآیات الا تخویفا ''(بنی اسرئیل:۵۹) اور ہم کو اہل مکہ کا ہلاک کرنا مقصود نہیں اس لئے ان کی یہ خواہش پوری نہیں کی جاتیں اس تفسیر پر سلف سے خلف تک جمہور مفسرین متفق ہیں پھر جو کوئی پادری اس آیت سے یہ ثابت کرے کہ آنحضرت ﷺ سے کوئی معجزہ صادر نہیں ہوا جیسا کہ پادری فنڈر نے کتاب میزان الحق میں لکھا ہے اور پھر اس کی تقلید نیچری مفسر نے کی ہے بڑی غلطی ہے اور الآیات سے بواسطۂ الف لام وہی آیات یعنی معجزات مقصود ہیں جن کا مشرکین سوال کرتے تھے نہ کہ کُل۔ مفسرین کا اسی پر اتفاق ہے اور ابن عباسؓ کا بھی یہی قول ہے جب مشرکین مکہ کی خواہش کے موافق معجزات کے بھیجنے سے صاف جواب ہو گیا تو ان کو اور بھی دلیری ہوئی اور کہنے لگے کہ آپ نبی نہیں اور ڈرانے بھی لگے اور ظلم وستم کر کے چاہتے تھے کہ آپ وعظ نہ بیان فرمایا کریں اس پر یہ آیت نازل ہوئی یا یوں کہو اس آیت میں آپ کی تسلی کر دی گئی۔'' ۴۹

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فصل چہارم

مابعد الطبیعیاتی افکار

حقیقت وحی

مولانا عبدالحق حقانی مقدمہ تفسیر حقانی میں حقیقت وحی کے بارے میں لکھتے ہیں۔

''وحی یا الہام خدا تعالیٰ اور اسکی مخلوق کے درمیان ایک پیغام یا ایسی تار برقی ہے کہ جس کے ذریعہ سے وہ اپنے خالق سے ہم راز اور ہم کلام ہوتی ہے گو اس مخلوقات کو اس خالق سے کچھ بھی مماثلت اور مشاکلت نہیں مگر تاہم ایک ایسا رابطہ ہے کہ گویا وہ اس کے پاس ہر دم موجود ہے۔'' ۵۰

عقیدۂ روح

رُوح کی حقیقت بیان کرتے ہوئے مفسر حقانی مقدمہ تفسیر حقانی میں یوں رقمطراز ہیں۔

''انسان اصلی روح ہے جو ایک معین وقت پر اس جسم عنصری سے جدا ہو جاتی ہے جس کو موت کہتے ہیں جدا ہو کر وہ اپنی ایک خاص شکل یعنی نورانی پیکر میں قائم رہتی ہے سب طرح کی لذتیں اور تکلیفیں جو اس عالم عنصری کے اعمال وعقائد کا نیک بد نتیجہ ہے محسوس کرتی ہے اس کو اس زندگی کی باتیں یاد رہتی ہیں جب تک وہ اس جسم عنصری کے ساتھ وابستہ ہے اس وقت تک اس پر جسمانی خواہشوں اور جسمانی آثار کی تاریکیں محیط رہتی ہیں اس لئے اس روح کی حقیقی خواہشوں اور اس کے حقیقی علوم میں قوت متخیلہ وقوت متوہمہ جو جسمانی آثار ہیں حارج رہتی ہیں اس پر قومی رسوم و عادات کی اور بھی تاریکیاں گھیرے رہتی ہیں مگر وہ رحم اپنے کرم سے ایک گروہ ایسا پیدا کرتا ہے جو فطرتاً ان کے ارواح میں ان ظلمات سے محفوظ ہوتے ہیں یہ گروہ انبیاء ہے اس لئے یہ ہی روحانی ڈاکٹر ہیں ان اندھیریوں میں اس باریک رستہ کے لئے انھیں کے ہاتھ میں برقی روشنی ہوتی ہے یہی انسان کو اس راہ پر چلاتی ہیں جو اس کی دونوں زندگانیوں کو فلاح تک پہنچاتی ہے۔'' ۵۱

اثبات ملائکہ

مولانا عبدالحق حقانی مقدمہ تفسیر حقانی میں سرسید کے ملائکہ کے نقطۂ نظر کی تردید کرتے ہوئے تحقیقی وتنقیدی انداز اپناتے ہیں۔ اثبات ملائکہ کے ضمن میں ان کے اقتباسات درج ذیل ہیں۔

1۔دیکھیے کتاب دانیال ۸ باب میں یوں ہے۔''ایک آواز آئی کہ اے جبرائیل اس شخص کو اس رؤیا کا مطلب سمجھا دے''۔انتہیٰ۔اگر دانیال آپ کے نزدیک نبی نہیں ہیں تو یہ اور بات ہے ورنہ دانیال پیغمبر علیہ السلام کی زبان سے جبرائیل کا نام صاف معلوم ہوتا ہے اسی طرح انجیل باب ۱۹ میں یوں ہے۔

''فرشتے نے جواب میں اس سے کہا میں جبرئیل ہوں جو خدا کے حضور رہتا ہوں۔''انتہیٰ۔دوم آپکا یہ فرمانا کہ صحف انبیاء دعوی بلا دلیل ہے وہ کونسا صحیفہ ہے کہ جس میں جبرئیل ومیکائیل کو صفت باری لکھا ہے۔ذرا اس کا حوالہ تو دیجیے۔ سوم یہ قول آپکا کہ رفتہ رفتہ وہ لفظ فرشتہ کا نام متصور ہونے لگا۔آپ کے لئے ہی مضر ہے کیونکہ جب بقول آپ کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فرشتہ کوئی جداگانہ وجود ہی نہیں رکھتا تو پھر ان اہل کتاب یہود نے کس شے کا نام فرشتہ رکھا تھا۔ چہارم اگر بالفرض اس صفت کو فرشتے کا نام مقرر کرلیا تھا تو اس سے فرشتے کے وجود جداگانہ کی نفی کیونکر سمجھی گئی؟ غایۃ الامر یہ بات کہ وہ نام منقول ہوگا کسائر الاسماء المنقولۃ مثلاً ریل کسی شخص کا نام رکھا جاوے تو یہ نہ لازم آئے گا کہ سوا اس کے ریل گاڑی کا وجود نہ ہو۔'' ۵۲

(۲)''پس جب قرآن مجید میں لفظ ملائکہ کا انہیں معنی میں استعمال ہوا کہ جن معنی میں یہودی استعمال کرتے تھے تو الحمدللہ آپ ہی کے اقرار سے فرشتوں کا وجود جداگانہ قرآن سے ثابت ہوگیا کیونکہ بقول آپ کے یہودی فرشتوں کا جداگانہ وجود اہل اسلام کے عقیدہ کے موافق سمجھتے تھے اب آپکا اس معنی سے انکار کرنا ہے۔ قرآن کا انکار کرنا ہے ہمارے لئے تو اسی قدر کافی ہے کہ قرآن میں لفظ ملائکہ انہیں معنی پر وارد ہے کہ جس کو اہل اسلام اور یہود مسلم رکھتے ہیں اب یہ آپ کو اختیار ہے آپ قرآن کو صحیح مانیں یا یہود کی تقلید کریں۔'' ۵۳

(۳)۔''یہ خیال اہل اسلام کا صحیح اور قرآن کے مطابق ہے بلکہ جو قرآن پر یقین رکھتا ہے اس کے لیے اس خیال کا پابند ہونا ضروری ہے جیسا کہ آپ بھی ابھی فرما چکے ہیں۔ مگر آپ کو کیا دشواری پیش آئی جو آپ زمرۂ اہل اسلام سے خارج ہوگئے اور قرآن کا انکار کر بیٹھے۔'' ۵۴

(۴)۔''وہ دلائل عقلیہ جو ہم نے بیان کیے اور الٰہیات میں حکماء نے بیان کئے آپ کو کیوں نہ معلوم ہوں گے اور قرآن مجید کی آیات سے یہ باتیں ہم ابھی ثابت کر چکے ہیں پس آپکا یہ دعوی کرنا اہل قرآن کے روبرو قہقہہ اڑانا ہے ذرا ان آیات کو تو دیکھیے کہ جن میں پر اور مجسم ہو کے نظر آنا وغیرہ وغیرہ اوصاف مذکور ہیں پھر آپ کس دلیری سے انکار کرتے ہیں؟ ذرا شرم بھی چاہیے۔'' ۵۵

(۵)۔''یہ دوسری دلیل نفی وجود ملائکہ پر آپ نے قائم کی ہے۔ خلاصہ یہ کہ لفظ فرشتہ مشترک ہے آیا ملک یا فرشتہ یا کوئی اور یہ ظاہر ہے کہ تورات اور انجیل کی اصلی زبان عبرانی ہے۔ جو فارسی اور عربی سے غیر ہے اور ملک لفظ عربی اور فرشتہ فارسی ہے میں حیران ہوں کہ عبرانی میں ان دونوں میں سے کونسا لفظ مشترک قرار دیا گیا ہے؟ اگر لفظ فرشتہ تو کچھ پروا نہیں ہم کو اس لفظ سے بحث نہیں اگر کہو لفظ ملک تو یہ علم نہیں کہ عبرانی میں یہ لفظ انہیں معنی میں مستعمل ہے معلوم ہوا کہ مسمی ملک کے ساتھ عبرانی یا کسی اور زبان میں ہوا یا دباء کو تشبیہ دی ہوگی۔ اور استعارہ بالکنایہ مراد رکھا ہوگا جس طرح کہ قرآن مجید میں حضرت یوسف کو ان ھذا الاملک کریم (یوسف:۳۱) کہا ہے لیکن اس سے نفی ملائکہ نہ سمجھی گئی بلکہ اس سے تو ان کا وجود جداگانہ پایا گیا ورنہ تشبیہ ٹھیک نہ رہتی۔'' ۵۶

۵۔''آپ کی تیسری دلیل نفی ملائکہ پر ہے۔ یہ غلط ہے چند وجہ سے اول تو آپ کا یہ کہنا (کہ قدیم عرب لفظ ملائکہ کو ان معنی پر کہ جس کے اہل ادیان قائل ہیں استعمال نہیں کرتے) صریح غلط ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ " وجعلوا الملئکۃ الذین ھم عباد الرحمٰن اناثا "(الزخرف:۱۹) اس سے صاف ظاہر ہے کہ مشرکین ان ملائکہ کو کہ جن کی مدح خدا عباد الرحمٰن کے ساتھ کرتا ہے خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔ اب وہ عباد الرحمٰن وہی اشخاص تو ہیں کہ جن کو اہل ادیان ملائکہ کہتے ہیں اور اگر یہ نہیں تو وہ اور کیا چیز ہیں کہ جس کو وہ بنات الرحمٰن یا اناث الرحمٰن کہتے تھے۔'' ۵۷

۶۔''یہ آپ کی چوتھی دلیل ہے مگر یہاں سب سے زیادہ غلطیاں ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(اول) یہ کہ آپ نے اپنے پہلے دعویٰ کو ترک کر دیا پیشتر آپ قائل ہوئے تھے کہ ملائکہ سے مراد خدا تعالیٰ کی صفات ہیں یہاں آپ اس سے اعراض کر گئے اور ملائکہ کو قویٰ مدبرہ عالم کہنے لگے اور ایک جگہ بلکہ اس سے اگلے صفحہ میں جبرائیل کو ملکہ نبوت کہہ دیا جس سے یہ لازم آیا کہ جبرئیل نبی کی ایک صفت قائم بالخیر کا نام ہے اب آپ ہم سے بیان فرمایئے کہ ان تینوں باتوں میں سے کون سی صحیح ہے؟ اگر کوئی کہے کچھ بات نہیں تینوں سے ایک ہی مراد ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تینوں معنی (۱) ملکہ نبوت (۲) صفات خدا تعالیٰ (۳) قویٰ مدبر عالم۔ آپس میں غیر اور مخالف ہیں ملکہ نبوت جس کو آپ جبرئیل کہتے ہیں۔ نبی کی صفت ہے اور یہ ظاہر ہے کہ خدا کی صفات جو قدیم اور عین ذات ہیں بندہ کے سب صفات سے جو حادث اور غیر ذات ہیں بالکل غیر ہیں اور اسی طرح قویٰ مدبرات عالم جو نباتات، جمادات، حیوانات وغیرہ میں پائے جاتے ہیں۔ ان دونوں سے غیر ہیں اس پریشان بیانی کا کیا ٹھکانہ ہے۔'' ۵۸

''(دوم) آپ کا کبری دلیل مسلم نہیں اعنی یہ مسلم کہ مدبرات سے مراد ملائکہ ہیں لیکن یہ بات کہ مدبرات قویٰ ہیں غیر مسلم اس کا کچھ ثبوت آپ نے نہیں دیا بلکہ اصل بات یہی ہے کہ مدبرات عالم وہی ملائکہ ہیں جو عالم کے لیے ایسے ہیں کہ جس طرح جسم کے لیے روح مدبر ہے۔ (سوم) اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جاوے کہ اس جگہ ملائکہ کا اطلاق قوی مدبرات عالم پر ہوا ہے تو اس سے یہ نہیں لازم آتا کہ یہ لفظ حقیقی طور پر بولا گیا ہے بلکہ جائز ہے کہ استعارۃً اطلاق ہوا ہو اور اگر یہ بھی تسلیم کیا جاوے کہ حقیقتاً اطلاق ہوا ہے تو غایۃ الامر یہ لفظ ملائکہ مشترک سمجھا جاوے گا۔ جیسا کہ لفظ عین کہ جس کے معنی آفتاب اور آنکھ اور ذات الشئی اور گھٹنا ہیں ایک معنی میں ایک جگہ استعمال ہونے سے یہ نہیں لازم آتا کہ پھر اس کے دوسرے مسمی کا وجود ہی نہ مانا جاوے کیا کوئی شخص عین جاریہ میں چشمہ کے معنی لے کر یہ کہہ سکتا ہے کہ آنکھ اور آفتاب اور گھٹنے کا وجود ہی نہیں؟ حاشا وکلا'' ۵۹

۷۔ ''یہ تمام گفتگو آپ کی ایک شاعرانہ تک بندی ہے نہ کوئی مسلمان ان کو بلور کی مانند نہ ہیرے کی مانند سمجھتا ہے ہاں آپ نے ابتداء عمر میں سمجھا ہو تو سمجھا ہو۔'' ۶۰

۸۔ ''اب یہ اعتراض آپکا خدا پاک پر ہے کہ جس نے ان کو اولی اجنحۃ مثنی وثلث وربع بتایا ہے۔'' ۶۱

۹۔ ''البتہ بعض فلاسفہ بے دین اس بات کے قائل ہوئے ہیں جیسا کہ اس کا ذکر آتا ہے لیکن اہل اسلام بلکہ اہل کتاب میں سے یہ کسی کا عقیدہ نہیں اسلامیوں میں سے ان کی تقلید اول آپ ہی نے کی ہے۔'' ۶۲

۱۰۔ ''یہ قول آپ کا دو گواہوں سے رد ہے۔ (اول) تو قرآن مجید کی وہ بے شمار آیات کہ جن کو ہم نے صدر فصل میں نقل کیا مسلمانوں کے عقائد پر بعبارۃ النص دال ہیں۔ (دوم) آپ خود فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں ملائکہ کا استعمال اسی طرح ہوا ہے کہ جس طرح یہودی خیال کرتے تھے اور ہمارے ہاں کے علماء نے یہودیوں کی تقلید کی اب معلوم نہیں کہ آپ کے دونوں قولوں میں سے کونسا قول غلط ہے۔'' ۶۳

۱۱۔ ''یہاں اور معنی آپ نے بیان فرمائے ظہور قدرت اور قدرت میں بڑا فرق ہے ظہور قدرت کو صفات باری نہیں کہتے آپ کے نزدیک ملائکہ صفات باری تعالیٰ نہیں پھر صفات کہنا اجتماع النقیضین ہے آپ نے زور لگا کر قرآن سے یہ آیت نفی وجود ملائکہ کے لئے نکالی تھی الٹی وہی دلیل آپ کے برخلاف نکلی۔

دل و دیدہ اپنے جو یار تھے ہمیں بحر غم میں ڈبا گئے
ہمیں جن سے چشم امید تھی وہی آنکھ ہم سے چرا گئے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آپ صوفیہ علیہ الرحمتہ کے کلام سے مدعا ثابت کیجیے کیونکہ ان کے کلام میں تاویل کو بڑی گنجائش ہوتی ہے۔'' ۶۴

تصور جبرائیلؑ

صاحب تفسیر حقانی مقدمہ تفسیر حقانی میں سرسید کے تصور جبرائیل پر تنقید کرتے ہوئے جمہور مسلمانوں کا تصور جبرائیل پیش کرتے ہیں اس ضمن میں وہ تحقیقی وتنقیدی انداز اختیار کرتے ہیں۔اور سرسید کے اس نظریہ کو بدلائل رد کرتے ہیں۔مقدمہ تفسیر حقانی کے اقتباسات درج ذیل ہیں۔

۱۔''اس سہو ونسیان کا کیا ٹھکانا ہے ابھی ابھی تو آپ فرما چکے ہیں۔کہ اس کا ثبوت نہیں کہ کسی نبی نے ان کو بتایا تھا کہ یہ فرشتوں کے نام ہیں آپ کو لازم تھا کہ اس پیرانہ سالی میں کہ انسان کے حواس بجا نہیں رہتے اس بڑی بھاری بات کا بیڑا نہ اٹھاتے کہ تیرہ سو برس کے بعد میں ہی تو ایک ہوں کہ قرآن کے اصلی معنی سمجھا ہوں اور سب اگلے پچھلے غیر محقق تھے۔'' ۶۵

۲۔''مسلمان بیچاروں نے کیا خود خدا نے یہ فرمایا ہے کہ جبرئیل وحی لاتے ہیں کما قال اللہ تعالیٰ علمہ شدید القوی (النجم:۵) وقال نزل بہ الروح الامین (الشعراء:۱۹۳) پھر یہ تقلید یہود کی بدگمانی آپ خدائے پاک پر کریں آپ کو اختیار ہے مگر اس قدر عرض باقی ہے کہ جب قرآن مجید بلکہ اس کا منزل آپ کے نزدیک ایسا لچر ٹھہرا کہ جس نے ایک غلط امر میں یہودیوں کی تقلید کی پھر اس کی تفسیر لکھنا اور اس کو کلام الٰہی لکھنا اور بے دیکھے خدا کا قائل ہونا محض بے فائدہ ہے۔'' ۶۶

۳۔''اس بے اصل گفتگو کا ابھی غلط ہونا ثابت ہو چکا ہے مگر بڑی خیر گزری کہ آپ نے جس طرح فرشتوں کے وجود کا انکار (انکا حکایتاً نام آنے کی وجہ سے) کر دیا خدا کا نہ کر دیا۔اگر پدرنتواند پسر تمام کند، کچھ عجب نہیں کہ آپ کی ذریت میں سے کوئی کوٹ پتلون پوش جنٹل مین خدا کا نام بھی یہاں حکایتاً بیان کر کے اس کے وجود حقیقی کی نفی کر دے اور شاید اس وقت اس کے وجود حقیقی کی نفی یوں نہ کی گئی کہ اگر خدا نہیں تو اس کے رسول کہاں؟ اور جب رسالت کوئی چیز نہیں تب اس تدبیر سے کہ رسول سے معجزات تو ممکن ہی نہیں پھر ہر شخص پکا دنیادار، شراب نوش، چرب زبان کہ جس میں لوہار بڑھئی کے کام کی مانند ملکہ چرب زبانی (یعنی رفامری) ہو پیغمبر ہو جاوے اور اپنی امت جدا بنا دے کہ جس پیغمبر کا مصداق بقول سید احمد خان صاحب بابو کٹیب چند اور دیانند سرستی اور خود سید صاحب ہیں (اور من بعد ان کے اور بھی ان کے جانشین ہوں گے) ممکن نہ ہوگا۔'' ۶۷

۴۔''یہ آپکی پانچویں دلیل ہے قیاس استثنائی سے آپ نے یہاں کام لیا واہ کیا کہنے ہیں۔استدلال اسی کا نام ہے حاصل یہ ہوا کہ تعمیم کے بعد تخصیص کرنا ملزوم اور اعادۂ خیال یہود لازم مقدم پایا گیا تالی بھی پائی گئی مگر یہ تو فرمایئے کہ یہاں کونسا ملازمہ ہے؟ عقلیہ یا عادیہ؟ یا کوئی جدید ملازمہ ہے۔اب جناب ہزار ہا بار آپ نے بھی اپنے کلام میں عام لوگوں کو ذکر کر کے پھر تخصیص کی ہوگی پھر کیا آپ نے بھی یہود کے خیال کا اعادہ کیا تھا؟ اب ذرا گوش ہوش سے سنیے۔عام کے بعد خاص لوگوں کا ذکر کرنا ان کے شرف اور فضلیت کے لیے فصحاء کے کلام میں اکثر وارد ہوتا ہے۔ وہاں یہود کا خیال بھی نہیں ہوتا اعادۂ خیال چہ معنی دارد؟ مگر آپ کے دل میں یہود ایسے بسے ہیں کہ جدھر دیکھیے یہود ہی دکھائی دیتے ہیں قرآن مجید میں جس قدر انبیاء علیہم السلام کے معجزات اور غیر مرئی چیزوں کا ذکر جبرئیل ومیکائیل،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ملائکہ اور شیطان اور جن اور جنت و دوزخ کی کیفیت، ثواب و عذاب بلکہ آسمان اور وجود آدمؑ جو کچھ مذکور ہے آپ کے زعم میں یہود کے خیالات کا اعادہ ہے اور اسی طرح جو کچھ قرآن کی تفاسیر میں مذکور ہے وہ بقول منشی چراغ علی صاحب یہود کے بے اصل قصے ہیں العیاذ باللہ گویا قرآن اور اسکی تفاسیر لغو اور بے اصل قصوں کی پوٹ ہیں سچے ایماندار کی شان سے ایسے خیالات فاسدہ نہایت بعید ہیں۔'' ۶۸

(۵) ''یہ پس تو آپ کا جب صحیح ہوتا کہ پیشتر کچھ ثابت کر چکتے ورنہ اس پس سے جبرئیل و میکائیل جملہ ملائکہ کے وجود کی نفی نہیں ثابت ہوتی ہاں آپ کا منکر ملائکہ و منکر جبرئیل و میکائیل ہونا ثابت ہو گیا۔'' ۶۹

(۶)۔ ''وہ کون سی وجوہات ہیں ذرا بیان تو کیجیے ورنہ آپ ہی پس پس کرنے سے کچھ حاصل نہیں۔'' ۷۰

(۷)۔ ''یہ آپکی چھٹی دلیل ہے یہ سب سے زیادہ غلط ہے (اول) یہ کہ قرآن میں علاوہ ان کے اور فرشتوں کے نام بھی ہیں جیسا کہ زبانیہ اور ملک (دوم) قرآن میں اگر ملائکہ کے نام کی فہرست ہوتی تو آپ کا یہ اعتراض کہ اس فہرست میں دو کے سوا اور کا کیوں نام نہیں کچھ وقعت رکھتا بلکہ یہ چند اسماء بھی اس وجہ سے مذکور ہوئے کہ ان کے ذکر کا موقع آ گیا تھا یا یہ کہ لوگوں میں متعارف اور مشہور تھے اور اگر کل ملائکہ کا نام ذکر کرتے تو علاوہ اس بات کے کہ قرآن کی صدہا جلدیں ہو جاتیں اور قرآن سے جو ہدایتِ خلق مقصود اصلی ہے فوت ہو جاتا لوگوں کو نئے نئے نام سن کر عجیب وحشت ہوتی۔ (سوم) کسی چیز کے نام مذکور نہ ہونے سے اس کے وجود کی نفی لازم نہیں آتی فوجی دفتر میں آپ کا نام مرقوم نہیں کیا اس سے آپ کے وجود میں کچھ خلل آ گیا؟'' ۷۱

(۸)۔ ''(چہارم) اگر آپ کا نتیجہ اور تعجب بھی صحیح تسلیم کیا جاوے تو یہ لازم آوے کہ جبرئیل و میکائیل یہودی لوگوں کی زبان کے نام ہیں (یعنی عبرانی کے) لیکن یہ نہیں لازم آتا کہ ان اسماء کے مسمیات کا وجود اصلی یہود کے نام رکھنے سے پیشتر نہ تھا بلکہ یہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ قدیم چیزوں کے نام ہر زمانے اور ہر قوم میں بدلتے رہتے ہیں دیکھئے پرانے شہروں اور پہاڑوں کے نام کس طرح بدلتے جاتے ہیں۔ (دہلی کا نام قدیم اندر پت تھا پھر دہلی ہوا پھر شاہ جہاں آباد مشہور رہا۔ اسی طرح الہ آباد کو پہلے زمانہ میں پراگ اور بنارس کو کاشی کہتے تھے اور اسی طرح آگ اور پانی وغیرہ عناصر کے ہر زبان میں جدا جدا نام ہیں) پس اسی طرح ممکن ہے کہ جملہ ملائکہ اور جبرائیل و میکائیل کا ملاء اعلیٰ میں کچھ اور نام ہو اور یہود سے پہلے آدم اور ابراہیم اور نوح کے زمانے میں کچھ اور ہو لیکن عیسیٰؑ اور موسیٰؑ اور ہمارے نبیؐ کے عہد میں یہی جبرئیل و میکائیل شہرت پایا گیا ہو پھر اس سے یہ نہیں لازم آتا کہ یہود سے پیشتر انکا وجود ہی نہ تھا۔'' ۷۲

تصور شیطان

مولانا حقانی سرسید کے تصور شیطان پر تحقیقی و تنقیدی تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''ان احادیث سے بھی کسی طرح نفی نہیں پائی جاتی علاوہ پہلے جواب کے یہاں ایک اور بات زائد ملاحظہ فرمایئے کیا ان احادیث و آیات و کلام قیصری کا دوسرا مجمل صحیح نہیں نکل سکتا کیا ان سے مراد قوت وہمیہ نہیں ہو سکتی؟ یا قوت بہیمہ کو شیطان اور ابلیس اور ہر شخص کی قوت بہیمہ کو ذریات ابلیس استعارہ کے طور پر نہیں کہہ سکتے؟ کیا اس استعارہ کے لئے وصف جامع اضلال و اغواء نہیں پایا جاتا یا قرینہ صارفہ آیات مذکورۂ بالا نہیں ہو سکتیں؟ اگر اس علاقہ تشبیہ سے قوت بہیمہ کو شیطان کہنے سے آپ حقیقی شیطان یعنی شخص معہود سمجھ بیٹھے تو آپ کو لازم ہے کہ ہم جب زید کو شیر کہیں تو آپ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حقیقی شیر کے وجود کی نفی کریں اور زید ہی کو حقیقی شیر قرار دیویں۔ تمام محققین سے آپ کی مراد حقہ پینے والے ہوں گے ورنہ اہل تحقیق تو کیا ذرا سی عقل والے بھی ایسی بے اصل بات نہ کہیں گے پھر ایسی ہی بے بنیاد بات پر یہ غل تھا کہ تہذیب الاخلاق کے پرچے کے پرچے اس بارہ میں سیاہ کر دیئے اور تفسیر القرآن کو انہیں مضامین سے بھر دیا۔ جناب عالی یہ تو آپ کا پرانا خیال راسخ ہے آپ اس غلطی سے کا ہے کو باز آئیں گے۔'' ۳ے

''ان کے اس خیال کے غلط کرنے کے لئے تو یہی آیات کافی ہیں۔ خلق الجآن من مارج من نار (الرحمٰن:۱۵) کیونکہ قوت بہیمیہ آدمی کی ایک صفت ہے اس کا سجدہ سے انکار کرنا اور مادہ آتشی سے پیدا ہونا اور اس کا جن کی قوم سے ہونا اور اس کا اور اس کی ذریت کا بنی آدم کو دیکھنا پھر اس کا سوال و جواب کرنا اور اپنے آپ کو آدم سے بہتر بتلانا اور وجہ امتیاز کی یہ بیان کرنا کہ میرا مادہ آتش اور آدمؑ کا مادہ خاک ہے اور پھر اس کا جنت سے نکالا جانا اور اپنے لئے دعا کرنا کہ مجھکو حشر تک زندہ رکھ کہ آدمؑ کی اولاد کو بہکا کر اپنا دل ٹھنڈا کروں اور پھر خدا تعالیٰ کا اس کو اور اس کے متبعین کو جہنم میں ڈالنا قوت بہیمیہ پر ہرگز صادق نہیں آتا اور کوئی تاویل ہو نہیں سکتی۔ ہاں اگر ہنود کے طرز کو اختیار کر لے اور جس طرح وہ برہما بشن مہادیو کو خدا تعالیٰ کی تین صفات کہتے ہیں اور پھر ان کو مجسم ہو کر جدا گانہ متمیز بالذات اور کھاتا پیتا، جماع کرتا بھی مانتے ہیں اور اس سے بڑھ کر یہ کہ گنگا جمنا کو عورت بھی کہتے ہیں اور دیبی بتلاتے ہیں پھر دریا بھی سمجھتے ہیں یا عیسائی طور کو پسند کر لے کہ باپ خدا، بیٹا خدا، روح القدس خدا پھر ایک خدا، الغرض جو ایسے ایسے محالات عقلیہ کا قائل ہو جائے تو پھر اس سے ہمارا کلام نہیں وہ جو دل چاہے سو کہے۔'' ۴ے

ازانجملہ یہ آیت ہے قال فاھبط منھا فمایکون لک ان تتکبر فیھا فاخرج انک من الصاغرین۔ (الاعراف:۱۳) یعنی اتر جنت سے تجھ کو یہاں رہ کر تکبر کرنا شایان نہیں، نکل یہاں سے اور ذلیل و خوار۔ ازاں جملہ یہ ہے قال انظرنی الی یوم یبعثون (الاعراف:۱۴) شیطان نے عرض کیا کہ الٰہی مجھ کو قیامت تک زندہ رکھ۔ جواب آیا کہ جا تجھ کو ایک وقت معین تک مہلت ہے قال فبما اغویتنی لاقعدن لھم صراطک المستقیم (الاعراف:۱۶) یعنی شیطان نے کہا کہ تو نے مجھ کو گمراہ تو کیا ہی ہے۔ میں بھی آدمؑ کی اولاد کو تیری سیدھی راہ سے بہکاؤں گا۔ ازانجملہ یہ ہے لاملئن جھنم منکم اجمعین (الاعراف:۱۸) کہ میں بھی تجھ سے اور تیرے سب پیروؤں سے جہنم ہی بھر دوں گا۔

''سید صاحب! فرمایئے اگر شیطان آدمؑ کی قوت بہیمیہ تھی تو وہ آدمؑ کا وصف تھا پھر اس نے کیا سمجھ کر کہہ دیا کہ میرا مادہ آتش ہے؟ اچھا اس نے کہا تھا خدائے پاک نے کیوں اس کو جن کہا اور مادۂ آتشی اس کی اصل قرار دیا؟ پھر آپ فرماتے ہیں کہ فرشتوں کا آدمؑ کو سجدہ کرنا اور شیطان کا نہ کرنا ایک معمہ ہے کہ جس کے یہ معنی کہ قوئی ملکیہ نے آدم کی اطاعت کی اور بہیمیہ نے نہ کی۔ اے جناب یہ اجتماع الضدین نہیں تو اور کیا ہے کیونکہ جب آپ نے ملائکہ سے مراد قوئی ملکیہ لی اور ان کو آدم کیلئے مسخر بنایا تو اب آدمؑ کی قوت بہیمیہ کیا سرکشی کر سکتی ہے؟ اور اگر قوت بہیمیہ نے سرکشی کی کہ جس کو آپ شیطان کہتے ہیں۔ (حالانکہ خلاف ہے اس آیت کے ان عبادی لیس لک علیھم سلطن (الحجر:۴۲) کیونکہ اس آیت کے حسب قرارداد آپ کے یہ معنی ہوئے کہ خدا تعالیٰ کے بندوں پر قوت بہیمیہ غالب نہیں آتی) تو پھر قوت ملکیہ کی اطاعت چہ معنی دارد؟

خرابی میں پڑا ہے سہنے والا جیب و داماں کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جو یہ ٹانکا تو وہ ادھڑا جو وہ ادھڑا تو یہ ٹانکا

پھر وہ قوت بہیمیہ جہنم میں کیونکر جائے گی۔اور وہ جنت سے کیونکر نکالی گئی؟ الغرض قافیہ تنگ ہے۔'' ۵؎

تصور جنات

مولانا حقانی کا اجنہ کے بارے نظریہ سرسید کے نظریہ سے مختلف ہے۔وہ مقدمہ تفسیر حقانی میں تحریر کرتے ہیں۔

(۱)۔''جن کے لغت میں معنی پوشیدہ کے ہیں اور جس لفظ میں یہ مادہ جیم ونون جمع ہوگا اس میں پوشیدگی واستتار ملحوظ ہوگا اسی طرح لفظ جن اس مخلوق الٰہی پر بولا جاتا ہے کہ جو (بسبب لطافت مادہ کے) حس بصر سے پوشیدہ رہتی ہے۔ قرآن مجید میں اس قسم کی مخلوق پر کئی جگہ یہ لفظ بولا گیا ہے قال تعالیٰ و خلق الجآن من مارج من نار (الرحمٰن:۱۵) کہ ہم نے جن کو آگ کے شعلہ سے پیدا کیا اور اسی طرح اور کئی جگہ یہ لفظ آیا پس جن وہ مخلوق الٰہی ہے کہ جس کا مادہ غالب آگ یا ہوا ہو اور چونکہ آگ ہوا سے بھی زیادہ لطیف ہے اس لئے وہ نظر نہیں آتی اور جو چیزیں اس سے مرکب ہوتی ہیں وہ بھی محسوس نہیں ہوتیں۔'' ۶؎

(۲)۔''پس اب جو کوئی محض لغوی جن پر (کہ جو پوشیدہ ہوتا ہے) خیال کر کے جن کی نوع کا انکار کرے اور کسی پہاڑی قوم جنگل پاش کو جو لوگوں سے پوشیدہ رہتی ہوگی۔(بقول منشی چراغ علی صاحب) نوع جن کا مصداق بنادے تو وہ ان آیات کا صریح منکر ہے کیونکہ اگر ہم کوئی ایسی قوم بھی غرض کر لیویں جو بقول منشی صاحب وسید صاحب لوگوں سے پوشیدہ رہتی تھی تو عرب کا اسکی عبادت کرنا اور اس سے عقلا کا دہائی دے کر مدد مانگنا اور پھر اس قوم کا اڑ کر آسمانوں تک جانا اور ان کا برخلاف انسان کے مادۂ آتشی سے پیدا ہونا کما قال تعالیٰ و خلق الجان من مارج من نار (الرحمٰن:۱۵) اور قرآن میں اس قوم سے ہر جگہ انسانوں کے مقابلہ میں خطاب کرنا کما قال من الجنة والناس (الناس:۶) وقال تعالیٰ یا معشر الجن والانس (الرحمٰن:۳۳) اور ان کے لئے کوئلہ اور ہڈی کا غذا ہونا انسان کی کسی قوم پر صادق نہیں آسکتا۔'' ۷؎

مفسر حقانی سورۃ الرحمٰن کی آیت'' و خلق الجان من مارج من نار ''(الرحمٰن:۱۵) کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

(۳)''اور جان یعنی جنوں کے جد اعلیٰ کو آگ کے شعلہ سے بنایا۔ مارج آگ کا شعلہ جس میں دھواں نہ ہو۔جس طرح انسان عناصر سے بنا ہے جن بھی عناصر سے بنا ہے مگر جس طرح انسان کا زیادہ مادہ خاک ہے اسی طرح جن کا آتش۔جس لیے وہ لطافت کی وجہ سے حس بصر سے محسوس نہیں ہوتا اور سریع الحرکات وخفیف ہوتا ہے پھر ان کے بہت سے اقسام ہیں جیسا کہ ہم مقدمہ تفسیر میں بیان کر آئے ہیں وہ قرآن مجید کی تاویل کر کے وجود جن کے منکر کہاں ہیں جو بتقلید فلاسفہ حال جن کا انکار کرتے ہیں اور اس کو بھی انسانوں کی ایک جنگلی قوم بلحاظ جن قرار دیتے ہیں وہ یہاں کیا کریں گے یہاں تو انسان کے مقابلہ میں دوسری قوم بیان ہوئی اور ان کا مادہ بھی بیان فرمادیا۔'' ۸؎

مولانا عبدالحق حقانی قانون فطرت اور عقل کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

''قانون قدرت کا بھی ایک وسیع المعنی مسئلہ ہے اول تو قدرت الٰہی کا کوئی مرتب قانون کسی کے پاس نہیں اپنی عمر بھر کے تجربے یا تاریخی دنیا کے تجربے کے جس کو برخلاف پاتے ہیں اس کو قانون قدرت کے خلاف کہہ بیٹھتے ہیں گویا قدرت غیر محدود ان کے تجربے میں بند ہے اور اس کا یہی قانون ہے کیا ممکن نہیں کہ بعض اشیاء خصوصاً ستاروں کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

طلوع وغروب ہزاروں برسوں کے بعد ہو پھر نہ ہزاروں برس کی کسی کی عمر ہے نہ ہزاروں برس کی کوئی تاریخ ہے کہ وہ جملہ واقعات دہر کا دفتر ہو اب اس کو جو نئی بات معلوم ہو گی یا اسباب عادیہ پر مبنی نہ ہو گی اس کو خلاف قانون قدرت کہنے میں ذرا دریغ نہ ہو گا اسباب عادیہ ہی پر اسباب کے سلسلہ کو تمام کر دینا یہ بھی کم فہمی ہے (دوم) اگر بغور دیکھا جائے تو جن کو کہ اسباب کہا جاتا ہے ان کا اسباب حقیقی ہونا بھی محض اس لئے مانا گیا ہے کہ اکثر سبب اس پر مرتب ہوتا ہے انسان کا تنگ دماغ قدرت غیر متناہی کا اگر کسی قانون میں منحصر کرے تو ایسا محدود القدرت خدا کیا خدا ہے۔"۹ے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فصل پنجم

قرآن مجید کی خودساختہ تاویلات

تحقیق حقیقت استجابت دعا

''بے شک اصول نیچر یہ کے مطابق نہ دعا سے مطلب کے اسباب خدا تعالیٰ پیدا کرنے پر قادر ہے نہ اس کو قدرت ہے کہ وہ بندہ کو اس کے عجز وزاری سے اس کا مطلب عطا کرے کس لئے کہ سرے سے نیچر کے نزدیک خدائے قادر کا وجود ہی مسلم نہیں ورنہ اسباب پیدا کرنے سے عجز کے کیا معنی؟ اور بطور خرق عادات دعاء پر مطلب حاصل کرنے سے ناچار ہونے کی کیا وجہ؟ بلکہ ان کے نزدیک خدا تعالیٰ ایک فرضی چیز ہے کہ جس کو بالطبع اوہام عامہ ہونے کے وجود کی طرح اختراع کرتے ہیں۔ اور جس طرح لڑکوں کو ہوّے سے ڈرانے کے یہ معنی ہیں کہ اُن میں ایک کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اسی طرح دُعا کے مستجاب ہونے کے یہ معنی ہیں کہ بے وقوفوں کو کچھ تسکین سی ہو جاتی ہے العیاذ باللہ۔ مگر یہ معنی عقل سلیم اور اصول ادیان سماویہ بالخصوص قواعد اسلام کے نزدیک بالکل مردود و مسطور ہے کس لئے کہ جب ادلہء عقلیہ ونقلیہ سے عالم کے بانی کا ایک ایسا وجود تسلیم کر لیا گیا ہے جس کی نہ ابتدا ہے نہ انتہا اور وہ ہر ممکن پر قادر ہے اور ممکنات پر تصرف کرنے سے کوئی چیز اس کو نہیں روک سکتی اور دعا کے بعد اسباب کا پیدا کر دینا بلکہ مطلب کا حاصل کر دینا یہ سب کچھ اس قادر مطلق کے نزدیک ممکن ہے تو پھر اس تصرف سے کس کا ہاتھ اس کو روک سکتا ہے اور نبی کریمؐ کی بے شمار احادیث میں دعاء سے مطلب کا حاصل ہونا پایا جاتا ہے چنانچہ انہیں حضرت ترمذیؒ نے کہ جن کی روایت کو مفسر صاحب آگے چل کر لکھتے ہیں نبی کریمؐ سے روایت کیا ہے کہ حضرتؐ فرماتے ہیں ما من احدید عوا بدعاء الاما اتاہ اللہ ما سآل او کف عنہ السوء مثلہ مالم یدع باثم او قطعیۃ رحم (رواہ الترمذی:) کہ جو شخص خدا تعالیٰ سے دعا کرتا ہے خدا تعالیٰ اس کا مطلب عطا کرتا ہے یا اس کی مثل اس سے برائی دور کر دیتا ہے جب تک کہ گناہ اور قطع رحم کی دعا نہ مانگے۔'' ۸۰

''وعن ابن عمرؓ قال قال رسول اللہؐ ان الدعاء ینفع مما نزل ومما ینزل فعلیکم عباد اللہ بالدعاء (رواہ الترمذی ورواہ احمد عن معاذ بن جبل) کہ دعا ہر حال میں بہتر ہے۔ بلائے نازل شدہ میں صبر واجر دیتی ہے اور جو ہنوز نازل نہیں ہوئی ہے اس کو دفع کرتی ہے۔'' ۸۱

''وعن سلمان الفارسی قال قال رسول اللہؐ لا یرد القضاء الا الدعاء (رواہ الترمذی) کہ دعا کے سوا قضاء کو اور کوئی چیز نہیں روکتی۔'' ۸۲

''اسی طرح تمام کتب سماویہ میں پایا جاتا ہے مگر چونکہ اکثر لوگ اس فریق کے وہ ہیں کہ جن کو امور دنیا میں کامیابی ہے اس لئے وہ دعا کے اثر کو فضول جانتے ہیں اور اکثر اہل دنیا ایسا ہی جانا کرتے ہیں۔'' ۸۳

شہداء کے متعلق نظریہ

مولانا حقانی سورۃ البقرہ آیت: ۱۵۴ کی تشریح کے ضمن میں لکھتے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''مفسر نیچر نے جو اپنی تفسیر میں اس مقام پر معتزلہ کی تقلید کر کے حیات کے معنی حیات فی الدین لئے ہیں اور کبھی آئندہ زندہ ہو جانا مراد رکھا ہے سو یہ نص ان کی کم فہمی ہے۔'' ۸۴

جنگ بدر میں فرشتوں کا نزول و مدد

مولانا عبدالحق حقانی جنگ بدر میں فرشتوں کے نزول و مدد کے بارے معتزلہ اور نیچریوں کے اعتراضات کا یوں تحقیقی اور تنقیدی جواب دیتے ہیں۔

''کفار نے بارہا استدعا کی کہ فرشتہ ہی کیوں نہ خدا نے رسول بنا کر بھیجا مگر انکی استدعا قبول نہ ہوئی اور نہ ایسا کسی جگہ پہلے معاملہ گزرا ہے نہ یہ باتیں ممکن ہیں بلکہ نیچر کے برخلاف ہیں ان دلائل کا یہ جواب ہے۔(۱) گرچہ ایک فرشتہ کافی تھا بلکہ اس کی بھی کیا ضرورت صرف خدا تعالی کا کُن کہنا ہی کافی تھا مگر ہزار فرشتوں کا بھیجنا صرف اہل اسلام کی تقویت قلبی اور تقویت ایمان و اعتقاد کیلئے تھا تا کہ ان کو یہ معلوم ہو کہ خدا اپنے مخلصین کی یوں بھی مدد کر دیا کرتا ہے جیسا کہ خود فرماتا ہے وما جعلہ اللّٰہ الا بشریٰ لکم و لتطمئن قلوبکم بہ. (آل عمران:۱۲۵) اور یہ لفظ جَعَلَ جو ماضی ہے اپنے حقیقی معنی کے اعتبار سے اس امر کے وقوع پر دلالت کر رہا ہے۔'' ۸۵

''ملائکہ گرچہ اجسام لطیفہ ہیں مگر جب چاہتے ہیں اجسام کثیفہ میں یعنی انسان کی صورت میں ظاہر ہو سکتے ہیں چنانچہ بدر میں ایسا ہوا بے شک وہ لوگوں کو نظر آنے سے یہ بات کہ سب کو یکساں کیوں نظر نہ آئے کچھ بات نہیں دیکھئے بائبل میں سیکڑوں جانب فرشتہ ایک شخص خاص کو نظر آیا اوروں کو نہیں دکھائی دیا اور اس کا سرّ ہم مقدمہ کتاب میں بیان کر آئے ہیں دلائل نقلیہ کا جواب یہ ہے یہ کہنا (کہ فرشتوں کا بھیجنا ثابت نہیں بلکہ صرف وعدہ یا تسلی ہے) بڑے تعجب کی بات ہے کیونکہ (اول) تو سورۂ انفال میں صاف تصریح ہے فاستجاب لکم (الانفال:۹) کہ خدا نے ایسا کر دیا پھر اس سے بڑھ کر اور کیا تصریح ہوگی؟'' ۸۶

''کفار کی استدعا پر ملائکہ بھیجنے کی وجہ خود قرآن مجید میں مذکور ہے وہ یہ کہ اگر ہم بجائے رسولوں کے تمہارے پاس فرشتہ بھیجتے تو ضرور وہ انسان کی شکل میں ظاہر ہو کر آتے پھر جن کو رسولوں پر یہ شبہ ہے انکی نسبت بھی وہی شبہ باقی رہتا کہ کیا معلوم یہ فرشتہ ہے یا آدمی ہے یا کوئی جن و شیطان ہے علاوہ اس کے اس بات میں اور اس بات میں کوئی ملازمہ نہیں کہ جو اس سے اسکی نفی ثابت کی جائے۔اور یہ کہنا کہ پہلے کبھی فرشتوں سے کام لینا ثابت نہیں سخت بے باکی ہے دیکھئے تورات سفر پیدائش کے انیسویں باب میں صاف صریح ہے کہ سدوم اور عمورہ جہاں کہ لوط علیہ السلام رہتے تھے فرشتے آدمیوں کی شکل میں آئے اور جب وہاں کے اغلامی لوگوں نے لوط پر حملہ کرنا چاہا تو ان فرشتوں نے لوط کو دروازے کے اندر کھینچ لیا اور صبح کو ان بستیوں پر آگ اور گندھک برسایا اور انکو نیست کر دیا اسی طرح تورات و انجیل و دیگر صحف انبیاء سے بھی یہ بات ثابت ہے کہ فرشتے مخلصین کی اعانت اور خدا کے دشمنوں کی سرکوبی کے لئے آئے'' ۸۷

رمی تراب کی تاویل

مولانا عبدالحق حقانی سورۃ انفال آیت (۱۷) کے ضمن میں سرسید کی تاویل کی نفی کرتے ہوئے اپنا نقطۂ نظر بیان کرتے ہیں۔

''مجاہد کہتے ہیں کہ اس کے نزول کا سبب یہ ہوا کہ بدر کے بعد بعض کہتے تھے کہ میں نے یوں کیا، کوئی کہتا تھا کہ میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نے بہادری کی تھی اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ یہ سب کچھ اس کے فضل سے ہوا بلکہ نبیؐ نے بھی جو بوقتِ مقابلہ ایک ریتے اور کنکریوں کی مٹھی پھینکی تھی کہ جس سے وہ سب آنکھیں ملتے رہ گئے جس سے مسلمانوں نے ان کا کام تمام کیا یہ بھی ہمارے یدقدرت کا کام تھا اس جملہ سے ہمیشہ کیلئے عُجب اور انانیت کا خاتمہ کر دیا۔'' ۸۸

عقیدۂ ناسخ ومنسوخ

مولانا عبدالحق حقانی تحقیقی انداز اختیار کرتے ہوئے عقیدۂ ناسخ ومنسوخ پر یوں بحث کرتے ہیں۔

''نسخ لغت میں ایک شے کے مٹانے پر یا نقل وتحویل پر (عندالقفال) اطلاق ہوتا ہے بولتے ہیں نسخت الریح آثار القوم کہ ہوا نے لوگوں کے پاؤں کے نشان مٹا دیئے اور اسی طرح بولتے ہیں نسخ الکتاب الی کتاب آخر کہ ایک جگہ سے کتاب کو دوسری طرف نقل کیا اور اصطلاح علماء میں نسخ ایک ایسے حکم شرعی کا قائم کرنا ہے کہ جس کے بعد اس سے پیشتر کا حکم شرعی جو موقت تھا اٹھ جائے اول حکم کو منسوخ دوسرے کو ناسخ کہتے ہیں۔ یہود اور عیسائی نسخ کے مطلقاً منکر ہیں اور یہ انکار صرف اس لئے ہے کہ قرآن مجید کا حکم نہ ماننا پڑے اور دین اسلام پر اعتراض کی گنجائش رہے مگر انکا یہ انکار بالکل بے جا ہے۔'' ۸۹

مولانا عبدالحق حقانی اپنی تفسیر کے مقدمہ میں یوں رقمطراز ہیں۔

''محققین کے نزدیک کل پانچ آیت منسوخ ہیں.....ان آیات کے علاوہ اور کوئی آیت منسوخ نہیں بلکہ عام کی تخصیص وغیرہ قیودات کا فرق ہے جس کو نسخ نہیں کہہ سکتے اس نسخ کے کوئی یہ معنی نہ سمجھے کہ خدا تعالیٰ کو اول میں نہ معلوم ہوا بعد میں پھر سمجھا جیسا کہ پادری الزام لگاتے ہیں یہ احکام جن کو ہم منسوخ کہہ آئے ہیں موقوف تھے یعنی ان کا حکم ایک وقت تک تھا اور جب مصلحت مقتضی ہوئی تو یہ حکم دور کر دیا اور کیوں نہ ہو احکام مصلحت پر مبنی ہیں اور مصالح بدلتے رہتے ہیں اگر پادری صاحب اب بھی نہ سمجھیں گے اور پھر وہی سخن پروری کریں گے تو تورات وانا جیل میں بہت سے احکام منسوخ ہیں ہم ان کا حوالہ دیں گے۔'' ۹۰

طوفان نوح کے متعلق نقطۂ نظر

مولانا عبدالحق حقانی طوفان نوح کے متعلق اپنا تحقیقی نقطۂ نظر یوں بیان کرتے ہیں۔

''طوفان نوح کی بابت دو قول ہیں بعض کہتے ہیں کہ صرف آرمینیہ اور کردستان وغیرہ اُن ملکوں میں آیا تھا کہ جہاں وہ بت پرست قومیں آباد تھیں جن کیلئے نوحؑ بھیجے گئے تھے اور اس عہد میں زیادہ تر آباد یہی ملک تھے گویا ان پر طوفان آنا تمام جہان پر آنا ہے اکثر علماء اہل اسلام واہل کتاب تمام دنیا پر طوفان آنے کے قائل ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ پھر دنیا میں صرف حضرت نوحؑ سے نسل جاری ہوئی جسکی بابت خدا نے وعدہ کر لیا ہے کہ پھر کبھی میں دنیا کو اس طرح ہلاک نہ کروں گا (پیدائش باب ۹ ورس ۹)۔ نوحؑ کی کشتی کی بابت قرآن میں صرف اسی قدر ہے۔ اصنع الفلک باعیننا و وحینا (ہود:۳۷) جس کا یہ مطلب کہ نوحؑ نے الہام الٰہی سے ایسی کشتی بنائی کہ جس میں اس کے تینوں بیٹے اور ان کی بیویاں اور اسی ۸۰ یا کم زیادہ وہ ایماندار اور ہر جانور کا جوڑا نر اور مادہ آسکتا تھا۔ مگر توریت میں ہے کہ اس کی لمبائی ۳۰۰ ہاتھ اور چوڑائی ۵۰ ہاتھ اور اونچائی ۳۰ ہاتھ تھی اور اس کے تین درجہ اور اس میں روشن دان اور دروازے اور کھڑکیاں اور کوٹھڑیاں تھیں۔ اور اندر باہر رال لگائی گئی تھی۔ اس کو خشکی میں بنتے دیکھ کر کافر ہنستے تھے۔ کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نوح سچ مچ دیوانہ ہے۔اس پر انہوں نے فرمایا تھوڑی دیر کے بعد ہم تم پر اسی طرح ہنسیں گے۔'' ۹۱

''طوفان کی صورت یہ ہوئی تھی کہ آسمان سے بھی بے شمار مینہ برسا اور زمین سے بھی جا بجا سے چشموں کی طرح پھوٹ کر پانی ابلنے لگا۔ بڑھتے بڑھتے یہاں تک بڑھا کہ جو بلند سے بلند پہاڑ تھے ان پر بھی پندرہ ہاتھ پانی بڑھ گیا تھا۔ چالیس دن یا کم زیادہ مدت تک یہ حال رہا۔ کشتی پانیوں پر پہاڑ جیسی موجوں پر تیرتی پھرتی تھی پھر خدا نے رحمت کی آسمان کا پانی بند ہوا زمین کا پانی زمین میں پیوست ہو گیا نوح کشتی سے اتر کر ملک آرمینیہ میں ایک جگہ آرہے جہاں ایک گاؤں ارگوری نام کا تھا۔ جو ۱۸۴۰ء میں اس پہاڑ کی آتش فشانی سے غارت ہو گیا اور لال دھواں نکلا پھر میلوں تک بڑے بڑے پتھر پہاڑ سے جا کر گرتے تھے۔'' ۹۲

تاویل واقعہ اصحاب فیل

مفسر حقانی کا واقعہ اصحاب فیل کے ضمن میں تحقیقی وتنقیدی انداز درج ذیل ہے۔

''سب سے بڑی بات یہ ہے کہ قریش مکہ آنحضرت صلعم کی تکذیب کے لئے ادنیٰ ادنیٰ باتوں کی تلاش میں تھے پھر اگر یہ واقعہ غلط ہوتا تو آپ اس کو اہل مکہ کے رو برو جس شہر کا یہ واقعہ ہے اور جس واقعہ کے دیکھنے والے بھی موجود ہیں بیان کرتے؟ ہرگز نہیں اور بیان کرنے سے آپ پر کیا کیا دروغ گوئی اور ابطال نبوت کے الزام قائم ہوتے پھر جب ابوجہل اور ولید بن مغیرہ اور امیہ بن خلف جیسے معاندین نے بھی بجز تسلیم کے چارہ نہ دیکھا تو اب ان سے کوئی بڑھ کر منکر ہو گیا ہے جو انکار کرتا ہے اور انکار بھی محض بے دلیل، اور دلیل بھی ہے تو نیچر کے خلاف ہے یا ہماری سمجھ میں نہیں آتا اور پھر اس وجہ سے اس کی تاویل کرے اور چیچک نکلنا بتلا دے عقلمند کی شان سے بعید ہے'' ۹۳

''غرض اس تشبیہ سے یہ ہے کہ ان کنکریوں میں سمیت بھی ایسی تھی کہ لگتے ہی جسم میں جا بجا آبلے پڑ جاتے تھے اور ورم کر آتا تھا اور شکل بھی بدل جاتی تھی اور چورا چورا ہو جاتا تھا شاید اس بات سے ماڈل نے اس واقع کو چیچک نکلنے پر محمول کیا ہے۔ یہ اس کی غلط فہمی ہے واقعہ ٹھیک یوں ہے کہ جس طرح ہم نے بیان کیا اور جو قرآن مجید کے ظاہر الفاظ سے سمجھا جاتا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ ان کنکریوں میں جو زہر اور قہر کی بجھی ہوئیں تھیں یہ تاثیر تھی کہ جس پر پڑتی تھیں اس کے بدن پر آبلے پڑ جاتے تھے اور ورم ہو کر صورت بھی بگڑ جاتی تھی۔۔۔۔۔۔۔۔۔خوش فہم ماڈل نے اسی بات کو اصحاب فیل کی مصیبت سمجھ لیا کہ بس چیچک نکلی تھی اور پرندوں نے کنکریاں کچھ نہ پھینکی تھیں۔ چیچک نکلنے کو استعارہ کے طور پر بیان کیا ہے۔'' ۹۴

واقعہ حضرت نحمیاہ

مولانا حقانی کا واقعۂ حضرت نحمیاہ کے بارے میں نقطہ نظر درج ذیل ہے۔

''ایک بار وہ اس شہر کے پاس سے گذرے اس کی حالت اور ملک وقوم کی بربادی دیکھ کر دل بھر آیا حسرت کے طور پر کہنے لگے کہ اب خدا اس شہر کو کیونکر آباد کرے گا۔ خدا نے ان کو اپنی قدرت کاملہ کا تماشا دکھایا وہ یہ کہ حضرت یرمیا نے اپنی سواری کا گدھا زیتون کے درخت سے باندھ دیا اور انگور کے شیرہ کا برتن اور روٹیوں کا تھیلہ درخت سے لٹکا کر سو رہے۔ خدا نے ان کی روح قبض کر لی یہاں تک کہ سو برس کا عرصہ ان پر گذر گیا گدھے کی ہڈیاں بھی خشک ہو گئیں اس عرصہ میں بخت نصر مر گیا اور ایران کے بادشاہوں کا دور دورا ہو گیا۔ ارتخششا نے بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ اپنے ملک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں واپس ہو جاویں اور پھر بیت المقدس اور شہر کو آباد کریں سو تخمیناً بیالیس ہزار بنی اسرائیل کو جن میں حضرت عزیرؑ اور یرمیاؑ بھی تھے ملک شام آئے اور بیت المقدس اور شہر کو از سر نو شروع تعمیر کرنا شروع کیا۔ پھر کسی بادشاہ کو بہکا دیا اور لوگ بھی مانع آئے آخر دارا شاہ کے عہد میں بنی اسرائیل کی واپسی کے ۲۰ برس بعد یروشلم اور بیت المقدس از سر نو تعمیر ہوا۔'' ۹۵

مولانا حقانی اس واقعہ کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں

''جیسا کہ دوم کتاب تاریخ اور کتاب عزرا اور کتاب نحمیا سے ثابت ہے اس عرصہ میں خدا نے حضرت یرمیاؑ کو زندہ کیا اور ان سے بطور الہام پوچھا کہ تم کتنی دیر تک پڑے رہے چونکہ وہ صبح کو سوئے تھے عصر کے وقت زندہ ہوئے۔ یہ کہا کہ ایک دن یا کم پڑا رہا ہوں وہاں سے جواب آیا کہ سو برس تک پڑا رہا ہے۔ گدھے کو دیکھ! دیکھا تو اس کی ہڈیاں سفید پڑی چمک رہی تھیں اور کھانے پینے کو دیکھا تو وہ ویسا ہی تھا پھر خدا نے ان کے روبرو گدھے کو زندہ کیا۔ شہر میں آکر سب شہر اور بیت المقدس کو آباد دیکھ کر کہا کہ مجھے یقین ہے کہ خدا ہر چیز پر قادر ہے مردہ کو بھی زندہ کر سکتا ہے۔ سو حشر اور بعد مُردن تمام خلق کو زندہ کر کے حساب لینا بھی اسی کی قدرت میں ہے۔'' ۹۶

واقعہ ابراہیم کی تاویل

مولانا حقانی سرسید کے واقعہ ابراہیم کی تاویل پر سخت تنقید کرتے ہیں۔ وہ سورۃ البقرہ (آیت نمبر ۲۵۹،۲۱۰) کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''نیچری مفسر نے ان دونوں قصوں کا انکار کیا ہے اور اپنی عادت قدیمہ کے موافق مفسرین پر اعتراض بے ہودہ کر کے ایک لغو توجیہہ کی ہے کہ کالذی سے مراد کانہ مر علی قریۃ یعنی خواب میں یہ واقعہ گذرا ہے اور اسی طرح ابراہیم کا واقعہ بھی خواب کا ہے چونکہ بجز تقلید ملحدین اور کوئی دلیل نقلی یا عقلی میں اس شخص نے اپنے دعوے پر قائم نہیں کی اور اس توجیہہ کو کوئی نحوی یا اہل زبان تسلیم نہیں کرتا اور نیز ان کے کلام میں باہم تعارض بھی ہے اس لئے لفظ بہ لفظ جواب دینا مناسب نہیں جانتا۔'' ۹۷

واقعات عہد حضرت موسیٰ

(۱) واقعہ سبت کی تاویل

عہد موسیٰ کے جن واقعات کی سرسید احمد خان نے عقلی و نقلی تاویل کی ہے۔ مفسر حقانی نے اس ضمن میں تحقیقی و تنقیدی انداز اپناتے ہوئے بدلائل سرسید کے نظریات کا ابطال کیا ہے۔ ذیل میں بالترتیب واقعات کو بیان کیا جاتا ہے۔

۱۔ ''یہ واقعہ حضرت موسیٰ کے سیکڑوں برس بعد یہود پر گزرا حضرت داؤدؑ کے عہد میں سمندر کے کنارے پر ملک شام میں کوئی شہر یا قصبہ تھا (جس کو بعض نے ایلہ کہا ہے)۔ ہفتہ کے روز جس کو سبت کہتے ہیں موسیٰ کے دین میں شکار کھیلنے یا اور کاروبار دنیاوی کرنے کی سخت ممانعت تھی جیسا کہ تورات میں مذکور ہے کہ وہاں کے لوگوں نے حیلہ کیا کہ پانی کی نالیاں حوضوں میں ڈال دیں ہفتہ کے روز ان نالیوں کے ذریعہ سے حوضوں اور تالابوں میں مچھلیاں جمع ہو جاتی تھیں اور وہ نالیوں کو بند کر دیتے تھے پھر اتوار کو پکڑ کر کھاتے جب یہ پشت گذر گئی تو نئی پشت کے لوگ تو خاص ہفتہ کے روز مچھلیاں پکڑنے لگے۔ ہر چند انبیاء اور صلحاء سمجھاتے تھے مگر وہ نہیں مانتے تھے تب خدا نے ان پر قہر نازل کیا کہ طاعون

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں مبتلا ہوئے اور شدت ورم سے ان کی شکلیں بگڑ کر بندروں کی سی ہوگئیں اور تین روز میں ہزاروں آدمی مر گئے'' 98

۲۔''چنانچہ سموئیل کی دوسری کتاب ۲۴ باب میں مجملاً اس قصہ کی طرف اشارہ ہے۔ یہود میں یہ واقعہ عبرت انگیز ہر شخص کے زبان زد تھا۔ چنانچہ آنحضرت علیہ السلام کے ہم عصر یہود مدینہ بھی اس کو خوب جانتے تھے اس لئے فرمادیا ''ولقد علمتم'' (البقرہ:۶۵) اس واقعہ کو سورۃ اعراف میں بھی خدا یاد دلاتا ہے'' واسئلهم عن القرية التي كانت حاضرة البحر اذيعدون في السبت اذ تاتيهم حيتانهم يوم سبتهم شرعا و يوم لا يسبتون لا تاتيهم كذلك (الاعراف:۱۶۳) مجاہد نے کہا ہے کہ خدا نے ان کو سچ مچ بندر ہونے کا حکم نہ دیا تھا۔ جس طرح احمق اور بے شرم کو گدھا اور کتا کہتے ہیں اسی طرح ان کو بندر فرمایا مگر جب اس کلام کے حقیقی معنی جو ہم نے بیان کیے ہیں صحیح ہو سکتے ہیں تو مجاز کی طرف رجوع کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ ان بندروں کو ان کی نسل سمجھنا بیوقوفی ہے۔'' 99

(۲) گائے کا ذبح کرنا

''مفسر نیچری نے بیل کے کسی ٹکڑے کو میت پر مارنے سے زندہ ہو جانے کو خلاف قانون قدرت سمجھ کر اس آیت کی تاویل کی اور اس پر جو عربی قاعدہ سے اعتراضات ہونے لگے آپ ہی ان کا جواب دینا شروع کر دیا۔ ان جوابوں کو اس مفسر نے غلط ثابت کر دیا اور مولوی کی تاویل پر اعتراضات قائم رکھے جس سے وہ تاویل غلط ہوگئی اور پھر مولوی نے جو جمہور کی مراد پر اعتراض کیا تھا اس کو بھی اس مفسر نے اٹھا دیا، جس سے جمہور کے معنی ہی صحیح ثابت ہوئے۔'' 100

(۳) حقیقت تجلی للجبل

''الغرض موسیٰ نے دور سے جو آگ کا شعلہ دیکھا تھا در اصل وہ آگ نہ تھی تجلی الٰہی کی روشنی تھی چنانچہ جب وہاں آئے تو خدا سے ہم کلام ہوئے آگ لینے آئے تھے نبوت مل گئی وہیں عصا اور ید بیضا کے دو معجزے ملے اور حکم ہوا ------- بات یہ تھی کہ اس درخت پر خدا کی تجلی ہوئی اور موسیٰ وہاں پہنچے تو ان کی روح کو انکشاف ہوا روحانی طور پر خدا تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے پس اس نداء کو آواز اور حروف ظاہری کی حاجت نہیں ایسی باتوں کی پوری کیفیت حیطۂ بیان سے بھی باہر ہے۔ بعض فلسفیانہ خیالات کے مسلمان اس روشنی کو فاسفورس کے سبب بیان کرتے ہیں اور اس کی آواز کی اور پھر دونوں معجزوں کی بھی عجب عجب بے سروپا توجیہیں کرتے ہیں جو محض بے فائدہ بات ہے۔'' 101

(۴) کوہ طور کا بلند کرنا

''سورۂ اعراف میں خدا تعالیٰ نے اس واقعہ کو بیان کیا ہے واذ نتقنا الجبل فوقهم كانه ظلة فظنوا انهٗ واقع بهم (الاعراف:۱۷۱) پس ظاہر الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے پہاڑ کو ان پر اٹھا کر خوف دلایا تھا۔ وہ قادر ہے اور بعض ماؤل اسکی تاویل کرتے ہیں کہ پہاڑ کا اٹھانا ثابت نہیں بلکہ اس پہاڑ کی جڑ میں یہود کھڑے تھے اور پہاڑ کے لرزنے سے ڈر گئے تھے کہ اوپر نہ پڑے اس خوف کے وقت ان سے کہا گیا کہ اس عہد یعنی توریت کو لو اور اس کو یاد رکھو اور اس پر عمل کیا کرو اس خوف سے انہوں نے عہد کر لیا مگر پھر توڑ دیا۔'' 102

(۵) ید بیضا

''موسیٰ نے ہاتھ کو بغل میں سے نکالا تو آفتاب کی طرح چمکتا ہوا نکلا۔ ید بیضا پھر عصا یعنی اپنے ہاتھ کی لکڑی کو ڈالا تو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس کے دربار میں سانپ بن کر لہرانے لگا۔ فرعون اور درباری ڈر کے مارے بھاگ اٹھے اسکی خدائی کی قلعی تو وہیں کھل گئی تو موسیٰ نے اس کو پکڑ لیا پھر وہی لکڑی ہوگئی۔" ۱۰۳

"دوسرے کے لئے فرمایا "وادخل یدک" (النمل:۱۲) کہ اپنی بغل میں ہاتھ دبا کر باہر نکالو۔ وہ بغیر اس کے کہ اس میں کوئی برص کی سفیدی پیدا ہو چمکتا ہوا نکلے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔" ۱۰۴

(٦) تخیل تحرک حبل/ثعبان

"رسیوں اور عصا کا سانپ بن جانا خلاف عقل بات معلوم ہوتی ہے۔ مگر ہزار ہا اسرار قدرت ایسے ہیں کہ جن کے اسباب خفیہ تک عقول عام کو رسائی نہیں اسلئے حیرت خیز معلوم ہوتے ہیں انکار کی کوئی بات نہیں لطف یہ ہے کہ جیسا ساحروں کا فعل تھا ان کے مقابلہ میں اسی قسم کا مگر ان سے بڑھ کر قوت روحانیہ سے حضرت موسیٰ نے کام کیا۔ اور یہ حق و باطل میں امتیاز کرنے کی غرض سے تھا۔" ۱۰۵

(٧) استسقائے قوم موسیٰ

"اس میں ایک واقعہ کی طرف اشارہ ہے جس میں خدا تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر یہ بڑا احسان کیا تھا۔ جب بنی اسرائیل سین کا بیابان طے کر کے رفیدم میں پہنچے تو اس ریگستان میں پانی نہ تھا لوگ موسیٰ سے جھگڑنے لگے کہ ہم کو پانی دے کہ پیویں الخ۔ موسیٰ نے خدا سے فریاد کی اور کہا کہ میں ان لوگوں سے کیا کروں۔ خدا تعالیٰ نے موسیٰ کو فرمایا کہ لوگوں کے آگے جا اور بنی اسرائیل کے بزرگوں کو اپنے ساتھ لے اور اپنا عصا جو تو دریا پر مارتا تھا الخ۔ اس چٹان پر ماریو اس سے پانی نکلے گا تا کہ تم لوگ پیویں۔ چنانچہ موسیٰ نے بنی اسرائیل کے سامنے یہی کیا" (سفر خروج باب ۱۷) تب اس چٹان سے بارہ چشمے بعدد اسباط بنی اسرائیل بہہ نکلے اور ہر سبط نے ایک چشمے کو اپنے لیے معین کر کے خوب پانی پیا۔" ۱۰۶

"واضح ہو کہ قدیم سے ظاہر بین لوگ معجزات انبیاء اور امور خوارق عادات کا انکار کرتے ہوئے چلے آئے ہیں کیونکہ ان کا سرّ ان کی عقل کوتاہ بین میں جب نہیں آتا تو سوائے انکار کے اور کوئی تدبیر نہیں سوجھی تو اس مقام پر بھی یہی تعجب کیا کہ لاٹھی کے مارنے سے اس قدر پانی نکلنا جس کو لاکھوں آدمی پی کر سیراب ہوں قانون قدرت کے خلاف ہے۔ حالانکہ یہ نہیں جانتے کہ پتھروں میں عجیب و غریب تاثیرات خدا نے رکھی ہیں۔ کیا ممکن نہیں کہ وہ پتھر پانی کو زمین سے جذب کر کے نکالے یا ہوا کو ہر طرف سے جذب کر کے اپنی قوت تبرید سے پانی کر کے بہاوے مگر بعض مقلدین دہریہ نے یہ دیکھا کہ قرآن اور توراۃ میں یہ واقعہ موجود ہے تو ان کی یہ تاویل کی اضـــــرب کے معنی چلنے کے ہوتے ہیں۔ حـــجــر سے مراد پہاڑی حصہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ لاٹھی کے سہارے پہاڑ پر چڑھ۔ یہ غلط ہے اول تو ماؤل ضـــــــرب کے معنی جہاں چلنے کے ہوتے ہیں تو فی آتا ہے وہ یہاں نہیں۔ دوم اس کا کوئی قائل نہیں۔ سوم فانفجرت کے پھر کیا معنی؟ اور توراۃ کا جو حوالہ دیا وہ غلط ہے کیونکہ جس مقام کا حوالہ دیا ہے وہ ایلیم ہے۔ اور یہاں رفیدم کا ماجرا بیان ہو رہا ہے۔" ۱۰۷

(٨) من و سلویٰ

"پھر کھانے کا یہ سامان کیا کہ من اور سلویٰ یعنی بٹیریں نازل کرتا تھا کہ ان کے خیموں کے گرد بٹیریں جمع ہو جاتی تھیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رات کو اندھیرے میں یہ لوگ پکڑ لیتے تھے اور پھر گوشت پکا کر کھاتے تھے۔'' ۱۰۸

(۹) سایہ ابر

''بنی اسرائیل جب دریائے قلزم عبور کر کے بیاباں میں آئے تو وہاں گرمی کی بڑی شدت تھی۔ خدا تعالیٰ نے اپنا فضل کیا کہ ایک بادل کا سایہ بنا کر ان کو دھوپ کی شدت سے بچایا۔'' ۱۰۹

(۱۰) قحط طوفان و جراد و قمل وضفادع ودم

''اس کے بعد کئی برس تک موسیٰ مصر میں فرعونیوں کو معجزات دکھلاتے رہے کبھی اولے برسے کبھی تمام پانی خون ہو گیا مینڈکیاں دراور دیوار پر چڑھ گئیں۔ چیچڑیوں نے ستایا لیکن یہ زیادہ تنگ ہوتے تھے تو فرعونی فرعون سے کہتے کہ موسیٰ کو بلا کر وعدہ کرتا کہ اگر یہ بلا تو نے اپنے خدا تعالیٰ سے کہہ کر دور کرا دی تو ہم ایمان لے آئیں گے اور تیرے ساتھ بنی اسرائیل کو جانے دیں گے۔ مگر جب وہ بلا دور ہوتی تو پھر ویسے کے ویسے منکر ہو جاتے تھے۔'' ۱۱۰

(۱۱) فرعون کا غرق ہو جانا

''جب موسیٰ بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے ملک شام کی طرف چلے تو بحر قلزم کی طرف راہ پڑ لئے ان کے پیچھے فرعون بھی مورو ملخ کی طرح لشکر لے کر گرفتار کرنے پہنچا بنی اسرائیل نے کہا ''اے موسیٰ اب ہم کیا کریں سامنے سمندر کی ایک شاخ ہے کہ جس کو قلزم کہتے ہیں اور پیچھے فرعون کا لشکر چلا آتا ہے'' موسیٰ نے جناب باری میں التجا کی حکم ہوا کہ اپنے عصا کو دریا پر مار اس کی وجہ سے یہ معجزہ ظہور میں آیا کہ سمندر پھٹ گیا اور جس طرح پہاڑ میں گھاٹیاں ہوتی ہیں اس طرح پانی کے بستہ ہونے سے خدا نے گھاٹیاں کر دیں جن میں سے بنی اسرائیل بخوبی مع اپنے جانور اور اسباب کے نکل گئے اور چونکہ پانی ایک لطیف جسم ہے۔ اسکی گھاٹیوں میں سے ایک طرف کا آدمی دوسری طرف کو نظر آتا ہے۔ فرعونیوں نے ان کے پیچھے اسی رستہ سے عبور کرنا چاہا تو پھر سمندر اپنی اصلی حالت پر آ گیا اور فرعون اور اس کا سارا لشکر ڈوب مرا۔ اور پرلے کنارے پر بنی اسرائیل کھڑے ہوئے فرعونیوں کو ڈوبتے ہوئے دیکھتے تھے۔'' ۱۱۱

''اس کا جواب یہ ہے (۱) تو زبان عرب کا قاعدہ یہ نہیں اگر ہے تو کسی اہل کتاب یا زبان کا حوالہ دیجئے۔ (۲) بلکہ وہ قاعدہ یہ ہے کہ ماضی جزاء میں واقع ہو تو اگر استقبال کے معنی میں ہے جیسا کہ درصورت نہ ہونے لفظ قد کے ہوتا ہے تو ''ف'' کا لانا لازم نہیں ورنہ ''ف'' اس پر داخل کرتے ہیں۔ (۳) نہ یہاں شرط ہے نہ جزاء نہ کوئی کلمۂ شرط ہے نہ کسی مفسر نے اس کو جزاء قرار دیا ہے صرف ''ف'' آنے سے معترض نے جزا سمجھ کر ایک منصوبہ باندھ لیا اور ''ف'' جزا کے سوا اور جگہ بھی آتی ہے بالخصوص تعقیب اور تفریع کے لئے اکثر مستعمل ہوتی ہے۔ جیسا کہ سبب اور مسبب اور علت اور معلول کے درمیان واقع ہوتی ہے۔ جس طرح کہ ہماری زبان میں لفظ پس کا استعمال ہوتا ہے اور مسبب پر پیشتر اس کا استعمال آتا ہے۔ جیسا کہ میں نے اس کو مارا اور وہ مر گیا۔ مارنا سبب اور مرنا مسبب ہے۔ اسی طرح اس آیت میں ضرب عصیٰ سبب اور پھٹ جانا مسبب ہے افسوس کہ معترض کو زبان عربی سے کچھ واقفیت نہیں ناحق زمین و آسمان کے قلابے ملاتے ہیں۔'' ۱۱۲

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فصل ششم

معاد کے بارے میں نقطۂ نظر

تصور جنت و دوزخ

صاحب تفسیر حقانی نے سورۃ البقرہ آیت نمبر ۲۴ کی تشریح کرتے ہوئے جمہور اہل سنت کا تصور جنت و دوزخ پیش کیا ہے بعد ازاں تفسیر میں دیگر مقامات پر سرسید کے تصور جنت و دوزخ پر تنقید کرتے ہوئے اسے رد کیا ہے اور پھر تحقیق سے جنت و دوزخ کا درست نظریہ منظر عام پر لائے۔ اس سلسلہ میں تفسیر حقانی کے اقتباسات حسب ذیل ہیں۔

(۱) ''اعدت للکافرین (آل عمران:۱۳۱) سے یہ بات ثابت کر دی کہ جنت و دوزخ بلکہ جو کچھ عالم ظہور میں آنے والا ہے وہ سب کچھ عالم مثال میں قائم ہو چکا ہے یہ کہ مسلم قرآن مجید میں آئندہ ہونیوالی چیزوں کو کہ جو قطعاً واقع ہوں گی ماضی کے صیغہ سے تعبیر کیا ہے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جس چیز کو اس لفظ سے بیان کیا ہو وہ ہنوز واقع نہیں ہوئی آئندہ ہوگی پس ان دونوں چیزوں میں مساوات سمجھ کر یہ کہہ دینا کہ دوزخ و جنت پیدا نہیں ہوئی بڑی غلطی ہے اس لئے جمہور اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ دوزخ و جنت اب بھی موجود ہے نہ یہ کہ قیامت کو موجود ہوں گی۔ جیسا کہ معتزلہ کہتے ہیں کس لئے کہ اگر یہ ہو تو جس قدر عہد آدمؑ سے لیکر قیامت تک لوگ نیک اور متقی مرے ہیں وہ جنت اور وہاں کے نعماء سے محروم رہیں اور بُرے لوگ جہنم سے بچے رہیں۔ یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اتنے عرصہ دراز تک کیوں اعمال کی جزا و سزا نہیں ملتی ہے۔'' ۱۱۳

(۲) ''اب ناظرین دیکھ لیں کہ یہ باتیں بلا دلیل جو خان صاحب نے بیان کی ہیں محض فرقہ پر برہمو سماج کی تقلید ہے یا نہیں؟ اور ان خیالات کو نہ تنہا اسلام بلکہ کل آسمانی مذاہب سے کس قدر مبائنت ہے اور اس وقت جو الحاد یورپ کے دریائے ناپیدا کنار کی موجیں ہندوستان کو تہہ و بالا کر رہی ہیں (جس سے ہزاروں کوڑ مغز کہ جن کو نہ علوم اسلامیہ سے بہرہ نہ فنون عقلیہ سے حصہ نہ دینی برکتوں سے نصیبہ بلکہ پکے دنیادار جاہ و مال کے بندے نفسانیت سے بھرے ہوئے کسی قدر ثروت دنیا حاصل کر کے بانی مذہب جدید ہو گئے اور سینکڑوں بندگان خدا کو گمراہ کر دیا اور حیات ابدی سے محروم بنا دیا) ان سے کس قدر مناسبت ہے۔'' ۱۱۴

(۳) ''آپ کے بیان سے ثابت ہوا کہ دراصل جنت و دوزخ کچھ نہیں۔ پیغمبر یا رفارمروں کو جب لوگوں کو کسی فعل یا اس کے ترک پر آمادہ کرنا منظور ہوتا ہے تو وہ جنت و دوزخ کا اڑتلہ بنا کر بیان کرتے ہیں اور محض بے اصل بات کو (یعنی حور و قصور باغ و انہار کو یا آگ و طوق کو) شاعروں کی طرح خیالات بندی کر کے دکھلاتے ہیں۔ معاذ اللہ اس سے بڑھ کر کیا الحاد ہوگا چند روز صبر کیجئے معلوم ہو جائے گا اور بالفرض آپ کا خیال صحیح نکلا تو ہمیں کیا فکر ہے مگر جب آپ کا خیال غلط نکلا تو دیکھئے اس کا کیا نتیجہ ہوتا ہے۔ بہر طور آپ خطرہ میں ہیں نہ ہم۔'' ۱۱۵

(۴) ''اول تو یہ دلیل آپ کی محض بے بنیاد ہے کیونکہ کوئی عاقل نہیں کہہ سکتا کہ انسان کو انہیں چیزوں کا علم ہے جو حواس خمسہ سے محسوس ہیں کس لئے کہ ہزار ہا ایسی چیزیں ہیں کہ جن کو ہم قطعی طور پر جانتے ہیں لیکن وہ چیزیں حواس خمسہ میں سے کسی کے ساتھ بھی محسوس نہیں ہو سکتیں مجردات اور معانی جزئیہ اور کلیات فرمائیے کون سے حس سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

محسوس ہیں؟ عداوت، محبت کسی شے کا قدم یا حدوث۔ اسی طرح انسان، حیوان وغیرہما کلیات اور ملائکہ اور خدائے تعالیٰ کی ذات۔ اسی طرح اپنی روح کا موجود ہونا بلکہ اپنا درد اور رنج اور خوشی نہ آنکھ سے نہ کان سے نہ قوت ذائقہ سے نہ سامعہ سے نہ لامسہ سے محسوس ہوتی ہے باوجود اس کے ہم کو ان چیزوں کا علم ہے شاید اسی بناء پر آپ ملائکہ اور شیاطین اور جن وغیرہ غیر محسوس چیزوں کا انکار کرتے ہیں۔ سید صاحب ان وسواس کے ماننے والوں کا زمانہ گیا اب تو ایسے لاادریہ اور سوفسطائیہ کو عقلاء حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں آپکی اس دلیل کو تسلیم بھی کیا جاوے تو آپ کا اس سے صرف یہ مقصود ہوگا کہ کیفیات (جیسا کہ قند کی شیرینی یا حنظل کی تلخی) یا اور وجدانیات حیز بیان سے باہر ہیں انسان اُن کو معتبر نہیں کر سکتا سو یہ مسلم مگر اس سے جنت کی اُن نعماء کی کہ جن کا ذکر قرآن میں ہے (حور قصور میوجات) نفی یا انکار کسی طرح نہیں لازم آتا۔ غایۃ الامر یہ بات لازم آوے گی کہ جنت کی جس قدر کیفیات ہوں گی ان کی حقیقت کوئی نہیں جانتا۔ سوم غایۃ مافی الباب اس کے بیان سے انسان کا عجز ثابت ہوگا نہ کہ خدا تعالیٰ کا۔" ۱۱۶

(۵) "آپ کو اس سفید ریش پر یہ بے تہذیب باتیں زیبا نہیں۔ جنت کی نعماء کو کوئی شخص دنیا کی چیزیں بعینہ نہیں سمجھتا چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ آپ ایسی باتیں کر کے اپنے بیچارے معتقدوں کا ایمان کیوں خراب کرتے ہیں؟ آپ سے پہلے ہزاروں شاعر بے ہودہ گو کلام الٰہی پر پھکڑ بازی کر چکے ہیں ان باتوں کا جواب پھکڑ بازی کے ساتھ ہم کو بھی آتا ہے مگر ہم اپنی اوقات عزیز کو ضائع نہیں کرتے۔ گفتگو آئین درویشی نبود۔۔۔۔۔ ورنہ با تو ماجرا ہا داشتیم۔" ۱۱۷

(۶) "اگر ان سب باتوں کا جواب یہ ہے کہ آپ محض نافہمی سے وہ اعتراضات جو پادری فنڈر نے کئے تھے پھکڑ بازی کے ساتھ اعادہ کرتے ہیں پورا تربیت یافتہ دماغ تو آپ کا جب ہوگا کہ جب غیر محسوس خدا کا بھی انکار کریں گے آپ کی یہ بے دلیل باتیں عقلاء کے نزدیک فضول ہیں مگر اور بہت سے کم علم لوگوں کے دلوں میں شک ڈالنے کیلئے اور ان کو ایمان سے ڈگانے کے واسطے کسی قدر کافی ہیں لیکن جن کے دل فیض نبوت سے منور ہیں وہ ایسی باتوں کی طرف کان بھی نہیں لگاتے اور یہ سمجھ لیتے ہیں کہ جسطرح اکبر کے عہد میں صد ہا ملحد پیدا ہو کر زیر زمین ہو گئے اور میر محمد حسین موجد مذہب بیکوک وغیرہ صفحۂ عالم سے مٹ گئے اور دین الٰہی اسی طرح قائم رہا اور تا قیامت رہے گا یہ تیرہویں صدی کا الحاد بھی خواب وخیال ہو جائے گا۔

نہ گور سکندر نہ ہے قبر دارا مٹے ناموں کے نشاں کیسے کیسے

کل من علیها فان و یبقیٰ وجه ربک ذوالجلال و الاکرام۔" (الرحمٰن:۲۶) ۱۱۸

(۷) "یہاں سے معلوم ہوا کہ آپ کے نزدیک جنت اسی کا نام ہے اور جنت الٰہی آپ کے نزدیک اہل اسلام کے خیالات ہیں مگر ہم کو یہ معلوم نہیں ہوا کہ تمام قیود سے مُبرا رہنے کے کیا معنی ہیں؟ اگر یہ مراد ہے کہ زمانہ بے عقلی اور نابالغی تو اہل عقل وادراک کے نزدیک یہ نہایت پستی کا زمانہ ہے کہ اس وقت میں نفس کمالات علمیہ وعملیہ سے خالی بلکہ عقل ہیولانی کے مرتبہ میں ہوتا ہے اس زمانہ کو جنت کہنا سیدھے لوگوں کا کام ہے اور اگر یہ مراد ہے کہ بالغ ہونے کے بعد بے قید ہو کر چین کرنا اور دل کھول کر شہوت رانی کرنا جنت ہے کہ جس کو شعراء جنت باندھتے ہیں تو یہ ناپاک لوگوں کی جنت ہے انہیں کو مبارک رہے اور تیسرے معنی غیر مکلّف اور تمام قیود سے مبّرا رہنے کی بحکم المعنی فی بطن الشاعر آپ ہی کے ذہن میں ہوں تو ہوں۔" ۱۱۹

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میزان اور وزن اعمال کی تحقیق

مولانا عبدالحق حقانی اس سلسلہ میں یوں رقمطراز ہیں۔

''والوزن یومئذ ن الحق (الاعراف:۷) کہ اس روز اعمال کا وزن ہوگا حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کو ترازوئے عمل قائم ہوگی ایک پلے میں نیکی اور دوسرے میں بدی رکھی جاوے گی۔ پس فمن ثقلت موازینہ (المومنون:۱۰۲) جن کے اعمال نیک کی تولیں بھاری ہوں گی کہیں روزہ کہیں نماز کی کہیں صدقہ و خیرات کی فااولئک ھم المفلحون (المومنون:۱۰۲) سو یہی فلاح پاویں گے عالم قدس میں حیات ابدی کے مستحق ہوں گے جن کا مقام جنت ہے اور جن کی نیکی کی تولیں ہلکی ہوں گی فاؤلئک الذین خسروا (ہود:۲۱) سو وہ خسارہ میں پڑیں گے اور یہ خسارہ میں پڑنا انہوں نے اپنے ہاتھ سے کیا کہ جو آیات الٰہی پر ظلم کیا یعنی ان کی تکذیب کی یا اُن پر عمل نہ کیا۔ اس ترازو سے مراد دنیا کی ترازو، آٹا تولنے کی نہیں کہ اس پر اعمال کا تولنا (جو اغراض قائم بالذات ہیں فلسفیوں کے کہنے سے) محال خیال کیا جاوے جس کی توجیہہ میں اعمال کو مع ان کاغذوں کے تولنا کہا جاوے کہ جن میں وہ اعمال ملائکہ نے لکھے تھے بلکہ اس سے مراد ایک خاص موازنہ ہے جو اعمال کے ساتھ مخصوص ہے۔'' ۱۲۰

نظریۂ اذن شفاعت

مولانا عبدالحق حقانی اذن شفاعت کے سلسلہ میں یوں رقمطراز ہیں۔

''من ذالذی یشفع عندہ الا باذنہ (البقرہ:۲۵۵) اس سے معتزلہ نے شفاعت کا انکار کیا ہے مگر یہ اُن کی غلط فہمی ہے اس سے تو شفاعت کا ثبوت ہوتا ہے غایۃ الامر یہ کہ شفاعت اس کے اذن پر موقوف ہے سو اس نے اپنے حبیبؐ کو اذن دے دیا ہے اور پھر قیامت کو اس کو تازہ کرے گا اس لئے آنحضرت علیہ السلام شافع اکبر ہیں بنی آدم حضرت کے دامن تلے پناہ لیں گے آپ ایمانداروں کو پناہ دیں گے۔'' ۱۲۱

حشر اجساد

حشر اجساد کے ضمن میں مولانا عبدالحق حقانی اپنا نقطۂ نظر یوں بیان کرتے ہیں۔

''اور بعض لوگ کہ جن کی قوت بہیمیہ نہایت غالب ہے اور ان کی ملکیہ قوت بالکل مستور و مقہور ہے تو وہ بعد موت کے اپنی قابلیت اصلیہ یا کسبیہ سے شیاطین میں جا ملتے ہیں۔ الغرض ایک مدت تک عالم برزخ میں یہ چیزیں متشکل ہو کر نظر آتی ہیں۔ اور ہر شخص کا ایک خاص حال ہوتا ہے۔ لیکن جب یہ تمام عالم حسی فنا ہو جائے گا یعنی کثافت کی چادر اتار کر لطیف و نورانی بن جائے گا کہ جس کو عالم حشر یا روز قیامت کہتے ہیں تب ان متشکل چیزوں کے دیکھنے میں سب مساوی ہوں گے اور یہ بھی خیال رہے کہ حشر اجساد نئی زندگانی نہیں ورنہ پھر کوئی شخص اپنے اعمال سابقہ کی جزا و سزا نہ پاوے بلکہ یہ پہلی زندگی کا تتمہ اور تکملہ ہے۔'' ۱۲۲

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فصل ہفتم

تہذیب وثقافت اور عبدالحق حقانی

فلسفہ جہاد اور حقانی

مولانا عبدالحق حقانی فلسفہ جہاد پر تفصیلی روشنی ڈالتے ہوئے اپنے موقف کو بیان کرتے ہیں۔

ا۔''جناب پیغمبر خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رحم دلی اور فروتنی اور بردباری اور مخالفوں کے ساتھ قدرت پا کر نیک سلوک کرنا ضرب المثل ہو گیا ہے۔۔۔۔۔۔۔مسلمانوں کے لئے بے نظیر فتوحات کا جوان کو قرن اول میں نصیب ہوئیں یہ بھی ایک بڑا سبب تھا الحاصل جس نے قرآن واحادیث کو پڑھا ہے وہ مکارم اخلاق سے جو اعلیٰ سے اعلیٰ پیمانہ پر ہو قرآن اور اسلام کو خالی رہنے کا الزام نہیں لگا سکتا مگر اس کے ساتھ قوانین معدلت اور سرکشوں اور گمراہوں اور گمراہ کنندوں کے سرنگوں ہونے کا مسئلہ بھی ضرور قرآن میں ہے جس کا سلسلہ انبیاء ہمیشہ سے خوشخبری دیتا آیا ہے اور جس کی بلحاظ ادا کرنے فرض منصبی مذہبی کو از حد ضرورت ہے اسلام میں کہیں بزور شمشیر مسلمان کرنے کا حکم بھی نہیں چہ جائیکہ تاکید بلکہ اس کے برعکس حکم ہے'' ۱۲۳

۲۔''اسلام صرف ان چند صورتوں میں جہاد کی اجازت دیتا ہے اور حسب ضرورت تاکید بھی فرماتا ہے۔اول یہ کہ مخالفین اسلام مسلمانوں کے ملک اور معابد پر قبضہ کرنے کے ارادہ سے حملہ آور ہوں اور مسلمانوں پر چڑھائی کریں جیسا کہ احزاب کا واقعہ۔دوسرے یہ کہ کسی جگہ مسلمان اور کافر قدیم سے ملے جلے رہتے ہیں اور پھر کفار ان کو ادائے مراسم مذہبیہ سے منع کریں اور جلاوطنی پر مجبور کریں اور محض اسلام کی وجہ سے ظلم وتعدی کرنا شروع کر دیں جیسا کہ کفار قریش نے مکہ میں مسلمانوں کے ساتھ کیا تھا اسی صورت میں اگر وہاں کے لوگوں کو مقابلہ کی طاقت نہیں تو اسلام کو مخفی نہ کریں اور مراسم اسلامیہ سے باز رہنا اختیار نہ کریں بلکہ وطن چھوڑ کر کسی دار اسلام میں چلے جاویں اور اسی کو ہجرت کہتے ہیں'' ۱۲۴

۳۔''اگر وہ لوگ امر حق اختیار کر لیں اور فساد سے باز آویں تو اُن سے کچھ نہ کہیں ورنہ ان کو ماتحتی اسلام پر مجبور کریں اور اگر یہ بھی نہ مانیں تو اخیر درجہ جس طرح آجکل مہذب گورنمنٹیں دفع فساد کیلئے فوج کشی کرتی ہیں شاہ اسلام لشکر کشی کرے جیسا کہ شام وایران وغیرہ بلاد پر صحابہ نے لشکر کشی کی مگر لڑکے ،عورتوں ،بڈھوں کو نہ مارے کھیتیاں نہ اجاڑے۔پس ان صورتوں میں جبکہ طرفین سے جنگ قائم ہوئی ہے تو سوائے واغلظ علیھم (التحریم:۹) اور واقتلوھم حیث وجدتموھم (النساء:۸۹) کے اور کیا ہوتا ہے؟ جس قدر کفار پر سختی اور قتل میں سعی کرنے اور ثابت قدم رہنے کی تاکید ہے سو وہ خاص ان صورتوں میں ہے اور انہیں کے لئے قرآن میں جا بجا تاکید ہے اور انہیں میں مارے جانے سے شہادت ملتی ہے۔'' ۱۲۵

صیام کے متعلق بحث

صیام کے متعلق بحث کرتے ہوئے مفسر حقانی یوں رقمطراز ہیں:

''کتب علیکم الصیام (البقرہ:۱۸۳) سے کیا مراد ہے؟ رمضان کے روزے یا اور روزے۔معاذ اور قتادہ اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عطاء وغیرھم علماء کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ اس سے مراد علاوہ رمضان کے اور روزے ہیں جو رمضان کی فرضیت سے پیشتر فرض تھے، پھر رمضان فرض ہونے سے جیسا کہ آیت آئندہ میں ہے ان کی فرضیت جاتی رہی اور وہ ہر مہینے میں تین روزے تھے بعض کہتے تھے کہ ان میں محرم کی دسویں تاریخ کا روزہ بھی تھا اور دلیل ان کی یہ ہے اس آیت میں جس کو طاقت روزہ رکھنے کی ہے اسکو فدیہ دینے کی رخصت ہے حالانکہ رمضان کے روزوں کی نسبت یہ حکم نہیں کہ فدیہ دے کر روزہ نہ رکھے۔'' ۱۲۶

''ہاں اب تو یورپ کا الحاد جوش زن ہے البتہ اس کی وجہ سے رسم روزہ و نماز عیسائیوں میں سے اٹھ گئی اور یوما فیوماً اٹھتی جاتی ہے۔ بلکہ ان کی تقلید میں نیچر مفسر بھی اپنی کتاب کے صفحہ نمبر ۲۴۳ میں روزے کی نہایت اہانت کر رہے ہیں جس کا ایک فقرہ یہ ہے ''عرب کے لوگ یہودیوں اور عیسائیوں کو دیکھتے تھے کہ خدا کے خوش کرنے کے خیال سے اور اپنے پیغمبر کی پیروی کی نظر سے روزہ رکھتے ہیں آنحضرتؐ نے اس رسم کو جاری رکھنے کی اجازت دی۔'' اور اس سے پیشتر اس صفحہ میں روزے کو بدنی ریاضت کہہ آئے ہیں اور جملہ بدنی ریاضتوں کی نسبت صفحہ نمبر ۲۳۰ میں یہ کہتے ہیں قولہ غرضیکہ تمام جسمانی ریاضتوں کا اسی غلط خیال پر رواج ہوا ہے وہ یہ کہ انسان کی زندگی آسائش سے بسر کرنی خدا کو پسند نہیں اور یہ ایک عجیب خیال تھا۔'' ۱۲۷

تصور ابطال غلامی

مولانا عبدالحق حقانی سورہ محمد آیت نمبر ۴ کی تفسیر کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں۔

''اس آیت میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ علماء کا ایک گروہ کہتا ہے، آیت ہرگز منسوخ نہیں بلکہ محکم ہے امام کو اختیار ہے خواہ فدیہ لے کر چھوڑے یا مفت چھوڑے، یہ دو باتیں تو آیت میں صاف مذکور ہیں۔ اور دو باتوں کا اختیار ہے گو آیت میں ان کا ذکر نہیں احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں وہ یا غلام بنائے یا قتل کر ڈالے یہی ابن عمر و حسن و عطاء کا قول ہے اکثر صحابہ و تابعین اسی طرف گئے ہیں اور سفیان ثوری و امام احمد و شافعی کا یہی مذہب ہے۔

ہمارے بعض معاصرین یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت جنگ بدر و غزوہ بنی المصطلق کے بعد نازل ہوئی ہے اس میں صرف دو ہی باتیں قیدیوں کیلئے قرار دی ہیں یا مفت چھوڑ دینا یا فدیہ یعنی جرمانہ یا خرچہ لے کر چھوڑ دینا غلام بنانے کا اس میں کہیں ذکر نہیں نہ قتل کرنے کا اور جہاں قتل کرنے اور غلام بنانے کا ذکر ہے وہ اسکے نزول سے پہلے کا ہے۔'' ۱۲۸

مولانا عبدالحق حقانی تفسیر حقانی میں لونڈی غلاموں کی بابت بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''اس وقت کے نو تعلیم یافتہ یہ کہتے ہیں غلام لونڈی رکھنا انسانی ہمدردی کے برخلاف اور نہایت مکروہ کام ہے پھر تعجب ہے کہ پیغمبرؐ نے اس فعل کو روا رکھا اور بہائم کی طرح سے لونڈی غلاموں کو خدمات پر مامور کرنے کی اجازت دی اور لونڈیوں سے مباشرت کرنا جائز سمجھا۔ یہ بات پہلے انبیاء کے بھی برخلاف ہے۔ جس کا جواب بعض آزاد لوگوں نے قرآن و احادیث میں تاویل و تحریف کر کے دیا ہے کہ اسلام میں یہ فعل ہرگز درست نہیں ہے۔ مگر عقلاء کے نزدیک یہ جواب ہو نہیں سکتا اس لئے کہ وہ کہاں تک قرآن و حدیث کی الٹ پلٹ کریں گے۔ پھر بھی یہ فعل اسلام میں ثابت ہی رہے گا۔ خصوصاً یہ آیات بہ آواز بلند کہہ رہی ہیں کہ اسلام نے لونڈیوں کی مباشرت کی بابت کچھ حقوق مقرر کر دیئے ہیں اور لونڈیوں سے صحبت کرنا جائز ہے۔ کما قال تعالیٰ قد علمنا ما فرضنا علیھم فی ازواجھم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

او ماملکت ایمانھم" (الاحزاب:۵۰) ۱۲۹

"اگر پھر بھی وہ مقابلہ پر آویں تو جنگ ہوتی ہے۔ جس میں بجز قتل طرفین کے اور کیا ہوا کرتا ہے۔ مگر عورتوں اور بچوں اور بوڑھوں کو اس جوش کے وقت میں بھی اس سے محفوظ رکھا ہے پھر جو لوگ کہ قتل سے آزاد کیے جاتے ہیں ان کو لونڈی غلام بنایا جاتا ہے۔ پھر ان کے آزاد کرنے کی یہاں تک تاکید ہے اور ثواب بتلایا گیا ہے کہ جو بہت کو آزادی دلا دی جاتی ہے۔ اور غلامی کی حالت میں ان کے وہ حقوق قائم کیے ہیں کہ جو اور قوموں میں آزادلوگوں کے لئے بھی نہیں یہ داغ غلامی صرف اس جرم آسانی کی یادگاری ہے۔ اب بتلاؤ اس میں بے رحمی ہے یا ان کے قتل کر ڈالنے میں جیسا کہ موسیٰ کی شریعت میں ہوا کیا اس میں دنیاوی جرائم کے قیدوں سے زیادہ بے رحمی ہے؟ موسیٰ کی شریعت میں بھی غلام لونڈی رکھے جاتے تھے۔" ۱۳۰

حقیقت حج

مولانا عبدالحق حقانی اپنی تفسیر میں مخالفین اسلام کے اعتراض کے جوابات اور حقیقت حج بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ

"مخالفین اسلام، یہود اور عیسائی اور ہندو حج کے بارہ میں اعتراض کیا کرتے ہیں۔ کہ یہ عرب کے جاہلوں کا میلہ ہے۔ جو بغرض تجارت قائم ہوا تھا۔ چنانچہ نیچر مفسر ص ۲۴۹ میں کہتے ہیں کہ "حضرت ابراہیمؑ نے بغرض آبادی مکہ اور ترقی تجارت کے لیے لوگوں کو جمع کی ترغیب دی۔" پس نبیؐ نے انہیں رسمیات کو (کہ جو بعید از عقل ہیں اور صرف جسمانی باتیں ہیں کہ ننگا سر کر کے ایک چوکھونٹی مکان کے گرد گھومو اور وحشیانہ وضع بناؤ، تہمند باندھو پھر دو پہاڑیوں کے درمیان دیوانوں کیطرح ہیرے پھیرے کرو۔ بے فائدہ منیٰ اور عرفات میں رہو۔ پتھروں کے مناروں کو کنکریاں مارو سر منڈاؤ۔ ناحق جانوروں کو ذبح کر کے جنگل کو سڑاؤ) فرض واجب بنادیا ہے۔ اس کا جواب بہت سہل ہے۔ اہل کتاب کہ جو تورات کو مانتے ہیں ان کے لئے تو یہ اعتراض کرنا شیشہ کے گھر میں بیٹھ کر مخالف پر پتھر پھینکنا ہے کیونکہ بائبل بالخصوص تورات سفر احبار میں متعدد مقامات پر بنی اسرائیل کے لئے خدا نے موسیٰ کی معرفت وہ احکام فرض کئے ہیں۔ کہ جو بظاہر عقل میں نہیں آتے۔ بلکہ صریح فضول معلوم ہوتے ہیں۔" ۱۳۱

"آریہ جو آج کل نئے محقق نکلے ہیں۔ اور اپنے پوچ مذہب کو عقل کے مطابق کرنا چاہتے ہیں اور جو نہیں مطابق ہوتا تو اس کا انکار کرتے ہیں یا یں معنے تاویل کرتے ہیں وہ اپنی ویدا اور اس کے اپنشدوں اور شاستروں کی تو خبر لیں مگر بیچارے ناواقف ہیں کسی قدر انگریزی پڑھ لی چلو شوامی جی مہاراج کی تقریر سن کر ویدا اور شاستروں کو عام خیال میں کچھ اور ہی سمجھ بیٹھے ڈھٹائی کے زور سے مقدس اور پاک مذہب پر منہ آنے لگے۔" ۱۳۲

مفسر حقانی حج میں قربانی کے ضمن میں یوں جواب دیتے ہیں۔

"نیچر مفسر کا یہ کہنا (ص ۲۵۵ حج میں قربانی کی کوئی مذہبی اصل قرآن مجید سے نہیں پائی جاتی خشک بیابان تھا اناج غلہ کم تھا اس لئے خوراک کے لئے لوگ جانور ساتھ لے جاتے تھے۔ الخ) قرآن مجید سے ناواقفیت پر دلیل صریح ہے۔" ۱۳۳

مسئلہ قطع ید سارق کی تحقیق

مولانا عبدالحق حقانی مسئلہ قطع ید سارق کے ضمن میں تحقیقی وتنقیدی نقطہ نظر اپناتے ہوئے کہتے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''فا قطعوا ایدیھما (المائدہ:۳۷) یہ سزا ہے چور کی کہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے آیت میں تصریح نہیں کہ کون سا ہاتھ کاٹا جاوے اور کہاں تک کاٹا جاوے؟ مگر جمہور نے آنحضرت علیہ السلام کے عہد کی سزا سے یہی ثابت کیا ہے کہ اول بار چوری کرنے سے پونچے تک داہنا ہاتھ کاٹ ڈالنا چاہیے اور نیز جب ایک بار چوری کرے تو داہنا ہاتھ کاٹ دیا جاوے اور دوبارہ کرے تو بایاں پاؤں کاٹ دیا جاوے اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر تیسری بار چوری کرے تو بایاں ہاتھ اور چوتھی بار کرے تو دایاں پاؤں بھی کاٹ ڈالنا چاہیے۔ امام ابوحنیفہؒ اور سفیان ثوریؒ وغیرہ علماء صرف دو بار تک قطع کا حکم دیتے ہیں باقی پھر قطع نہیں بلکہ حبس۔ یہ سزا آنحضرت ﷺ نے اپنی حیات میں دی ہے جیسا کہ احادیث صحیحہ میں بکثرت وارد ہے اور نیز آپ کے بعد خلفائے اربعہ سے خلفائے بنی العباس تک بھی اس قانون الٰہی پر عملدرآمد رہا ہے'' ۱۳۴

''اور اس میں حکمت بھی ہے کیونکہ جس ہاتھ سے اس نے یہ بدکام کیا تھا اسکی سزا میں ایسی نعمت سے محروم کر دینا پورا انصاف ہے اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ یہ سزا اس جرم کے انسداد کیلئے اکسیر اعظم کا حکم رکھتی ہے اور کیوں نہ ہو آخر جس نے قرآن نازل کیا ہے اور وہ حکیم وعلیم ہے جسکی علم وحکمت کے آگے بندوں کے علم ودانش کو کیا نسبت ہے کوئی تو حکمت سمجھی ہے جو ایسا حکم جاری کیا ہے ہاں یہ اور بات ہے کہ کوئی شخص الہام کو فرضی ڈھکوسلا سمجھے یا اپنی عقل کو خدا کے علم پر ترجیح دے آجکل یورپ نے علوم میں ترقی کی مگر الحاد اور بدکاری حد سے زیادہ ترقی کر گئی ہے اُن کی رسم و رواج خواہ کیسی ہی قبیح ہوں اُن کے مریدوں کے نزدیک تہذیب کا معیار قرار دیئے گئے ہیں اس لئے ان کے مرید تمام شریعت کو ان ہی کے رسم و رواج کے مطابق کرنے کی تدبیریں کرتے ہیں اور اسی کو اعانت اسلام کہتے ہیں۔'' ۱۳۵

''چنانچہ ایک صاحب اس سزا کی یہ توجیہہ کرتے ہیں ص (۱۳۷) ''مگر جبکہ ملک میں تسلط ہو اور قید خانوں کا انتظام موجود ہو تو قرآن مجید کی رو سے اس سزائے بدنی کا دینا (یعنی چور کا ہاتھ کاٹنا) کسی طرح جائز نہیں۔'' حضرت نے قزاقوں کی سزا کو جو ینفوا من الارض (المائدہ:۳۳) ایک صورت خاص میں ہے یعنی قید کرنا مؤخر سمجھ لیا حالانکہ مقدم ہے اس کے بعد آیت السارق (الخ) موجود ہے جسمیں بجز ہاتھ کاٹنے کے چور کی اور کوئی سزا ہی بیان نہیں ہوئی اس کو چور کی سزا قرار دیا ہے اور بے سند چند چوروں کے اشعار اور ان کے خیالات نقل کر کے تمام کتب تواریخ کے برخلاف یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ''صحابہ کے عہد میں ہاتھ نہیں کاٹے گئے بلکہ قید کیا گیا ہے'' حالانکہ اگر قید کئے گئے ہوں گے تو وہ ڈاکو جن سے ملک کو دہشت ہوگی نہ کہ چور اور لطف یہ کہ آپ بھی اقرار کرتے جاتے ہیں کہ ڈاکوؤں کو قید کیا گیا ہے مگر دونوں کو غلط کر دینے سے اور ملا کر بیان کرنے سے شاید بمقابلہ بے شمار احادیث صحیحہ اجماع جمہور مسلمین اپنے خیال میں اپنی کامیابی سمجھتے ہیں جزاء بما کسبا (المائدہ:۳۸) سے یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ چور کا ہاتھ کاٹنا ہی اس کے فعل بد کی سزا ہے۔'' ۱۳۶

ذبیحہ وطعام اہل کتاب

مولانا حقانی ذبیحہ وطعام اہل کتاب کے بارے میں اپنا موقف بدلائل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''طعام اہل کتاب میں جمہور مفسرین کے تین قول ہیں (۱) اُن کے ذبائح (۲) اُن کے ہاں کی روٹی اور میوے وغیرہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وہ چیزیں جن میں ذبح کی حاجت نہیں پڑتی اور یہ قول بعض ائمہ زیدیہ سے منقول ہے(۳)عموماً ذبائح و دیگر مطعومات طیبہ۔اول قول قوی ہے بقرینۂ مقام۔

اہل کتاب سے جمہور کے نزدیک یہود و نصاریٰ مراد ہیں۔اور بعض کہتے ہیں کہ خاص بنی اسرائیل اور مجوس۔جمہور کے نزدیک اہل کتاب نہیں۔آنحضرت ﷺ نے مقام ہجر کے مجوسیوں سے جزیہ لیا تھا جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے اب ہم کو اس بات کا بتلانا ضرور ہے کہ اس آیت میں جو طعام اہل کتاب کو حلال قرار دیا ہے اس سے ان کا ہر قسم کا کھانا مراد نہیں کہ جسمیں گلا گھونٹی مرغی بھی شامل ہو۔چند وجوہ سے اول احل لکم الطیبات (المائدہ:۴)یہ جملہ سب سے اول اعلان کر رہا ہے کہ جن چیزوں کو شرع نے نجس یا رجس قرار دیا ہے وہ مسلمانوں کو کسی حالت میں بجز اضطرار کے درست نہیں کیونکہ ان میں قبح ذاتی ہے جو کسی وقت دور نہیں ہوتا یہ عقل میں نہیں آسکتا کہ جس چیز کو ناپاک قرار دے کر مسلمان کے لیے حرام کرے وہ ناپاک چیز اہل کتاب کے ہاتھ میں جا کر پاک ہو جاوے مسلمانوں کے دستر خوان پر سور،شراب،منخنقہ حرام اور ناپاک ہو اہل کتاب کے دستر خوان پر رکھنے سے پاک ہو جاوے،اور شراب اور سور اور منخنقہ وغیرہ چیزوں کو خدا تعالیٰ ناپاک اور اُن کے کھانے کو اس سے پہلی آیت میں فسق فرما چکا ہے'' ۱۳۷

''سلف سے خلف تک کسی مسلمان نے طعام اہل کتاب کو عام مراد نہیں رکھا ہے کہ اس میں سور اور شراب بھی شامل ہوں پھر جب یہ نہیں تو منخنقہ جو منصوصاً حرام ہے اس میں کیونکر شامل ہو سکتا ہے سوم آیت مذکورہ سے جس نے ذبائح مراد لئے ہیں اس کے نزدیک تو منخنقہ ذبائح میں داخل نہیں اور نیز ذبائح بھی حضرت علیؓ اور ابن عمرؓ اور عائشہ صدیقہؓ و دیگر کبار صحابہ کے نزدیک وہ حلال ہیں جو اللہ کا نام لے کر ذبح کئے گئے ہوں نہ وہ کہ جو مسیح اور عزیر کے نام سے بقرینۂ آیت ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ (الانعام:۱۲۱)اور یہی صحیح اور احوط ہے اور جس نے عام مراد لیا ہے تو عام سے ہر قسم کے طعام مراد نہیں بلکہ ذبائح اور دیگر خوردنی چیزیں جو ناپاک اور حرام نہیں۔'' ۱۳۸

''یہود کے نزدیک قدیم سے اب تک ذبح کرنے کا دستور ہے اور حضرت مسیحؑ اور ان کے حواری شریعت موسویہ کی پابندی کیا کرتے تھے۔کسی روایت سے ثابت نہیں ہوتا کہ انہوں نے سور یا شراب یا گلا گھونٹی مرغی کا استعمال کیا ہو،وہاں رومیوں اور دیگر اقوام جو پولوس کے تراشیدہ مذہب میں آئی تھیں ان کے ہاں ان کا دستور ہو تو ہو مگر آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام نے برائے نام عیسائیوں کے ذبیحہ کو بھی درست نہیں جانا ہے چہ جائیکہ کہ ان کے ہاں کی وہ ناپاک اور نجس چیزیں جن میں گلا گھونٹی مرغی بھی شامل ہے حضرت علیؓ اور دیگر صحابہ عرب کی قوموں میں سے بنی تغلب اور تنوخ اور جذام اور لخم اور عاملہ وغیرہا قبائل عرب متنصرہ کے ہاتھ کا ذبیحہ کھانے کی اجازت نہ دیتے تھے اس لئے کہ یہ لوگ برائے نام عیسائی ہیں پھر آجکل کے ملاحدۂ یورپ تو ہرگز عیسائی شمار نہ ہوں گے۔فقیر کے نزدیک ان لوگوں کے ساتھ طیبات کامل کر کھانا بھی خالی از فتنہ و فساد نہیں و طعامکم حل لھم (المائدہ:۵)اگرچہ یہود و نصاریٰ مسلمانوں کے کھانے کو حلال سمجھتے تھے اور سمجھتے ہیں مگر پھر حل لھم (المائدہ:۵) کہنے سے یہ اشارہ ہے کہ طرفین میں اباحت ذبائح حاصل ہے نہ کہ اباحت مناکحت۔'' ۱۳۹

مسئلہ تعدد ازواج

مسئلہ تعدد ازواج کے ضمن میں مفسر حقانی کا نقطۂ نگاہ درج ذیل ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''آجکل کے رفارمروں اور عیسائی اور ملحد منش لوگوں کا اسلام پر ایک یہ بھی اعتراض ہے اور اس پر ملمع کار تقریروں سے بڑا زور دیتے ہیں بالخصوص پادری بہت غل مچاتے ہیں اس کا جواب یہ ہے یہ بات ہر عقلمند پر ظاہر ہے کہ انسان جب تک کہ اس .....علاوہ اس کے بردباری وغیرہ اخلاق کی درستی عیالداری کی بدولت نصیب ہوتی ہے اور ایک عورت پر عموماً سب کو پابند کرنا بھی بعض لوگوں کی عفت میں فرق لاتا ہے کیونکہ تجربہ سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ مرد کو عورت سے کہیں زیادہ قوت ہے اور نیز عورت تیس چالیس برس کی عمر میں دس پانچ بچے جن کر بڑھیا ہو جاتی ہے اور مرد کیلئے یہ عین جوش قوت کا وقت ہے پھر اس بڑھیا پر بس کرنا یا تو اشارۃً اور مزہ اڑانے کا حکم دیتا ہے یا سہل شریعت کو دشوار کر دینا ہے کہ جس کی اصلاح کیلئے پھر کسی نبی کی حاجت پڑتی اور یہ بھی ہے کہ عورت ایام حیض ونفاس اور حمل بلکہ رضاعت کے وقت مرد قوی کو بس نہیں کرتی بالخصوص ان گرم ملکوں کے لوگوں کے لئے کہ جن کو ایک روز بھی بغیر جماع کے چین نہیں پڑتا (مرطوب اور بلغمی لوگوں کا ذکر نہیں ہے پھر ان کے لئے حرام کاری کی اس قدر ممانعت کر کے کہ کسی کو بدنظر سے بھی نہ دیکھو کسی غیر محرم کے ہاتھ بھی نہ لگاؤ اس سے تخلیہ میں بات بھی نہ کرو اگر کرو گے تو علاوہ عذاب آخرت کے دنیا میں بھی سزا پاؤ گے) ایک عورت کا پابند کرنا حکمت الٰہیہ کی مصلحت کے برخلاف ہے اس لئے شریعت نے چار تک کی اجازت دی ہے نہ یہ کہ سب کے لئے حکم دیا ہے'' ۱۴۰

مولانا عبدالحق حقانی مزید لکھتے ہیں

''اور اجازت میں بھی عدل شرط ہے البتہ جس قوم میں بغیر نکاح کے بھی حاجت براری ہو سکے بلکہ خوب طرح سے ان کے نزدیک چار کیا ایک بھی جنجال اور جان کے لئے وبال ہے رہا آنحضرت کا متعدد نکاح کرنا اور آپ کا اس حکم سے مستثنیٰ ہونا سو یہ مصالح کے لئے تھا۔ اول یہ کہ عدالت آپ کا شیوۃ ذاتی تھا معصوم تھے۔ دوم یہ کہ آنحضرت ﷺ کو باوجود کسی آمدنی مقرر نہ ہونے کے متعدد بیوئیں رکھ کر صفت توکل اور استقلال کی تعلیم دینا منظور تھا۔ سوم متعدد عورتوں کی معرفت عورتوں کے متعلق خلوت اور جلوت میں بے شمار مسائل شریعت کا تعلیم کرنا منظور تھا اور داؤدؑ، ابراہیمؑ، موسیٰؑ، یعقوبؑ نے بھی اس لئے متعدد بیوئیں کیں ہیں جیسا کہ بائیبل سے ثابت ہے اور اب تک یہودی شریعت میں کئی بیویاں کرنا جائز ہیں۔'' ۱۴۱

حرمت سود اور نظریہ حقانی

مولانا عبدالحق حقانی حرمت سود کے ضمن میں اپنا موقف بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

''انہیں باتوں پر نظر کر کے علماء نے فرمایا ہے کہ آیت ربوٰ مجمل ہے اور حضرت عمرؓ نے بھی کہا کہ آنحضرتؐ دنیا سے تشریف لے گئے اور ربوٰ کے مسائل ہنوز ہم نے حل نہیں کئے اس مجمل کی تفسیر ائمہ نے خوب کر دی ہے اب جو کوئی خواہ مخواہ اس آیت کی تخصیص کر کے کہ ''صرف غریبوں سے سود لینا حرام ہے اور دولت مندوں سے درست ہے اور گورنمنٹ کے پرامیسری نوٹ کی آمدنی بھی درست ہے اور رفاہ عام کے سرمایہ کا سود لینا بھی درست ہے اور ریل وغیرہ امور تمدن میں بھی سود کیلئے روپیہ دینا درست ہے'' اس کا کیا اعتبار ہے؟ پھر اس پر دہلی کے علماء پر بہتان باندھنا کہ انہوں نے ایسا فتویٰ دیا تھا صریح غلط ہے اور یہ کہنا کہ یہ مسئلہ تجارت اور ترقی ملک کے حق میں سد راہ ہے سخت بے وقوفی اور ابلہ فریبی ہے حق یہ ہے کہ سود کی تمام قسمیں حرام ہیں اور اس پر چار وعید نازل ہیں۔'' ۱۴۲

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قصاص کے متعلق نظریہ

مولانا حقانی سرسید کے نظریہ قصاص پر تنقید کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

''نیچر مفسر نے دیکھا کہ آجکل عیسائیوں میں اولیاء مقتول کے معاف کرنے سے بھی قصاص معاف نہیں ہوتا۔ضرور اس کو پھانسی ہوتی ہے اور اس بات کو اُن کی اور سب باتوں کی طرح از حد پسند کیا اور موافق عقل سلیم جانا تو اس آیت کی توجیہہ کردی کہ یہ بات ایام جاہلیت کے خونوں کی بات ہے اور لطف یہ کہ اس کے برخلاف آیت کا سیاق اور نیز قرینہ ذلک تخفیف من ربک و رحمة (البقرہ:۱۷۸) موجود ہے اور امت کا اجماع بھی ہے اور بے شمار احادیث صحیحہ بھی ہیں مگر اس نے بلا دلیل اتنا بڑا دعویٰ کرلیا شاید شرط میں عفی ماضی کا صیغہ ہے اور اس کو ایام جاہلیت پر محمول کیا ہو جو خلاف قانون نحو ہے۔'' ۱۴۳

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حوالہ جات

۱	حقانی، عبدالحق	،	مقدمہ تفسیر حقانی	،	ص:۱/۱
۲	حقانی، عبدالحق	،	مقدمہ تفسیر حقانی	،	ص:۱/۱
۳	حقانی، عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۲/۱۶
۴	حقانی، عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۲/۱۶
۵	حقانی، عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۲/۱۶
۶	حقانی، عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۸/۲۸۲
۷	حقانی، عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۴/۱۴۹
۸	حقانی، عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۲/۷۶، ۷۷
۹	حقانی، عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۲/۷۷
۱۰	حقانی، عبدالحق	،	مقدمہ تفسیر حقانی	،	ص:۱/۲۷، ۲۸
۱۱	حقانی، عبدالحق	،	مقدمہ تفسیر حقانی	،	ص:۱/۳۵
۱۲	حقانی، عبدالحق	،	مقدمہ تفسیر حقانی	،	ص:۱/۳۴
۱۳	حقانی، عبدالحق	،	مقدمہ تفسیر حقانی	،	ص:۱/۳۴
۱۴	حقانی، عبدالحق	،	مقدمہ تفسیر حقانی	،	ص:۱/۳۴
۱۵	حقانی، عبدالحق	،	مقدمہ تفسیر حقانی	،	ص:۱/۳۵
۱۶	حقانی، عبدالحق	،	مقدمہ تفسیر حقانی	،	ص:۱/۵۳
۱۷	حقانی، عبدالحق	،	مقدمہ تفسیر حقانی	،	ص:۱/۴۹
۱۸	حقانی، عبدالحق	،	مقدمہ تفسیر حقانی	،	ص:۱/۴۹
۱۹	حقانی، عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۵/۱۳۴
۲۰	حقانی، عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۵/۱۳۷
۲۱	حقانی، عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۵/۱۳۸
۲۲	حقانی، عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۵/۱۳۸
۲۳	حقانی، عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۴/۶۳
۲۴	حقانی، عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۳/۲۵۲
۲۵	حقانی، عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۳/۲۴۳، ۲۴۴
۲۶	حقانی، عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۲/۵۹
۲۷	حقانی، عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۳/۱۱۷

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۴۸	حقانی،عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۳/۱۱۵
۴۹	حقانی،عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۳/۱۱۶
۵۰	حقانی،عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۳/۱۱۷
۵۱	حقانی،عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۳/۱۱۷
۵۲	حقانی،عبدالحق	،	مقدمہ تفسیر حقانی	،	ص:۱/۴
۵۳	حقانی،عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۷/۲،۳
۵۴	حقانی،عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۵/۸۳
۵۵	حقانی،عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۳/۱۱۳
۵۶	حقانی،عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۳/۱۱۴
۵۷	حقانی،عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۸/۱۷۶
۵۸	حقانی،عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۳/۱۱۰
۵۹	حقانی،عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۴/۶۲
۶۰	حقانی،عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۵/۱۳۶
۶۱	حقانی،عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۴/۶۳
۶۲	حقانی،عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۳/۱۱۴
۶۳	حقانی،عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۴/۶۲
۶۴	حقانی،عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۳/۱۱۳
۶۵	حقانی،عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۳/۱۱۰
۶۶	حقانی،عبدالحق	،	مقدمہ تفسیر حقانی	،	ص:۱/۱۵
۶۷	حقانی،عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۴/۶۲
۶۸	حقانی،عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۵/۱۶۸
۶۹	حقانی،عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۵/۸۳
۷۰	حقانی،عبدالحق	،	مقدمہ تفسیر حقانی	،	ص:۴۴
۷۱	حقانی،عبدالحق	،	مقدمہ تفسیر حقانی	،	ص:۴
۷۲	حقانی،عبدالحق	،	مقدمہ تفسیر حقانی	،	ص:۱۲
۷۳	حقانی،عبدالحق	،	مقدمہ تفسیر حقانی	،	ص:۲۱
۷۴	حقانی،عبدالحق	،	مقدمہ تفسیر حقانی	،	ص:۲۲
۷۵	حقانی،عبدالحق	،	مقدمہ تفسیر حقانی	،	ص:۲۲
۷۶	حقانی،عبدالحق	،	مقدمہ تفسیر حقانی	،	ص:۲۴
۷۷	حقانی،عبدالحق	،	مقدمہ تفسیر حقانی	،	ص:۲۴،۲۵

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۵۸	حقانی، عبدالحق	،	مقدمہ تفسیر حقانی	،	ص:۲۵
۵۹	حقانی، عبدالحق	،	مقدمہ تفسیر حقانی	،	ص:۲۶
۶۰	حقانی، عبدالحق	،	مقدمہ تفسیر حقانی	،	ص:۲۸
۶۱	حقانی، عبدالحق	،	مقدمہ تفسیر حقانی	،	ص:۲۸
۶۲	حقانی، عبدالحق	،	مقدمہ تفسیر حقانی	،	ص:۲۸
۶۳	حقانی، عبدالحق	،	مقدمہ تفسیر حقانی	،	ص:۲۸
۶۴	حقانی، عبدالحق	،	مقدمہ تفسیر حقانی	،	ص:۲۹
۶۵	حقانی، عبدالحق	،	مقدمہ تفسیر حقانی	،	ص:۲۱
۶۶	حقانی، عبدالحق	،	مقدمہ تفسیر حقانی	،	ص:۲۱
۶۷	حقانی، عبدالحق	،	مقدمہ تفسیر حقانی	،	ص:۲۲
۶۸	حقانی، عبدالحق	،	مقدمہ تفسیر حقانی	،	ص:۲۴
۶۹	حقانی، عبدالحق	،	مقدمہ تفسیر حقانی	،	ص:۲۷
۷۰	حقانی، عبدالحق	،	مقدمہ تفسیر حقانی	،	ص:۲۷
۷۱	حقانی، عبدالحق	،	مقدمہ تفسیر حقانی	،	ص:۲۷
۷۲	حقانی، عبدالحق	،	مقدمہ تفسیر حقانی	،	ص:۲۷
۷۳	حقانی، عبدالحق	،	مقدمہ تفسیر حقانی	،	ص:۳۱
۷۴	حقانی، عبدالحق	،	مقدمہ تفسیر حقانی	،	ص:۳۱
۷۵	حقانی، عبدالحق	،	مقدمہ تفسیر حقانی	،	ص:۳۱
۷۶	حقانی، عبدالحق	،	مقدمہ تفسیر حقانی	،	ص:۱۶
۷۷	حقانی، عبدالحق	،	مقدمہ تفسیر حقانی	،	ص:۱۷،۱۸
۷۸	حقانی، عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۷/۱۴
۷۹	حقانی، عبدالحق	،	مقدمہ تفسیر حقانی	،	ص:۷
۸۰	الترمذی، محمد بن عیسی	،	السنن الترمذی	(ابواب الدعوات)	حدیث:۳۳۸۱
۸۱	الترمذی، محمد بن عیسی	،	السنن الترمذی	(ابواب الدعوات)	حدیث:۳۵۳۷
۸۲	الترمذی، محمد بن عیسی	،	السنن الترمذی	(ابواب القدر)	حدیث:۲۱۳۹
۸۳	حقانی، عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۲/۴۴
۸۴	حقانی، عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۳/۱۲
۸۵	حقانی، عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۴/۱۳۶
۸۶	حقانی، عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۴/۱۳۶
۸۷	حقانی، عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۳/۱۳۶

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۸۸	حقانی،عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۱۸۱/۴
۸۹	حقانی،عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۱۹۴/۲
۹۰	حقانی،عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۱۹۲/۱
۹۱	حقانی،عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۲۵۱/۴
۹۲	حقانی،عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۲۵۱/۴
۹۳	حقانی،عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۲۴۹/۸
۹۴	حقانی،عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۲۴۹/۸
۹۵	حقانی،عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۷۵/۳
۹۶	حقانی،عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۷۵/۳
۹۷	حقانی،عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۷۶/۳،۷۷
۹۸	حقانی،عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۱۷۴/۲
۹۹	حقانی،عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۱۷۴/۲
۱۰۰	حقانی،عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۱۷۶/۲
۱۰۱	حقانی،عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۵/۶
۱۰۲	حقانی،عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۱۷۳/۲،۱۷۴
۱۰۳	حقانی،عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۲۳۹/۵
۱۰۴	حقانی،عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۲۵۱/۵
۱۰۵	حقانی،عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۱۵۱/۲
۱۰۶	حقانی،عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۱۶۹/۲
۱۰۷	حقانی،عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۱۷۰/۲
۱۰۸	حقانی،عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۱۶۸/۲
۱۰۹	حقانی،عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۱۶۸/۲
۱۱۰	حقانی،عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۱۴۷/۴
۱۱۱	حقانی،عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۱۴۸/۲
۱۱۲	حقانی،عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۱۶۳/۲
۱۱۳	حقانی،عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۱۰۳/۲
۱۱۴	حقانی،عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۱۰۲/۲
۱۱۵	حقانی،عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۱۱۲/۲
۱۱۶	حقانی،عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۴۱/۱
۱۱۷	حقانی،عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۴۲/۱،۴۳

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۱۱۸	حقانی،عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۱/۴۳
۱۱۹	حقانی،عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۱/۳۷
۱۲۰	حقانی،عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۴/۱۱۴
۱۲۱	حقانی،عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۳/۷۳
۱۲۲	حقانی،عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۱/۴۰
۱۲۳	حقانی،عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۲/۳۶
۱۲۴	حقانی،عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۲/۳۶
۱۲۵	حقانی،عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۲/۳۷
۱۲۶	حقانی،عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۳/۲۸
۱۲۷	حقانی،عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۳/۲۹
۱۲۸	حقانی،عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۶/۲۶۱
۱۲۹	حقانی،عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۶/۸۳
۱۳۰	حقانی،عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۶/۸۳
۱۳۱	حقانی،عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۳/۴۵
۱۳۲	حقانی،عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۳/۴۵
۱۳۳	حقانی،عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۳/۴۵
۱۳۴	حقانی،عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۴/۲۹
۱۳۵	حقانی،عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۴/۲۹
۱۳۶	حقانی،عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۴/۲۹
۱۳۷	حقانی،عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۴/۱۱
۱۳۸	حقانی،عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۴/۱۱
۱۳۹	حقانی،عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۴/۱۱
۱۴۰	حقانی،عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۳/۱۶۵
۱۴۱	حقانی،عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۳/۱۶۶
۱۴۲	حقانی،عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۳/۸۴
۱۴۳	حقانی،عبدالحق	،	تفسیر حقانی	،	ص:۳/۲۶

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

باب پنجم

افکار سرسید اور تنقید حقانی کے ثمرات ۔۔۔۔۔۔۔ایک جائزہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فصل اول

تہذیبی وسماجی اثرات

قوموں کی ثقافت ان کے فکر ونظریہ کی مرہون منت ہوتی ہے۔ ہر قوم اپنے رہن سہن اور مزاج کو اپنے فکر اور نظریہ کے مطابق اختیار کرتی ہے۔ قومی زندگی میں جب کبھی تہذیبی یا ثقافتی تبدیلیاں آتی ہیں۔ اس کی دو وجوہات ہوتی ہیں۔ ایک تو اس وقت تہذیب اور ثقافت بدلتی ہے جب دو قوموں کا ٹکراؤ ہو اور ان میں سے ایک تہذیب مضبوط ہو تو مضبوط تہذیب کمزور کے اندر تبدیلیاں کر دیتی ہے۔ اور دونوں کے ملاپ سے قدرے مختلف تہذیب جنم لیتی ہے۔

دوسری وجہ جب زندگی کا زاویہ فکر تبدیل ہوتا ہے تو فکری زاویوں کی وجہ سے تہذیب وثقافت کے اندر ردوبدل ان زاویوں کی وجہ سے معرض وجود میں آتا ہے۔ سرسید اور مولانا حقانی کے عمل وفکر دونوں نے ثقافت کو متاثر کیا۔ ایک تو وہ عقلی نظام لانے کا سبب بنے اس وجہ سے وہ سارے تہذیبی مظاہر اور رجحانات یکسر تبدیل ہو گئے جن کی بنیاد وہم اور توہم پرستی پر تھی اور فرسودہ خیالات جن کا عقل سے دور کا بھی رشتہ نہیں بن سکتا ہے وہ ساری رسومات ایک ایک کر کے مٹتی چلی گئیں۔ اس وجہ سے معاشرہ اور تہذیب کے اندر توڑ پھوڑ کا عمل شروع ہوا ہے۔ دوسرا چونکہ سرسید مغربی تہذیب کو اپنے ہاں رائج کرنا چاہتے تھے۔ وہ اس وقت حاکموں کی تہذیب تھی اور ظاہر ہے کہ حاکموں کے طور طریقوں کو ہمیشہ معاشرہ میں عزت وقدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اس لیے اس نے معاشرہ کے اندر تبدیلی کی۔ اس حقیقت کو ڈاکٹر قدسیہ خاتون سرسید کے حوالے سے یوں بیان کرتی ہیں۔

> ''سرسید کو اس وقت کے ہندوستانی معاشرہ پر مغرب کی فوقیت کا اعتراف تھا یہی وجہ ہے کہ انہوں نے مغرب کی علمی قدروں کے ساتھ اس کی تہذیبی اقدار کا بھی خیر مقدم کیا۔ طرز معاشرت لباس، کھانا، پینا، طور طریقے سب مغربی اختیار کیے۔ اس کا بڑا سبب یہ تھا کہ وہ ہندوستانیوں کو ان کے سخت اور مضر رسمی طریقوں سے نجات دلانا چاہتے تھے۔ ان کی گہری نظر ہندوستانی بود و ماند کی تمام خامیوں پر تھی۔ چنانچہ اپنے مضمون ''تکمیل'' میں لکھتے ہیں ''ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں دو قسم کی قومیں ہیں جن میں سے ایک نے اپنے باپ دادا کو درجہ کمال کو پہنچا ہوا نا قابل سہو وخطا سمجھ کر ان کے علوم وفنون اور طریق معاشرت کو کامل سمجھا اور اس کی پیروی پر جمے رہے اور اس کی ترقی اور بہتری پر نئی چیزوں کے اخذ وایجاد پر کچھ کوشش نہیں کی۔ اور دوسری نے کسی کو کامل نہیں سمجھا اور ہمیشہ ترقی میں نئے نئے علوم وفنون اور طریقہ معاشرت کے ایجاد میں کوشش کرتے رہے۔ اب دیکھ لو کہ ان دونوں میں کیا فرق ہے اور کون تنزل اور کون ترقی کی حالت میں ہے''۔ یہ محض نقالی مرعوبیت نہ تھی سرسید دیکھ رہے تھے کہ مغربی طرز انگریزوں کے ذریعے لامحالہ اثر کرتا جاتا ہے۔ نئے ہندوستان میں اگر تہذیبی وحدت کی خواہش ہے تو اس میں نئے مغربی اقدار کو بھی جذب کرنا ناگزیر ہے''۔ [1]

وہ مزید لکھتی ہیں۔

> ''اس وقت زوال یافتہ قدامت اور رسم ورواج کے سخت بندھن تمام ملک وقوم کو ایک لعنتی قید میں گرفتار کر چکے تھے۔ اسراف معاشرہ کا لازمی جز بن گیا تھا۔ شادی بیاہ، ختنہ، مونڈن، پیدائش اور موت کے مواقع پر اس قدر فضول خرچیاں ہوتی تھیں۔ کہ اگر اسراف کرنے والا دولت مند ہوتا تو اس کی تمام دولت ایسے ہی رسمی کھیل تماشوں کی نذر ہو کر خود اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے یا اس کی آئندہ نسل کیلئے مفلسی کا پیغام بن جاتی۔ اگر دولت مند نہ ہوتا تو بدترین صورتحال یہ ہوتی کہ افراد قرض لینے پر مجبور ہوتے۔ سودی قرضوں کی مستقل مصیبت میں گرفتار ہو کر کوڑی کوڑی کے محتاج ہو جاتے۔ آئے دن قرض خواہوں کے تقاضے اور زبردستیاں انہیں ذلیل و خوار زندگی پر مجبور کر دیتیں۔ سرسید اپنی ایک تقریر میں مسلمانوں کی مفلسی کے اسباب پر ڈائریکٹر انسٹرکشن مدراس کا ایک جملہ دہراتے ہیں۔ ''ہم خوب جانتے ہیں کہ مسلمان بے فائدہ رسموں میں فضول خرچی کرتے ہیں۔ اور اس قدر فضول خرچ ہوتے ہیں کہ انجام کار مصیبت میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ لیکن اپنے لڑکوں کی تعلیم میں روپیہ خرچ کرنا نہیں چاہتے''۔ ۲

وہ اپنی تحریروں اور تقریروں میں مستقل غلط رسومات اور طریق معاشرت کے نقصانات واضح کر کے عوام کو اس سے متنبہ کرنے کی کوشش کرتے تھے ایک جگہ لکھتے ہیں۔

''رسم و رواج تبدیل کرنا اور ان کو ترقی دینا انسان کیلئے ایسا ہی ضرور ہے جیسا کہ ہر انسان کو زندگی قائم رکھنے کیلئے سانس لینا اور متغیر ہوا کو نکالنا اور تازہ حیات بخش ہوا کو اندر کھینچنا''۔ ۳

یہی نہیں بلکہ انہوں نے عملی طور پر بھی رسمی فضول خرچیوں سے اجتناب کیا۔ چنانچہ اپنے پوتے راس مسعود کی بسم اللہ کے موقع پر اس میں خرچ ہونے والی رقم کو کالج فنڈ میں دے دیا۔ اکثر اپنے دوستوں سے ان کی ضیافت میں خرچ ہونے والی رقم کو کالج فنڈ کیلئے مانگ لیتے تھے تاکہ بطور اسراف کھانے پر خرچ ہونے کے بجائے۔ یہ رقم تعمیری کاموں میں لگا دی جائے۔ انہوں نے ایسے موقعوں کیلئے سادگی پر زور دیا۔ رسمی فضول خرچیوں کی مذمت کی۔ ان کی خواہش تھی کہ لوگ قومی فوائد کے کاموں پر اتنے ہی شوق سے خرچ کرنا سیکھیں۔ وہ ہمیشہ اس بات کیلئے کوشاں رہتے کہ غریب ہندوستان کی دولت اور مفلس مسلمانوں کا سرمایہ رسمی اسراف کی نذر ہونے کے بجائے قومی تعمیر و ملکی فوائد کے کاموں میں صرف ہو۔

سرسید انگریز کی پابندی اوقات کو بہت پسند کرتے تھے۔ خود بھی ہمیشہ اس پر عمل کرتے تھے۔ صبح سے شام تک ان کا سارا وقت نہایت پابندی کے ساتھ تصنیفی مشغولیت مطالعوں، کالج کی مصروفیات اور دیگر قومی کاموں کیلئے وقف تھا۔ ان شدید مصروفیات کے باوجود دوستوں سے بے تکلف صحبتیں رہتی تھیں۔ اس وقت باطمینان دوستوں اور مہمانوں کے ساتھ کھانے اور دل چسپ گفتگو میں وقت صرف ہوتا۔ نماز، روزہ کی پابندی کا بھی خیال رکھتے۔ غرض ان کی روزانہ زندگی میں ضبط و نظم ایسی عمدگی کے ساتھ داخل تھا کہ روزمرہ کے سارے کام بڑی عمدگی سے انجام پاتے، وہ بے نظمی اوقات کو بہت برا سمجھتے تھے اور اسے وقت اور عمر کی بربادی جانتے تھے۔

کھانے پینے کے مغربی آداب کو سرسید مشرقی طریقوں پر فوقیت دیتے تھے۔ کانٹے چھری سے کھانا، زیادہ نفاست پسندی اور صفائی جانتے تھے۔ انہوں نے اعلانیہ انگریزوں کے ساتھ کھانا پینا اختیار کیا۔ آج ہمارے کیلئے یہ کوئی عجیب بات نہیں اور نہ کوئی ناپسندیدہ امر ہے مگر سرسید اس کے باعث مسلمانوں میں عیسائی اور فرنگی مشہور ہوئے۔ کچھ لوگوں نے انہیں انگریزوں کا خوشامدی کہا کسی نے ان کی بے دینی کے طعنے دیئے۔ مذہبی حلقوں میں خلاف سنت شعار اختیار کرنے پر نفرت و حقارت کے موجب ہوئے۔ مگر سرسید کے پاس ان سب اعتراضات کیلئے دلیلیں تھیں۔ اور وہ اس شور و شغب کی مطلق پرواہ نہ کرتے تھے۔ سرسید کا اعتراض تھا کہ کھانے تو ہوں فرعونی اور طریق کھانے کا ہو مسنونی، وہی مولوی و ملا جو طریق خورد و نوش میں سنت ادا کرنے پر اس قدر اصرار کرتے ہیں۔ مرغ و ماہی کی لذتیں چھوڑ کر کبھی کھانے کی سادگی میں سنت اختیار کرنا نہیں چاہتے۔

اس سلسلے میں ان کی یہ تحریر بہت دل چسپ ہے جس میں انہوں نے مسلمانوں کے دسترخوان اور طریق طعام کا نقشہ کھینچ کر قابل اصلاح باتوں کو بڑی خوبی سے واضح کیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''اس ایک دستر خوان پر کوئی فیرنی کلمہ شہادت کی انگلی سے اور کوئی بخیر چاروں انگلیوں سے چاٹ رہا ہے۔کوئی پلاؤ میں اردی کا سالن ملا ملا کر کھا رہا ہے کسی نے سالن ملا ہوا پلاؤ کھا کر، نان آبی سے لتھڑا ہوا پنجہ مبارک پونچھ کر روٹی کو سالن میں ڈبو ڈبو کر کھانا شروع کیا ہے۔کسی نے بورانی کے پیالے کو منہ لگا کر سڑ پا بھرا اور یہ کہہ کر واللہ بڑی تیز ہے۔اوہ اوہ کرنا شروع کیا ہے۔تمام جھوٹے برتن اور نیم خوردہ کھانا اور چچوڑی ہوئی ہڈیاں اور روٹی کے ٹکڑے اور سالن میں کی نکالی ہوئی مکھیاں سب سے آگے رکھی ہوئی ہیں۔اس عرصے میں جو شخص پہلے کھا چکا ہے اس نے ہاتھ دھونا، کھنکار کر گلا صاف کرنا اور بیسن سے دانت رگڑنے اور زبان پر دو انگلیاں رگڑ رگڑ کر زبان صاف کرنا شروع کیا ہے اور بے تکلف بیٹھے کھانا نوش فرماتے ہیں''۔[1]

اس سے ان کا یہ مطلب نہ تھا کہ سارے ہندوستانی کانٹے چھری استعمال کرنے لگیں۔اسی مضمون کے آخر میں کہتے ہیں۔پس ہمارا مقصد یہ ہے کہ طریقہ تناول طعام کے کچھ قواعد سوچے جاویں اور یہی طریقہ جو دستر خوان پر بیٹھ کر کھانے کا ہے اسی میں اصلاح کی جاوے۔سرسید نے مغربی طریقہ زندگی اس لئے اختیار کیا تھا کہ ان کے نزدیک قدیم طریقوں کی بہ نسبت نئی معاشرت لائق ترجیح تھی۔خود بھی انگریزی پوشاک استعمال کرنے لگے تھے۔اور علی گڑھ کالج کے طلباء کیلئے بھی یہی لباس انتخاب کیا تھا۔چونکہ لباس کی یک رنگی کو سرسید اتحاد و یگانگت کی خاص نشانی سمجھتے تھے اور ہندوستان میں کوئی ایک ملکی پوشاک رائج نہ تھی اس لیے بھی ان کی نظر انتخاب مغربی لباس پر گئی جو یوں بھی انگریزوں کے اثر سے رائج ہوتی جا رہی تھی چنانچہ طلبہ سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں۔ایک اور چیز اس وحدت و یگانگت کے پیدا کرنے کی ہے وہ کیا ہے تم سب بورڈروں کا خصوصاً کالج کے طالب علموں کا ایک سا لباس ہونا اور شاید کچھ لوگ ایسے بھی ہوں جو اس کو تسلیم نہ کرتے ہوں اور کہتے ہوں کہ ظاہری چیزوں کو اندرونی جذبات کی اصلاح سے کیا تعلق ہے مگر یہ محض غلطی ہے مذہب کی رو سے دنیا کے برتاؤ کی رو سے بہت سی ظاہری چیزیں ایسی ہیں جو اندرونی جذبات پر اثر کرتی ہیں۔تمہارا ایک سا لباس ہونا اندرونی جذبات کی اصلاح کا ہمیشہ محرک ہوگا۔مغربی پوشاک کے انتخاب سے ان کا مقصد مغرب سے مانوسیت پیدا کرنا بھی تھا۔

سرسید تہذیب و ثقافت کے لحاظ سے بھی عقل و شعور استعمال کرنے کے داعی تھے۔تقلید اور لاشعوری انداز سے کسی کام کو کرنے کے قائل نہیں تھے۔اور ان کا تہذیب کے بارے میں یہی نظریہ تھا۔کہ زبان و ادب ہو، رسومات ہوں، معاشرت ہو، معیشت ہو ان سب عوامل میں جذباتی انداز فکر بالکل غلط ہے۔اس میں شعور کو استعمال کیا جائے اور اگر شعوری طور پر کوئی بات غلط ہے تو لوگوں کی پرواہ کیے بغیر اس کو معاشرہ میں عمل میں لایا جائے اس کی مخالفت کی طرف دیکھنا بالکل جائز نہیں ہے۔اشتیاق حسین قریشی سرسید کے اس طرز عمل کی طرف کچھ یوں اشارہ کرتے ہیں۔

''انہوں نے مسلم ملت کو قرون وسطیٰ سے نکال کر عہد جدید میں داخل کر دیا، اسے پس ماندہ پایا اور ترقی کے راستے پر لگا دیا، تا کہ وہ تیزی کے ساتھ بدلنے والی دنیا کے تقاضوں کو پورا کر سکے۔انہوں نے آنکھ کھول کر دیکھا تو مسلم ملت پامال، اپنے حاکموں کی نظروں میں مشتبہ اور اپنی ناممکن الحصول خواہشات کا شکار تھی اور جب انہوں نے اسے چھوڑا تو وہ اس قابل تھی کہ شدت سے بدلے ہوئے حالات کا مقابلہ کر سکے۔وہ اپنی قوم کی سیاسیات، ثقافت ادب اور مذہبی تفکر اور اپنا اثر چھوڑ گئے۔دنیا انہیں بہت عرصے تک ایک مورخ کی حیثیت سے جس نے متون کی تہذیب و ترتیب اور آغاز کی تحقیق و تفتیش کی ایک مصنف کی حیثیت سے جس نے اردو نثر کو تصنع کی زنجیروں سے آزاد کیا اور اس میں صاف و شفاف پانی کی طرح قدرتی روانی پیدا کی۔ایک مذہبی مفکر کی حیثیت سے جس نے اسلام کی ایسی تفسیر کی بنا ڈالی۔جو عہد حاضر کے ذہن کیلئے موزوں ہے ایک ماہر تعلیم کی حیثیت سے جو اپنی ملت کی تعلیمی ضروریات کے متعلق

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

صفائی کے ساتھ سوچ سکتا تھا۔ایک سماجی مصلح کی حیثیت سے ایک پر جوش انسانی دوست کی حیثیت سے اور انصاف و صداقت کیلئے ایک بے خوف نبرد آزما کی حیثیت سے یاد رکھے گی''۔۵

ان کی سب سے زیادہ قابل قدر خوبی حقیقت پسندی تھی۔جس نے جذباتی خام خیالیوں کے تار عنکبوت کو ہٹا دیا۔ان کی عملی فطرت نے ہمیشہ یہ کوشش کی کہ حال کو بہتر مستقبل کے سانچہ میں ڈھالا جائے اور انہوں نے کبھی یہ خیال نہیں کیا۔کہ مستقبل کی عمارت غیر اطمینان بخش حال کی بنیادوں پر تعمیر کی جاسکتی ہے۔وہ جس مقصد کو قابل قدر سمجھتے تھے اس کیلئے غیر ہر دلعزیزی سے نہیں گھبراتے تھے۔اگر وہ کسی چھوٹے معاملے میں بھی یہ سمجھتے تھے کہ وہ حق پر ہیں تو انہیں کسی دوست یا دشمن کی خوشنودی کیلئے اپنی حکمت عملی سے انحراف کرنے پر آمادہ نہیں کیا جاسکتا تھا۔

سرسید کی فکر سے جو طبقہ پیدا ہوا اس کے اندر نسلی اور مذہبی تعصب کسی حد تک کم ہے اور یہ ایک خوش آئند بات ہے کہ وہ معاشرہ جو نسلوں اور فرقوں میں بٹ گیا تھا اس کو جوڑنے کا کام سرسید نے کیا۔اس تعصب کو ختم کرنے کے لیے ان کا نظریہ یہ تھا۔

''یہ کالج ہمارے عہد کے نسلی تعصبات کو ختم کرے گا۔مشرقی علوم کی تحصیل و تفہیم کو مغربی علم و ادب اور سائنس سے ہم آہنگ کیا جائے گا''۔۶

پروفیسر عزیز احمد اس فکر کو کچھ یوں بیان کرتے ہیں۔

''یہ ادارہ قصداً کیمبرج یونیورسٹی کے نمونہ پر بنایا گیا لیکن جلد ہی اس نے اپنی انفرادی حیثیت اور اختصاص حاصل کر لیا بنیادی طور پر وہ مسلمانوں کے لیے قائم کیا گیا لیکن وہ بین المسالکی تھا۔سنیوں اور شیعوں دونوں کی مذہبی تعلیم کا اس میں انتظام تھا اور ہندو طلبہ کی بھی اس میں معقول تعداد تھی۔''۷

ہندوستان میں مسلمانوں کی قومی تنظیم فکر اور فکر حقانی سرسید کی مرہون منت ہے بلاشبہ ایک غیر مسلم ماحول نے مسلمانوں میں ایک قسم کی یکجہتی پیدا کر دی تھی۔جسے ہندوؤں کی چھوت چھات سے استقامت ملتی تھی۔لیکن یہ یکجہتی منفعلانہ تھی اور اس میں کئی رخنے تھے۔ذاتوں اور قوموں (مثلاً افغانوں اور مغلوں) کی کشمکش شیعہ سنی اختلافات، صوبہ دارانہ بُعد اور تعصبات، غدر میں دہلی کی تباہی سے یہ شیرازہ اور بھی منتشر ہو گیا۔سرسید نے مسلمانوں کو من حیث القوم اکٹھا کیا اور وہ بھی مثبت مقاصد کیلئے اب ہندوستان میں مسلم قومیت کا آوازہ پہلی مرتبہ بلند ہوا۔ایک نیا تعلیمی، ذہنی ادبی اور سیاسی مرکز قائم ہوا۔مسلمانوں کو فرقہ وارانہ صوبہ جاتی اور ذاتیات کے اختلافات کے باوجود باہمی محبت اور قومی جوش و جذبہ کے ساتھ مل کر کام کرنے کا سبق ملا۔

سرسید نے عورتوں کی تعلیم و تربیت اور گھریلو زندگی سے ہٹ کر دیگر شعبہ جات میں عورتوں کے کردار کا راستہ کھولا اس سے پہلے عورتوں کی تعلیم یا دیگر شعبہ ہائے زندگی میں عورتوں کو اتنی اہمیت نہیں دی جاتی تھی۔عورت گھر کی چار دیواری کے اندر تھی۔یہ سرسید کا اثر ہے کہ وہ عورت کو چار دیواری سے باہر لائے اور عمل زندگی میں اس کو ڈال دیا۔

''سرسید احمد خان نے ۷۰۔۱۸۶۹ء میں اپنے سفر یورپ کے دوران مسلمان عورتوں کی تعلیم اور کسی حد تک ان کی آزادی کے مسئلہ پر نظر ڈالنے کی ضرورت محسوس کی تھی۔بہر حال ان کے تعلیمی پروگرام میں اس مسئلہ کو ثانوی حیثیت حاصل ہوئی۔۱۸۸۷ء میں دیوبند کے قدامت پسند مدرسہ کے ایک فاضل ممتاز علی، سید احمد کے زیر اثر آ گئے۔انہوں نے کچھ انگریزی کی تعلیم حاصل کی اور تمام زندگی علی الاعلان عورتوں کی تعلیم اور مسلم ہند میں ان کے حقوق کی حمایت میں صرف کر دی۔ان کا رسالہ ''تہذیب نسواں'' عورتوں کیلئے سرسید احمد خان کے ''تہذیب الاخلاق'' کا مثنیٰ تھا''۔۸

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

محمد صدیق قریشی سرسید کے بارے میں لکھتے ہیں

''وہ عورتوں کو مردوں کے برابر حقوق دینے کے حق میں ہیں۔''۹

سرسید نے باوجود اس کے کہ وہ تعلیم نسواں کے حامی تھے۔ بڑی مصلحت اور دور اندیشی سے کام لیا اور ان کا یہ رویہ عصری حالات کے مطابق بھی تھا۔ بہر طور وہ، مولانا حقانی اور ان کے رفقاء تعلیم نسواں سے غافل نہیں رہے۔ ۱۸۸۸ء میں کانفرنس نے ایک تجویز منظور کی۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ مسلمان لڑکیوں کی تعلیم کیلئے مکتب قائم کریں۔ جو مذہب جس میں عورتوں کی تعلیم پر زور دیا گیا اسلام اور طریقہ شرفاء اسلام کے مطابق اور اس کے مناسب ہوں۔ اس کے تین ہی سال بعد پھر ایک تجویز ہمارے سامنے آتی ہے۔

تعلیم کی نوعیت کے بارے میں یہ صراحت بھی ملتی ہے۔ تعلیم ایسی ہونی چاہیے کہ عورتوں کی مذہبی علمی اور اخلاقی زندگی میں ترقی ہو تا کہ ان کی مبارک تربیت سے آئندہ نسلیں فائدہ اٹھائیں۔ ۱۸۹۹ء میں کانفرنس نے یہ تجویز منظور کی کہ ہر صوبے میں صدر مقام پر ایک مدرسہ خاص لڑکیوں تعلیم کیلئے جاری کیا جائے اس سال کانفرنس میں شعبہ تعلیم نسواں کا اضافہ ہوا۔

عورتوں کی تعلیم کے اس نظریہ نے آگے چل کر برصغیر پاک و ہند کے اندر عجیب و غریب تبدیلیاں کیں جس سے اس کی پرانی ثقافت اور تہذیب یکسر بدل گئی۔ تعلیم سے پہلے عورتوں کی شادی کا مسئلہ والدین کی مرضی سے طے ہوتا اور اکثر خاندانوں میں ہی شادیاں ہوتی تھیں۔ لیکن اب شادیاں والدین بچیوں کی مرضی سے کرنے پر مجبور ہیں اور خاندانی نظام ٹوٹ پھوٹ چکا ہے۔ یہ سرسید کی فکری تحریک کے عملی نتائج ہیں۔ پہلے عورت گھر کی چار دیواری سے باہر نہیں جاتی تھی۔ لیکن اب عورت ملازمت، سیاست تحریکوں کی قیادت سب میں حصہ دار ہے۔ لیکن اس کے ساتھ حیاداری اور پرانے وقتوں میں جو عورت کا مقام خیال کیا جاتا تھا۔ عورتوں کی تعلیمی صورتحال اور دیگر عوامل نے اس کو ختم کر دیا۔ اور اب ہماری تہذیب کافی حد تک مغربی تہذیب کی جانب سفر پذیر ہے۔ جیسے جیسے تعلیمی نظام پرانا اور راسخ ہوتا جا رہا ہے مغربی تہذیب کا رسوخ اتنی تیزی سے اپنی خامیوں سمیت ہماری تہذیب کو لپیٹ میں لے رہا ہے۔ اداکاری اور دیگر ایسے فضول شغل تعلیم سے پہلے برے شمار ہوتے تھے۔ لیکن اس فکری موڑ نے مغربی اثر کو ایسے پھیلایا کہ اب باعزت پیشے شمار ہونے لگے۔ اور شریف لوگ بھی ان پیشوں کو اختیار کرنے میں فخر محسوس کرنے لگے۔

سرسید کی فکر نے دوسری قوموں سے اخذ و تقابل کا راستہ ہموار کیا۔ اور ہماری تہذیب میں اخذ و تقابل کا یہ رجحان زندگی کے ہر شعبہ میں سرایت کر گیا۔ ہماری صنعت و حرفت ہو یا سیاست و تجارت ہر شعبہ زندگی میں اخذ و تقابل کا رجحان بڑی تیزی سے پھیلا۔ سرسید سے پہلے دوسری اقوام سے اخذ کرنا اور ان سے تقابل کرنا منحوس خیال کیا جاتا تھا۔ چونکہ ان قوموں کو بدتر اور مسلمانوں کو افضل خیال کیا جاتا تھا۔ لیکن سرسید نے یہ تحریک پیدا کی کہ جو قوم کسی شعبہ زندگی میں ترقی یافتہ ہے۔ اس کی خوبیوں سے سیکھا جائے اور آگے بڑھنے کا رجحان پایا جائے۔ اس طرز فکر سے ندوۃ العلماء کا مدرسہ معرض وجود میں آیا۔ پھر بعد میں مدارس نے کالجوں سے تقابل اور کالجوں کے نظام سے تقابل کی روشنی میں اپنا طریقہ کار بدلا اور اس وقت بہت سے مدارس کا طریقہ کار کالجوں جیسا ہے۔ ایک دور تھا کہ لاؤڈ سپیکر پر اذان دینا جرم خیال کیا جاتا تھا اور اب کمپیوٹر کو تحقیق کیلئے علماء کرام استعمال کر رہے ہیں اور ایسے ایسے مدارس ہیں جن میں کمپیوٹر کی تعلیم اس لیے دی جاتی ہے تا کہ تعلیمی کام میں ترقی پیدا ہو مدارس اور مدارس کے پروردہ حضرات کا اس حد تک نئی تہذیب کے اثرات کا قبول کرنا صرف اور صرف سرسید کی فکر و نظر کا مرہون منت ہے۔ اب یہ خیال کرنا کہ مولوی اس حد تک ضدی اور قدامت پرست ہے جیسے سرسید کے زمانہ میں تھا۔ کافی حد تک اس میں کمی آ گئی ہے اور حقائق کو سب نے تسلیم کر لیا ہے۔ یہ بات کسی شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ سرسید کی فکری تحریک کیلئے مغربی تہذیب و ثقافت کو ماڈل اور نمونے کی حیثیت حاصل رہی وہ مغربی افکار، نظریات علوم و فنون، رسوم و رواج، آداب معاشرت سبھی میں انگریزوں کی نقالی کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ وہ مغربی تہذیب کو اس حد تک قابل اتباع سمجھتے ہیں کہ انگریزوں کے طور طریقوں کو قابل عمل قرار دیتے ہیں اور انگریزی تہذیب و

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ثقافت کو اپنے زمانے میں قابل تقلید سمجھتے ہیں کہ ایک منصف مزاج آدمی / مصنف / نقاد یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ سرسید مغربی تہذیب سے مرعوب ہے اور انگریزی کا خوشامدی ہے۔ وہ انگریزی تہذیب وثقافت میں حق و ناحق، جائز و ناجائز اور غلط و صحیح کا امتیاز کیے بغیر سب کچھ لے لینے کا عادی اور رسیا ہے جبکہ مفسر حقانی خذ ما صفا و دع ما کدر کے اصول پر عمل پیرا نظر آتا ہے۔ وہ مغربی تہذیب سے اچھی چیز لے لینے کا اور بری چیز ترک کر دینے کا داعی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مرور زمانہ کے ساتھ طور طریقے بدلے ہیں۔ تمدن، معاشرت اور رہن سہن میں تبدیلی واقع ہوئی ہے۔ یہ وقتی اور عصری تقاضا تھا اور اب ہے کہ ہر چیز اپنا ارتقائی سفر طے کر رہی ہے ان تبدیلیوں کا اعزاز کسی قدر سرسید کو ضرور جاتا ہے لیکن اہل اسلام آج بھی اسلامی طور طریقوں کو قابل اتباع سمجھتے ہیں، انہیں طور طریقوں میں اپنی دینی اور دنیوی کامیابی سمجھتے ہیں اس اعزاز کا مستحق مفسر حقانی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فصل دوم

قومی وسیاسی اثرات

سرسید کے زمانہ میں ہندوستان کے اندر مسلمانوں کے سیاسی حالات مخدوش صورت اختیار کر چکے تھے وہ اس حالت میں نہیں تھے کہ کسی طرح اپنی سابقہ صورت حال کو بچا سکیں اندرونی اور بیرونی سازشوں نے مسلمانوں کو انتہائی کمزور کر دیا تھا۔

ان حالات میں مسلمانوں کے دو گروہ تھے۔ ایک گروہ یہ خیال کرتا تھا کہ انگریزوں کو یہاں سے نکال دیا جائے تو باقی حالات مسلمانوں کے حق میں ہو جائیں گے۔ حالانکہ ایسا نہیں تھا اس لئے کہ اگر مسلمانوں کے اندرونی حالات پہلے سے مضبوط ہوتے اور انکے حق میں ہوتے تو انگریز آتے ہی کیوں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان لوگوں نے مسلمانوں کی اس وقت کی سیاسی صورت حال کا جائزہ لینے کے بعد جو فیصلہ کیا وہ جذبات پر مبنی تھا۔ شعوری اور بالغ نظری کا فیصلہ نہ تھا۔ مگر چونکہ سرسید عقل اور عقل پسندی کے فیصلوں کو پسند کرتے تھے۔ انھوں نے حالات کا جائزہ لینے کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ اب مسلمانوں کی سیاسی زندگی انگریزوں سے ٹکراؤ پر نہیں چل سکتی بلکہ ان کی معاونت کا طریقہ ہی قابل عمل ہے۔ اس لیے انھوں نے سیاسی حالات اس رخ پر ڈالنے کے لیے سب سے پہلے مسلمانوں اور انگریزوں کے درمیان نفرت کو کم کرنے کے لیے ''اسباب بغاوت ہند'' لکھی اور دوسری کتاب جس میں مسلمانوں کی عیسائی اقوام کے ساتھ مطابقت اور قربت پر زور دیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ انگریزوں کے قریب رہنے کا موقع ملا ان حقائق کو اگر سرسید کی اپنی زبان میں دیکھنا مطلوب ہو تو ''اسباب بغاوت ہند'' میں انھوں نے جو پانچ اصول بیان کیے۔ ان کو پڑھ لیجیے ان کا مطمع نظر سوائے اس کے اور کوئی نہیں کہ نفرت کی فضا کو ختم کر کے محبت کی فضا پیدا کی جائے۔ دوسرا ان میں ایک اہم بات جو وہ بتا گئے اور اب بھی ہندوستان اور پاکستان کی حکومتوں کو اس کی ضرورت ہے کہ مذہب سے سروکار نہ رکھا جائے۔

پوری مذہبی آزادی ہو لیکن گورنمنٹ اور رعایا کا آپس کا تعلق ایمانداری اور سچائی پر قائم ہو۔ ایک دوسرے پر بھروسہ کیا جا سکے اور وفاداری کو نبھایا جائے۔

سرسید کے اس زاویہ فکر کو ''سرسید کے سیاسی افکار'' کے مصنف کچھ یوں بیان کرتے ہیں۔

> ''غدر کے بعد وہ مسلمانوں کی تباہی سے بہت پریشان تھے۔ اور ان کی حالت ایک ایسے آدمی کی سی تھی جس کے مکان میں آگ لگ گئی ہو اور وہ بقیہ حصہ کے بچانے میں مصروف ہو۔'' [1]

سرسید نے دوران غدر یہ اچھی طرح سمجھ لیا تھا کہ جو تحریک انگریزوں کے خلاف چلائی گئی اس میں جان نہیں ہے۔ دوسرے مغل حکومت اپنی قوت کھو چکی ہے۔ تیسرے عام مسلمانوں کی حالت بھی اچھی نہیں ہے۔ اگر ان تمام کمزوریوں کے باوجود انگریز ہندوستان سے چلے بھی گئے تو یہ خوش فہمی ہے کہ مسلمان پھر ہندوستان کے حکمران بن جائیں گے کیونکہ ملک میں متعدد طاقتیں مسلمانوں کی کمزوریوں کے باعث اس قدر قوت پا چکی تھیں کہ اب مسلمان اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ اس کے علاوہ ڈچ اور فرانسیسی جو انگریزوں سے زیادہ ظالم اور غیر مہذب تھے۔ وہ انگریزوں کے مغلوب ہونے پر ہندوستان کے حکمران بن جاتے۔

سرسید کے ذہن میں یہ ساری باتیں تھیں چنانچہ انھوں نے بہت سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا کہ مسلمانوں کو غدر میں حصہ نہیں لینا چاہیے تھا۔ اور اگر لیا ہے تو جلد انگریز سے دوستی کر لینا چاہیے۔ اس خیال کو انھوں نے اپنے ذہن میں قائم کر لیا اور آخر وقت تک ہر جگہ اس کی حمایت کرتے رہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مغرب کے ساتھ دوستی اور معاونت کی پالیسی پاکستان بننے کے بعد بھی ویسی ہی ہے۔ جیسے ۱۸۵۷ء کے وقت تھی۔ اب بھی ہم تمام حالات کے باوجود انگریزوں کی دوستی کا دم بھرتے ہیں۔ اور وہ خوف جو اس وقت سرسید کے ذہن میں تھا کہ انگریزوں سے دوستی کے بغیر ہمارا ہندوستان میں برسر اقتدار رہنا ممکن نہیں کسی حد تک ہمارے آج کے سیاستدانوں کے اندر بھی باقی ہے۔ آج پاکستان کا کوئی حکمران اپنے آپ کو مستقل اور مضبوط نہیں سمجھتا۔ جب تک اس کی انگریزوں سے دوستی نہ ہو اور اس کی حکمرانی کی توثیق اہل مغرب نہ کریں۔

سیاسیات میں سید احمد خان حقیقت پسند تھے۔ ان کا سیاسی مسلک خود ان کی تعریف کے مطابق انتہا پسندی میں تھوڑی سی معاشی اشتراکیت کا امتزاج تھا۔ مگر اسی سانس میں انہوں نے یہ بھی کہا کہ ان کا مذہب یہ چاہتا ہے کہ اگر حالات انہیں کسی اجنبی حکومت کا محکوم بنا دیں تو وہ اس حکومت کے وفادار رہیں۔ اس طرح جمہوریت کے اعلیٰ اصولوں پر عقیدہ رکھنے کے باوجود ان کے سیاسی افعال اور حکمت عملی اس غالب خیال کے ماتحت رہی کہ حکومت بہت زیادہ مضبوط ہے اور اسے مسلمانوں کی جدوجہد سے ہٹایا نہیں جا سکتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے مفادات مشترک ہیں، کیوں کہ وہ ایک ہی سرزمین کے باشندے ہیں۔ اس لئے آغاز کار میں ان کی حکمت عملی بعض مشترک مقاصد کے حصول کی طرف راہنمائی کرتی تھی۔ اس کی تعریف اس طرح کی جا سکتی ہے کہ وہ نمائندہ اداروں کی طرف ایک ترقی پسندانہ اقدام تھا۔ ۱۸۵۷ء کی بغاوت کے اسباب پر جو رسالہ انہوں نے لکھا تھا اس میں برطانوی ہند کی مجلس مقننہ میں ہندوستانی ارکان کی غیر موجودگی پر بڑا زور دیا تھا۔ لوکل سیلف گورنمنٹ کے لئے میونسپل اور ڈسٹرکٹ بورڈوں کے قیام کا جو مسودہ قانون پیش کیا گیا تھا اس پر تقریر کرتے ہوئے انہوں نے اس واقعے پر بڑا اطمینان ظاہر کیا تھا کہ ہندوستانی ''خود امدادی اور خود اختیاری'' کے اصولوں کو سیکھنے والے ہیں۔ اسی طرح انہوں نے اس مسودۂ قانون کی بھی حمایت کی تھی جو انگریزوں اور ہندوستانیوں کو ایک ہی طرح کی عدالتوں کے ماتحت لانے کے متعلق لارڈ رپن کی حکومت نے پیش کیا تھا اس پر ہندوستان کی برطانوی آبادی میں مخالفت کا ایک طوفان برپا ہو گیا تھا مگر سید احمد خان مجوزہ قانون کی حمایت پر آخر تک جمے رہے۔ جب ۱۸۷۷ء میں سریندر ناتھ بنرجی نے برعظیم کے مختلف علاقوں کا دورہ کیا تو سید احمد خان نے ان کے نظریات کی تائید کی تھی۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان بہتر تعلقات اور تعاون پر انکا عقیدہ مدت العمر قائم رہا۔

لیکن جب سید احمد خان نے یہ دیکھا کہ ہندوؤں نے ایسی حکمت عملی اختیار کی ہے جو ان کے خیال میں تعاون کے جذبات پر مبنی نہیں ہے۔ تو ان کی سیاسی حقیقت پسندی بروئے کار آئی۔ ہندوؤں کی پہلی تحریک جس نے سید احمد خان کی آنکھوں سے پردہ اٹھایا اس لیے جاری کی گئی تھی کہ شمال مغربی صوبے میں اردو کی بجائے ہندی کو دوسری سرکاری زبان تسلیم کرایا جائے انہوں نے اپنے ردعمل کو حسب ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے۔

> ''ان ہی دنوں میں جب کہ یہ چرچا بنارس میں پھیلا ایک روز مسٹر شیکسپیئر سے، جو اس وقت بنارس میں کمشنر تھے، میں مسلمانوں کی تعلیم کے باب میں کچھ گفتگو کر رہا تھا اور وہ متعجب ہو کر میری گفتگو سن رہے تھے۔ آخر انہوں نے کہا کہ آج یہ پہلا موقع ہے کہ میں نے تم سے خاص مسلمانوں کی ترقی کا ذکر سنا ہے۔ اس سے پہلے تم ہمیشہ عام ہندوستانیوں کی بھلائی کا خیال ظاہر کیا کرتے تھے۔ میں نے کہا اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ دونوں قومیں کسی کام میں دل سے شریک نہ ہو سکیں گی۔ ابھی تو بہت کم ہے آگے آگے اس سے زیادہ مخالفت اور عناد ان لوگوں کے سبب، جو تعلیم یافتہ کہلاتے ہیں، بڑھتا نظر آتا ہے۔ جو زندہ رہے گا وہ دیکھے گا۔'' [11]

علاوہ ازیں سرسید کے سیاسی رجحانات میں ایک بڑے تہذیبی اتحاد کا تصور بھی ملا ہوا تھا۔ برطانوی سامراج کے استحکام نے ملک کے بڑھتے ہوئے تہذیبی اتحاد کو توڑ دیا تھا۔ جس کو سرسید ملکی سیاست کی سب سے بڑی کمزوری سمجھتے تھے۔ اس خلا کو پورا کرنے کے لئے بھی ان کی نظر اعلیٰ تعلیم و تربیت پر مرکوز تھی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''قوم اور زبان اور مذہب کا اختلاف ہندوستان کے باشندوں کے مختلف فرقوں کا دیگر ادنیٰ درجہ کے اسباب سے مل کر کم اختلاطی قائم رہنے کا باعث ہو گیا ہے۔ مگر ہم یقین کرتے ہیں کہ تعلیم کی ترقی ہونے سے یہ اسباب کم ہو جاویں گے اور علم، روشن ضمیری اور شائستگی کی اشاعت سے باہمی میل جول کے واسطے ایک عام موقع بہم پہنچے گا اور قومی اختلاف ناپید ہو جائے گا۔'' ۱۲

سرسید قدامت پسندوں کے مقابلہ میں بڑی حد تک کامیاب رہے۔ بدیشی حکومت کے نفرت اور غصہ کا مقابلہ نرمی مفاہمت اور مصالحت پسندی کے ساتھ خوبی سے کیا۔ پھر بھی بے عزتی کبھی گوارا نہ کی۔ اور حقارت کو کبھی برداشت نہ کیا۔ ہمیشہ بے خوفی مگر نرمی سے کام لیا۔ بڑھتی ہوئی باہمی پھوٹ کا مقابلہ محبت و رواداری کے سبق سے کرتے رہے۔ اسی بناء پر پنڈت جواہر لال نہرو لکھتے ہیں۔

''سرسید ہندوؤں کے خلاف یا فرقہ پرست نہیں تھے۔ انھوں نے بار بار اس بات پر زور دیا کہ مذہبی اختلافات کو کوئی سیاسی یا قومی اہمیت نہیں دینا چاہیے۔'' ۱۳

سرسید کی سیاست جاگیردارانہ طبقہ کی ترقی یافتہ سیاست تھی۔ کانگریس کی پالیسی جدید طبقہ کی ابتدائی سیاست پر مبنی تھی۔ پہلی کا انداز مدافعانہ اور مصالحانہ تھا۔ دوسری کا طرز عمل مخالفانہ تھا۔ دونوں ہی میں اپنے اپنے طور پر ترقی و آزادی کے حوصلے تھے۔ مگر فکر و عمل کے دائرے مختلف اور جس گروہ کی قیادت کرنی تھی۔ اس کی پوزیشن میں فرق تھا۔ یہی فرق بعض اوقات سرسید کو مخصوص دائرے میں سوچنے پر مجبور کرتا جو رائج الوقت نظام کے اندر ہی ترقی و آزادی کے منصوبے بنا سکتا تھا۔ جدید طبقہ موجودہ نظام کی ہیئت سے الگ نئی بنیادیں تعمیر کرنا چاہتا تھا۔ جس کا خاکہ خود اس کے ذہن میں بھی واضح نہ تھا۔ وہ اس عوامی طاقت کی تشکیل چاہتا تھا۔ جو حکومت کے لئے چیلنج ہو۔ کانگریس سے سرسید کا اختلاف اصولی نہیں بلکہ اسی فرق کا مظہر ہے۔

مدرسہ علی گڑھ ایک سکول کی حیثیت سے ابھرا اور ایک تحریک کی شکل اختیار کر گیا۔ اس تحریک نے ''مسلمانوں کو بدلو'' کی پالیسی کی بھرپور حمایت کی۔ مسلمانوں نے جب تحریک قیام پاکستان چلائی تو اس تحریک کے سرکردہ رہنما بھی اسی علی گڑھ کے تعلیم یافتہ تھے۔ جو قائدین اس یونیورسٹی سے فارغ التحصیل نہیں تھے وہ بھی انہی جیسا ذہن رکھتے تھے یہ سب لوگ بہر حال مسلمانوں کے خیر خواہ تھے مگر بعد میں جو نتائج برآمد ہوئے وہ اسلام دشمنی پر مبنی تھے پاکستان کا قیام بھی انہی لوگوں کی مرہون منت ہے چونکہ سیاست پر ان لوگوں کا غلبہ تھا لہٰذا لامحالہ طور پر انہی کے نظریات و افکار کو اہمیت حاصل ہوتی تھی۔ پاکستان کے اندر ایک بات شروع سے چلی آ رہی ہے کہ حکمران اور عوام کے درمیان ذہنی و فکری کشمکش موجود رہی ہے۔ حکمران طبقہ اسلام کا نظام لانا نہیں چاہتا جبکہ عوام اسلامی نظام حکومت چاہتے ہیں اسی کشمکش میں چالیس پچاس سال کا طویل عرصہ گذر چکا ہے اور نتیجتاً اسلام دشمن قوتیں دن بدن مضبوط ہوتی جا رہی ہیں اور اسلام پسند قوتوں کو طاقت کے ذریعے قلم کے ذریعے یا کرسیوں کے ذریعے کچلا جا رہا ہے۔

ضیاء الدین لاہوری سرسید کی سیاسی پالیسی پر تنقید کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

''زمانہ سازی اور وقت شناسی سرسید کو ان کے نانا سے وراثت میں ملی تھی۔ ان کے نانا نے سلطنت مغلیہ کی بہی خواہی کے پردے میں انگریزوں کی خدمات سرانجام دی تھیں۔ سرسید نے اپنے عہد میں ٹھیک ٹھیک وہی کردار مسلمانوں کی بہی خواہی کے نام پر ادا کیا۔ مغلیہ حکومت اپنے جس انجام کو پہنچی اس کے اسباب فلسفہ عمرانیات کے علماء کے نزدیک اندرونی تھے۔ علمائے سیاسیات اور مورخین نے اس کے خارجی اسباب میں انگریزوں کی ریشہ دوانیوں اور فریب کاریوں کو بتایا ہے، لیکن آج تک کسی مسلمان کو تو کیا کسی غیر مسلمان کو بھی یہ دعویٰ کرنے کی جرات نہیں ہوئی کہ قومی اور مغلیہ حکومت کو ختم کرنے اور انگریزوں کے اقتدار کو قائم کرنے اور مستحکم کرنے میں وہ انگریزوں کا برابر کا حصہ دار

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے۔سرسید اس سے بھی آگے گئے اور کہا کہ وہ ہمیں ہیں جنہوں نے انگلش حکومت اپنی بھلائی کے واسطے قائم کی انہوں نے قوم کی جانب سے بھی صفائی پیش کردی کہ یہ محض غلط ہے کہ مسلمان انگلش حکومت کو ایک ناگواری سے دیکھتے ہیں۔انہوں نے اس بات کی بھی تردید کردی کہ انگلش نیشن نے دھوکے یا فریب سے یہ ملک فتح کیا وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ انگریزوں نے یہاں کی حکومت بزور حاصل کی ہے اور نہ مکروفریب سے، وہ اس ملک میں دوست کی حیثیت سے آئے ہیں نہ کہ بطور ایک دشمن کے۔'' ۱۴

آگے چل کر مزید لکھتے ہیں۔

''جو لوگ سرسید کو بانیان آزادی میں شمار کرتے ہیں، انہیں سرسید کے ان بیانات وملفوظات پر غور کرنا چاہیے اور اس پہلو پر بھی نظر ڈال لینی چاہیے کہ حقیقی بانیانِ آزادی اور سرفروشانِ قوم اور جاں نثارانِ وطن سلطان ٹیپو، سراج الدولہ، بہادر شاہ ظفر وغیرہ کے بارے میں ان کے خیالات کیا تھے؟ اور اس کے برعکس غدارانِ وطن جعفر وصادق وغیرہ کی سیرت اور عقل وفراست اور ان کی ملی بہی خواہی کو انہوں نے جو خراجِ تحسین پیش کیا ہے، کس سے چھپا ہوا ہے؟ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے مجاہدین کو وہ کون سی گالی ہے جسے سن کر دتی کے شرفاء نے نگاہیں نیچی نہ کرلیں اور سرسید نے تحریر نہ کردی ہو۔انگریزوں کی حکومت کو استحکام بخشنے کے لیے انہوں نے تحریر وتقریر کی کس صلاحیت کو نہیں آزمایا؟ لائل محمڈنز، ان کے نزدیک ملک وقوم کی علمی، تعلیمی، سماجی خدمات انجام دینے والے تھے یا ۱۸۵۷ء میں اور بعد میں ملک وقوم کے جذبات کے خلاف انگریزوں کی حکومت کی جڑیں مضبوط کرنے والے ملک وقوم کے غدار تھے؟ ۱۸۹۸ء میں اپنی وفات تک علیگڑھ کالج کے طلبہ میں حریت پسندی کے جذبہ کو دبانے کی کوشش میں انہوں نے کون سی کسر اٹھا نہ رکھی تھی؟ دنیا کے اسلامی ممالک خصوصاً ترکی اور منصبِ خلافت سے عقیدت اور رشتہ اخوتِ اسلامی کا احترام اور اس کے لیے ایثار مسلمانانِ ہند کی ہمیشہ سے ایک خصوصیت رہی ہے۔سرسید نے اس تعلق کے ایک ایک رشتے کو منقطع کرنے اور صرف ہندوستان کی برٹش حکومت سے مسلمانوں کو اپنا رشتہ عبودیت استوار کرنے کے لیے عقل ومنطق کے کس حربے کو نہیں آزمایا؟ ان عظیم الشان خدمات اور بلند خیالات کے بعد بھی سرسید کو بانیانِ آزادی میں شمار اور آزادی کی تاریخ میں سب سے اونچا مقام دیا جاسکتا ہے؟'' ۱۵

آج سرسید پر طرح طرح کی تنقید کی جاتی ہے۔نقاد کہتے ہیں کہ ان کا تخیل محدود تھا اور یہ کہ علی گڑھ کالج صرف برٹش گورنمنٹ کے لئے کلرک پیدا کرنے کی ایک مشین تھا۔لیکن وہ یہ نہیں سمجھتے کہ یہ سرسید کے فکر وخیال کا بلند نمونہ تھا جس نے آنے والی نسلوں میں تعلیمی اور سیاسی شعور پیدا کیا جو شاید اگر سرسید نہ ہوتے تو پیدا نہ ہوتا۔علی گڑھ تحریک کی بنیاد پر مایوسی اور رنج والم کی گھنگور گھٹائیں منڈلا رہی تھیں۔جب علاوہ چند حضرات کے کوئی ان سے تعاون کرنے کو تیار نہ تھا آج جبکہ مغربی تعلیم عام ہے کہ ہم مشکل ہی سے سرسید کی کوششوں کا اندازہ لگاتے ہیں۔ مگر ایک سوال پہلے سرسید کو نہ صرف اس کے لئے گالی گلوچ، لعن طعن سننا پڑیں بلکہ ہر وہ معمولی سے معمولی کام کرنا پڑا جس کو پڑھ کر حیرت ہوتی ہے اور وہ یہ سب سے بڑی خندہ پیشانی سے قبول کرتے تھے۔

ڈاکٹر شان محمد اپنی کتاب میں لکھتے تھے۔

''غدر کے بعد کے نازک حالات میں سرسید نے مسلمانوں کی تعلیم کے لئے جو نمونہ علی گڑھ تحریک کے نام سے پیش کیا اور جتنی کامیابی اس میں ہوئی وہ ہندوستانی مسلمانوں کی تاریخ میں بے نظیر ہے۔اور اس کی مثال پچھلے سو سالوں میں نہیں ملتی۔بلکہ یہ کہا جائے کہ یہ مسلمانوں کا تہذیبی وتمدنی حیاتہ الثانیہ (Renaissance) تھا تو غلط نہ ہوگا۔'' ۱۶

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کچھ نقادوں کا خیال ہے کہ وہ انگریزی سیاست کا شکار ہو گئے۔ انہوں نے مسلمانوں کے ایک چھوٹے سے طبقہ کے مفاد کو اپنے سامنے رکھا انہوں نے کانگریس کی مخالفت اس کو غیر مسلموں کی جماعت سمجھ کر کی۔ لیکن ایک سطحی مطالعے کے بعد یہ نظریے بھی غلط نظر آنے لگتے ہیں سرسید ہی وہ انسان تھے جنھوں نے غدر میں مارشل لاء کے دوران میں جب کہ لب کشائی پر سزائے موت دی جاتی تھی۔ 'اسباب بغاوت ہند' جیسی کتاب لکھی اور غدر کی ساری ذمہ داری برطانیہ سرکار پر رکھی۔ انھوں نے پنجاب یونیورسٹی بل کی مخالفت میں لارڈ لٹن کی ہر دلیل کی قلعی کھول دی۔ سرسید ہی بھارت کے وہ سپوت تھے جنھوں نے صرف اس لئے آگرہ دربار میں شرکت نہ کی کہ انگریزوں اور ہندوستانیوں کے بیٹھنے کا انتظام حاکم ومحکوم کے نقطہ نظر سے کیا گیا تھا۔ اور سرکار کو لکھا تھا کہ گورنمنٹ کو رعایا کی جان پر پورا اختیار ہو سکتا ہے۔ مگر ان کی آزادی رائے پر نہیں سرسید ہی بھارت کے وہ سپوت تھے جنھوں نے برٹش انڈیا ایسوسی ایشن کی بنیاد ڈالی اور سب سے پہلے انہوں نے لکھا کہ میں نے کالج کو انگریزوں کے ہاتھوں میں نہیں جانے دیا اور نصیحت کی کہ میرے بعد کالج کا کچھ حال کیوں نہ ہو لیکن انگریزوں کے ہاتھوں میں اس کے باگ دوڑ نہ رہے۔ ۱۸۶۶ء میں انھوں نے گزٹ میں ایک طویل مضمون لکھا جس میں ہندوستانیوں کے ساتھ انگریزوں کے برتاؤ کی سخت مذمت کی وہ کبھی انگریزوں کے زیر اثر نہیں رہے اور نہ انہوں نے ان کی چاپلوسی کرنا برداشت کیا چاپلوسی ان کی نگاہ میں ذلیل ترین کام تھا۔ اور ایک ایسا زہر تھا جو خود کو تباہ کر دیتا ہے اس قسم کی لاتعداد مثالیں ان کی تقاریر اور تحریروں میں ملتی ہیں۔ سرسید ایک ایسے دور میں اپنی تعلیمی تحریک چلا رہے تھے۔ جبکہ ایک بیرونی سامراج کے نقصانات اور خراب پہلو آشکار نہیں ہوئے تھے۔ انہوں نے صرف اس کے اچھے پہلوؤں پر نظر ڈالی اور سچے دل سے یقین کرتے تھے کہ برٹش حکومت ہندوستان کے لئے اس وقت موزوں تھی اور اسی لئے وہ اس سے تعاون کی اپیل کرتے رہے اور جب بھی انہوں نے دیکھا کہ گورنمنٹ کی کوئی اسکیم ہندوستانیوں کے مفاد کے خلاف ہے تو انہوں نے اس کی سخت مخالفت کی اس لئے یہ کہنا غلط ہے کہ وہ انگریزی سیاست کے شکار ہو گئے تھے۔ یا انھوں نے کانگریس کی مخالفت غیر مسلموں کی جماعت سمجھ کر کی۔

دیکھنا یہ ہے کہ علماء کی طرف سے سرسید احمد خان کی مخالفت صرف مغربی تعلیم کی حمائت یا انکی تجدد پسندی کی وجہ سے تھی یا سرسید کے سیاسی افکار کے باعث جہاں تک انگریزی زبان کی تعلیم کے ''جائز یا ناجائز'' ہونے کا سوال تھا تو انگریزی زبان کی تعلیم کے حق میں شاہ عبدالعزیز رحمتہ اللہ نے ۱۸۰۶ء میں فتوی دے دیا تھا۔ اور دہلی کالج میں انگریزی کی تعلیم سید احمد شہید کی شہادت کے عشرہ ہی میں شروع ہو چکی تھی۔ بانی دیوبند مولانا قاسم نانوتوی کے نام ایک خط میں جو ۱۲۹۰ھ میں شائع ہوا تھا سرسید احمد خان نے مسلمانوں کے لیے سائنس اور جدید علوم کے حصول کو ضروری خیال کرنے میں مولانا قاسم نانوتوی کا شکریہ بھی ادا کیا۔ ویسے سرسید احمد خان نے علی گڑھ یونیورسٹی کے طلباء و طالبات کے لیے دینی نصاب تیار کرنے کی کمیٹی میں مولانا نانوتوی کا نام شامل کیا تھا۔ لیکن مولانا نے ایک ''خاص وجہ'' کی وجہ سے جس کا تعلق سرسید یا علی گڑھ سے نہیں بلکہ اس کمیٹی میں مسلمانوں کے ایک فرقہ کی نمائندگی کے مسئلہ پر تھا۔ اپنی شمولیت سے معذوری کا اظہار کیا تھا۔ ۱۸۸۰ء میں مولانا نانوتوی کے انتقال پر سرسید کا تعزیتی نوٹ اس حقیقت کا اعتراف ہے کہ ایک ہی استاد، مولانا مملوک علی، کے دو شاگردوں کے باہمی مراسم کس قدر پر تپاک تھے۔

علماء کی طرف سے سرسید احمد خان کی مخالفت کی سب سے بڑی وجہ انڈین نیشنل کانفرنس اور کانگریس میں مسلمانوں کی شرکت کے خلاف سرسید احمد خان کا موقف تھا۔ سرسید احمد خان مسلمانوں کو علیحدہ قوم سمجھتے تھے۔ ۱۸۸۳ء میں بلدیاتی اداروں کی نمائندگی کے مسئلہ پر جداگانہ انتخابات کا پہلا نعرہ سرسید ہی نے لگایا تھا۔ جب کہ دیوبند کے علماء نے وطنی قومیت کی بنیاد پر مسلمانوں کی کانگریس میں شرکت کو از روئے اسلام جائز قرار دیا تھا۔ ۱۸۸۷ء میں علمائے لدھیانہ نے انڈین نیشنل کانفرنس میں مسلمانوں کی شرکت کے حق میں علمائے کرام سے بڑے پیمانے پر فتویٰ حاصل کیا۔ اس فتویٰ کی تفصیلات رسالہ ''نصرۃ الابرار'' (۱۸۹۰ء) میں درج ہے اس فتویٰ پر سو علماء کے دستخط ہیں۔ مولانا رشید احمد گنگوہی اس زمانہ میں دیوبند کے سربراہ تھے۔ مولانا گنگوہی اور شیخ الہند مولانا محمود الحسن نے کانگریس میں مولانا کی شرکت کو جائز

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قرار دے دیا۔ اس فتویٰ پر مولانا لطف اللہ علی گڑھی، ملا محمد مراد آبادی، مولانا محمد اور انکے دو بھائی مولانا عبدالعزیز اور مولانا عبداللہ لدھیانوی پیش پیش تھے۔

مولانا شبلی نے سرسید کی سیاسی پالیسی کی نسبت الہلال میں ایک قطعہ لکھا تھا۔

کوئی پوچھے گا، تو کہہ دوں گا ہزاروں میں یہ بات — روشِ سید مرحوم خوشامد تو نہ تھی

ہاں مگر یہ ہے، کہ تحریک سیاسی کے خلاف — ان کی جو بات تھی، آورد تھی، آمد تو نہ تھی

شبلی کی نظمیں کتابی صورت میں یکجا شائع ہوئیں تو اس قطعہ پر شبلی کے جانشین مولانا سلیمان ندوی نے یہ حاشیہ آرائی کی کہ سرسید مرحوم کے یہ خیالات ذاتی نہ تھے بلکہ انگریزان کے منہ سے زبردستی کہلواتے تھے اور سرسید کالج کی محبت میں یہ سب کچھ گوارا کر لیتے تھے۔

''شبلی کے اشعار کا جو مطلب مولانا نے لیا ہے وہ یقیناً شبلی کا نہیں اور شبلی کے الفاظ اور مولانا کی شرح میں بُعد المشرقین ہے۔ شبلی نے سرسید کے سیاسی خیالات کی نسبت صرف اتنا کہا کہ یہ خیالات انھیں خود بخود بغیر کسی کوشش اور تردد کے نہیں سوجھے۔ ان میں آورد ہے۔ آمد نہیں۔ اس اظہار سے اتنا بھی واضح نہیں ہوتا کہ شبلی کی رائے میں یہ خیالات سرسید کو کسی اور نے سمجھائے تھے۔ لیکن اگر ان کی یہ ترجمانی بھی مان لی جائے، تب بھی مولانا سلیمان کی شرح اور اس خیال میں بنیادی فرق ہے۔ ایک شخص کو ایک بات خود بخود سوجھتی۔ دوسرا اس کا خیال دلاتا ہے، لیکن ہوسکتا ہے کہ اس بات کے اس طرح سجھانے پر اس پر عمل کرنے والا اس کا قائل ہو جائے، لیکن مولانا کہتے ہیں کہ سرسید تو دل سے ان باتوں کے قائل نہ تھے۔ صرف انگریزوں کی خوشنودی کے لیے قوم کو گمراہ کر رہے تھے! شبلی کا اظہار خیال ایک بالکل ناقابل اعتراض رائے کا اظہار ہے۔ مولانا کی شرح 'سرسید کے کردار' ان کے اخلاص اور ان کی دیانت داری پر حملہ ہے اور صرف وہی شخص کر سکتا ہے جو یا تو سرسید کے واقعات زندگی اور انکی افتادِ طبع سے بے خبر ہے۔ یا سرسید کو فریق مخالف سمجھ کر دیدہ و دانستہ ان کی نسبت لوگوں کو گمراہ کرنا چاہتا ہے۔'' [۱۷]

اسی طرح لوگ صاف صاف تو نہیں، لیکن طریقے طریقے سے کہتے ہیں کہ سرسید کی سیاسی پالیسی میں ان کی اپنی خودغرضیاں پنہاں تھیں۔ ہمیں سرسید کی سیاسی پالیسی سے کوئی دلچسپی نہیں۔ ممکن ہے وہ صحیح ہو یا غلط، لیکن اسے کسی اخلاقی کمزوری پر مبنی قرار دینا بڑی بے انصافی اور بے دردی ہے۔ یہ قابل ذکر حقیقت ہے کہ سرسید کی زندگی میں ان پر کسی نے یہ الزام نہیں لگایا بلکہ ان کے بعد بھی، ان کے کسی جاننے والے نے ان خیالات کا اظہار نہیں کیا۔ شبلی نے اخیر عمر میں سرسید پر سختی سے نکتہ چینی کی۔ الہلال کی نظموں اور نجی خطوط میں ان پر طرح طرح کے الزام لگائے۔ ایک خط میں انھوں نے ان کو مسلمانوں کی ترقی کا مانع اور قومی زوال کا باعث قرار دیا۔ لیکن جہاں تک ان کے کردار کا تعلق تھا، ایک حرف بھی اس کے خلاف نہیں کہا۔ بلکہ ایک ایسے سلسلۂ مضامین میں بھی جو سید کی پالیسی کے خلاف لوگوں کو اکسانے کے لیے لکھا گیا تھا۔ سرسید کے بے عیب اور بہادرانہ شخصی کردار کو خراج تحسین پیش کیا۔

اپنے الہلالی دور میں مولانا ابوالکلام آزاد علی گڑھ تحریک اور اس کے بانیوں کے مخالف رہے ہیں، لیکن انھیں بھی اعتراف کرنا پڑا کہ اگر کونسلوں کی تمام تاریخ میں کسی مسلمان نے ہمسایہ قوم کے بعض معزز افراد کی طرح آزاد بیانی اور حق پرستی کا نمونہ پیش کیا تو وہ سرسید تھے۔ سرسید کے سیاسی خیالات سے ہمیں کوئی بحث نہیں اور نہ ہمارا دعویٰ ہے کہ سرسید خطا و نسیان سے مبرا تھے۔ ان سے کئی غلطیاں ہوئیں۔ اور بڑوں سے غلطیاں بھی بڑی ہوتی ہیں، لیکن ان میں ریاکاری، خوشامد اور خودغرضی کا شائبہ تک نہ تھا اور جو لوگ ان سے یہ باتیں منسوب کرتے ہیں، وہ ان کے حالات زندگی سے بے خبر ہیں اور واقعات کے نشیب و فراز کو نہیں سمجھے۔

ع سخن شناس نہ دلبرا خطا اینجاست!

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سرسید کے حالات زندگی میں جس قدر کرید کی جائے اور ان کی تحریروں اور معاصرانہ بیانات کو جس قدر غور سے پڑھا جائے، یہی نظر آتا ہے کہ سرسید پرلے درجے کے کھرے انسان تھے اور ان کی اکثر مشکلات بلکہ ان کے بہت سے نقائص کا راز بھی ان کی دیانتداری، اخلاص اور صاف گوئی میں چھپا ہے۔

افکار سرسید نے نہ صرف ہندوستانی مسلمانوں میں ایک نئی زندگی پیدا کر دی بلکہ ہندوستان میں مسلمانوں کی قومی تنظیم سرسید کی مرہون منت تھی۔ بلاشبہ ایک غیر مسلم ماحول نے مسلمانوں میں ایک قسم کی یک جہتی پیدا کر دی تھی۔ جسے ہندوؤں کی چھوت چھات سے استقامت ملتی تھی۔ لیکن یہ یک جہتی منفعلانہ تھی۔ اور اس میں کئی رخنے تھے۔ ذاتوں اور قوموں (مثلاً افغانوں اور مغلوں) کی کش مکش، شیعہ سنی اختلافات، صوبہ دارانہ بعد اور تعصبات، غدر میں دہلی کی تباہی سے یہ شیرازہ اور بھی منتشر ہو گیا۔ سرسید نے مسلمانوں کو من حیث القوم اکٹھا کیا اور وہ بھی مثبت مقاصد کے لیے۔ اب ہندوستان میں اسلامی قومیت کا آوازہ پہلی مرتبہ بلند ہوا۔ ایک نیا تعلیمی، ذہنی، ادبی اور سیاسی مرکز قائم ہوا۔ مسلمانوں کو فرقہ وارانہ، صوبجاتی اور ذات پات کے اختلافات کے باوجود، باہمی محبت اور قومی جوش و جذبہ کے ساتھ مل کر کام کرنے کا سبق ملا۔

> ''جب سرسید نے اپنی قومی زندگی کا آغاز کیا اس وقت مسلمان بکھرے ہوئے تھے۔ تعلیمی، معاشرتی اور سیاسی حیثیت سے ذلیل تھے۔ اور روز بروز زیادہ ذلیل ہو رہے تھے۔ ان کا کوئی مرکز نہ تھا کوئی لائحہ عمل نہ تھا۔ نتیجہ یہ تھا کہ جس طرح تالاب میں کھڑا ہوا پانی آئے دن زیادہ بدبودار ہوتا جاتا ہے۔ اسی طرح مسلمان بھی بگڑتے جاتے تھے سرسید کی آواز نے انہیں چونکا دیا۔'' ۱۸

محمد امین زبیری ''سیاست ملیہ'' میں تحریر کرتے ہیں۔

> ''سید احمد خان چونکہ تعلیمات قرآنی کی تفسیر عقل انسانی کے مطابق کرتے اور ان عام پسند وہمیات کے شدت سے مخالف تھے۔ جو راسخ العقیدہ مسلمانوں میں مسلمات مذہبی سمجھی جاتی تھیں۔ اور نیز ان رسوم اور روایات کے بیخ کنی میں مصروف رہے جو ''ٹھیٹ اسلام'' کی نظر میں تو مستند نہ تھیں۔ مگر جنہیں مرور ایام نے مذہبی شان دے رکھی تھی اس لئے انہیں ملحد و کافر قرار دیا گیا۔ لکھو کھا مسلمان انہیں سخت سست کہتے بلکہ سب وشتم کرتے اور مدت دراز تک اس کالج کو جو انہوں نے علی گڑھ میں قائم کیا ہوا تھا۔ ہوّا سمجھتے رہے لیکن حیرت کی کوئی انتہا نہیں جب ہم دیکھتے ہیں کہ باوجود الزام کفر و الحاد اور باوجود شدت سب وشتم سیاسی پالیسی میں ساری قوم کی قوم نے بے چون و چرا اسی شخص کی پیروی کی۔ ظاہر ہے کہ کسی منطقی مغالطہ یا سیاسی سبز باغ میں اتنی قوت نہیں ہو سکتی اور میرا یقین ہے کہ سید احمد خان کو محض اس وجہ سے کامیابی ہوئی کہ ان کی سیاسی رائے صائب تھی۔'' ۱۹

سرسید کے سیاسی افکار کا ماحصل ان کی چالیس سالہ سیاسی زندگی کا یہ ہے کہ اس مرد مجاہد نے غدر ۱۸۵۷ء کے بعد انگریزوں اور بالخصوص اینگلو انڈین اخبارات اور افسران حکومت کی عام رائے کے خلاف اپنی کتاب اسباب بغاوت ہند میں نہایت اعتماد اور زور شور کے ساتھ اس بات کی تائید کی کہ یہ ہنگامہ انگریزوں کی تنگ نظری کے باعث وجود میں آیا دوسرے مسلمانوں کے لیے اس شخص نے بہت سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا کہ ان کو ہندوستان میں باوقار رہنے کے لئے جدید علوم کو اپنانا اتنا ہی ضروری ہے جس طرح انسان کے جسم میں ریڑھ کی ہڈی ہوتی ہے یہ اس شخص کے سیاسی افکار ہی کی بصیرت تھی کہ اس نے ایک سو بیس برس قبل بنارس کے جن تنگ نظر لوگوں کے خیالات دیکھ کر جو پیش گوئی کی وہ آج تک حرف بحرف صحیح ثابت ہوتی چلی آ رہی ہے۔

جو لوگ سرسید کو وطن دشمن یا آزادی ہند کے لیے ان کے خیالات کو رکاوٹ سمجھتے ہیں وہ اگر انیسویں صدی کے ہندوستان کی تاریخ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کو اپنے مطالعہ میں رکھیں تو ان کو سرسید کا چہرہ آزادی ہند کے لیے ایک سنگ میل کی نشاندہی کرتا نظر آئے گا۔

سرسید کی وفات ۱۸۹۸ء میں ہوئی ہے ان کی وفات سے پچاس سال بعد ہی ملک آزاد ہو جاتا ہے تو یقیناً یہ خیال ذہن میں آتا ہے کہ کیا سرسید ان حالات کو نہیں دیکھ سکتے تھے کہ ملک آزاد ہو کر رہیگا اور ان کو اس وقت انگریزوں کی ہمنوائی کے مقابلہ میں کانگریس کی حمایت کرنی چاہیے تھی۔ اس بات کو سرسید بھی سمجھتے تھے اور انھیں یقین تھا کہ ایک نہ ایک دن ہندوستان آزاد ہوگا اور خود ہندوستانی ہی اپنے ملک کے حکمران بنیں گے جس کا اشارہ اور اظہار وہ اپنی تقاریر میں کر چکے تھے۔ لیکن وہ یہ چاہتے تھے کہ جب ہندوستان آزاد ہوا تو اس کا نظم و نسق ہندوستانی سنبھالیں اور اس سے وہ علی گڑھ میں ایسے کرنل اور جنرل پیدا کرنا چاہتے تھے کہ جب آزادی کی جنگ لڑی جائے تو یہ اپنے برادران وطن کے ساتھ مل کر ہندوستان کو آزاد کرائیں۔

ڈاکٹر فوق کریمی تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

''چنانچہ تاریخ اسے فراموش نہیں کر سکتی کہ مکمل آزادی ہند کا مطالبہ انگریزوں سے اگر کسی نے کیا تو وہ سرسید کی درسگاہ کے ایک فرزند مولانا حسرت موہانی نے کیا اور ۱۹۳۰ء میں لندن کی گول میز کانفرنس میں تقریر کرتے ہوئے علی گڑھ ایم اے او کالج کے فرزند مولانا محمد علی جوہر نے کہا تھا کہ میں ہندوستان اس وقت ہی واپس جاؤں گا جب میرے ہاتھ میں آزادی کا پروانہ ہوگا۔ لہذا ہم دیکھتے ہیں کہ آزادی سے قبل اور آزادی کے بعد فرزانگانِ علی گڑھ قدم قدم پر قوم و ملک کی خدمت و رہنمائی کرتے نظر آتے ہیں۔'' ۲۰

الغرض سرسید احمد خان اور عبدالحق حقانی نے اپنے سیاسی اور قومی نظریات کے ذریعے امت مسلمہ کی آزاد و خود مختار مستقبل کی رہنمائی کی، عبدالحق حقانی نے جو سرسید کے مذہبی نظریات کے سخت مخالف اور ان کے نمایاں نقاد تھے، بھی سیاسی نظریات میں یا تو خاموشی کا اظہار کیا یا بہ نسبت مذہبی نظریات کے سیاسی نظریات کو کم مہلک سمجھا۔ آگے چل کر دو قومی نظریہ مزید نکھر کر سامنے آیا۔ یہ ان مفکرین اور ناقدین کا ہی کمال اور عاقبت اندیشی ہے کہ مسلم لیگ کا قیام عمل میں آیا آزادی ہند کی تحریک چلی، مسلمانان ہند نے اپنے مطالبے کھول کر بیان کیے۔ انہیں مطالبات میں ایک مطالبہ قیام پاکستان کا بھی تھا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فصل سوم

علمی وادبی اثرات

کسی قوم کیلئے تعلیم ایک لازمی عنصر ہے۔ یہ وہ عنصر ہے جو قوموں کے اندر فکر کی پیدائش کا ذریعہ بنتا ہے اور اس قوم کے تمام بقیہ اعمال اس فکر کے مرہون منت ہوتے ہیں۔ یہ فکر زندگی کے تمام پہلوؤں کو گھیرے ہوئے ہوتی ہے۔ یہ فکر معاشرت، معاملات، تہذیب، سیاست سب کو متعین کرتی ہے۔ اس لحاظ سے سرسید اور حقانی کے نزدیک کسی قوم کی سربلندی کیلئے فکری عوامل کو مثبت سمت دینا لازم تھا۔ اور اسوقت انہوں نے جو مثبت سمت خیال کی اس کی طرف قوم کو لے گئے۔ ان کے نزدیک قوموں کے زوال کا سبب عقل وخرد سے ہٹ کر جذباتی فضا میں کام کرنا تھا وہ وسائل، حالات اور دیگر عوامل جو اسوقت مسلمانوں کے خلاف تھے ان کو عقلی بنیادوں پر پرکھ کر ایسا طرز عمل اختیار کرنا چاہتے تھے۔ جو مسلمانوں کو پستی سے بلندی کی طرف لے جائے ان کے نزدیک قوم کی عظمت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا تھا کہ وہ شعوری فیصلے کرتی ہے یا جذباتی اس لیے ان کا طرز عمل حالات کے تناسب سے شعوری تھا نہ کہ جذباتی۔

تعلیم کیلئے تین عناصر لازمی ہیں۔ ا۔ مقاصد جن کے تحت تعلیم دی جائے۔ ۲۔ ذریعہ تعلیم جس سے وہ مقصد حاصل ہو سکے۔ ۳۔ وہ ماحول اور عوامل جو تعلیمی کام میں معاون ہوں۔

یہ تینوں عناصر عصر حقانی اور سرسید سے پہلے کیا تھے؟ ا۔ تعلیم زیادہ تر مذہبی مقاصد کے تحت مسلمانوں کو دی جاتی۔ ۲۔ ذریعہ تعلیم اردو فارسی یا عربی تھے۔ ۳۔ ماحول مدارس کی طرز کا تھا اس لیے تعلیم دینے کیلئے مدارس ہی استعمال ہوتے تھے۔ ذریعہ تعلیم کو اگر مزید دیکھا جائے تو مسلمانوں کے دور انحطاط میں خیالات کا اظہار زیادہ تر عشق ومحبت کے موضوعات پر تھا۔ اور وہ بھی شاعری میں یا اردو، عربی، فارسی کی مسجع اور مقفع عبارات میں جن تک عام آدمی کی رسائی ممکن نہیں تھی۔

زندگی کے عام مسائل جن سے معاشرہ دوچار تھا۔ اس فکر سے بہت دور تھے۔ اور عام آدمی اس کیلئے کوئی لائحہ عمل نہیں رکھ سکتا تھا۔ اس کیلئے ان حالات میں سوائے مایوسی کے کوئی چارہ نہیں تھا۔ سرسید اور اس کے ہم عصر حقانی نے سب سے پہلے ان حالات کا جائزہ لینے کے بعد اس حقیقت کو بھانپ لیا اور ان کا سب سے پہلا قدم جو مسلمانوں کی فکر کو متعین کرنے میں اہم ہے۔ وہ لفاظی سے نکل کر عام اور سادہ عبارت کا استعمال کرنا اور زندگی کے عام مسائل کو فکر ونظر کی روشنی سے پرکھ کر ان کا حل تلاش کرنا اختیار کیا بقول ڈاکٹر معین الدین عقیل

> ''سید احمد خان جانتے تھے کہ ادب اگر عمدہ اصولوں پر مبنی ہو تو کسی قدر قوم اور وطن کو فائدہ پہنچاتا ہے۔ وہ اپنی زندگی میں ادب کو عام زندگی کا ترجمان اور معاشرتی اصلاح کا ذریعہ بنانا چاہتے تھے۔ خود ان کی تحریروں اور تہذیب واخلاق کے مجموعی اثر نے شعوری طور پر ادب کا رشتہ اپنے زمانے کی سیاست اور معاشرت سے مربوط کر کے اجتماعی زندگی کے مسائل کا ساتھ دینا شروع کیا۔ حالی کے علاوہ ان کا اثر، محمد حسین آزاد، شبلی اسماعیل میرٹھی، نذیر احمد، شوق قدوائی، عبدالحلیم شرر، حسرت موہانی، ظفر علیخان اور مولانا محمد علی وغیرہ کے تخلیق کردہ شعر وادب میں دیکھا جاسکتا ہے۔ یہ وہ افراد ہیں جنہوں نے بجا طور پر اپنی تحریروں اور عملی اور سیاسی اور قومی جدوجہد سے برعظیم کے مسلمانوں کی سیاست کو سرگرم بنیادوں پر استوار کیا ان کے مذہبی، قومی تعلیمی، تہذیبی اور سیاسی شعور کو فروغ دیا ان کی تہذیب معاشرت کی اصلاح کی اور ان کی زندگی اور ان کے ادب کو مقصدیت اور حقیقت کا حامل بنایا۔''[۲۱]

اس طرز فکر سے علمی میدان میں جو اہم اثرات مرتب ہوئے وہ یہ ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۱۔ اردو زبان ذریعہ اظہار بنی۔

۲۔ فارسی اور عربی کی مشکل اصطلاحات میں جو علم چھپ جاتا تھا۔ وہ عام آدمی کی رسائی میں آیا۔

۳۔ اردو زبان میں کثیر چیزوں کے اظہار کی وجہ سے اس کا ذخیرہ الفاظ بڑھا جس نے آگے چل کر اس کو اس قابل بنایا کہ یہ ذریعہ تعلیم کے طور پر استعمال ہو سکے۔

۴۔ عام آدمی جو علم کی دنیا سے دور تھا اس تک علم کی رسائی کا ذریعہ پیدا ہوا۔

۵۔ وہ قوم جو اس وقت صرف دو شعبوں پر توجہ مرکوز کیے ہوئے تھی یعنی دینی علوم اور عشقیہ شاعری اس کی فکر نے وسعت اختیار کی اور تجارت، صنعت و حرفت، سائنس، فلسفہ، نفسیات۔، معاشرتی علوم اور دیگر علوم کی طرف فکر کی رسائی ہوئی۔ جس سے زندگی کے تمام شعبہ جات انسانی فکر کا میدان عمل بنے اور قوم نے تمام شعبہ جات میں ترقی کی راہ اختیار کی۔

۶۔ کسی قوم کی ترقی کا ایک عنصر چیلنج و مقابلہ ہوتا ہے یعنی جو قوم کوئی چیلنج قبول کرتی ہے یا کسی سے مقابلہ کرتی ہے اس کی ترقی کی رفتار بڑھ جاتی ہے سرسید اور حقانی نے براہ راست اپنا مقابلہ مغربی اقوام کے طریقہ تعلیم سے کیا اور اس کو چیلنج کے طور پر لیا کہ ہم بھی ان کی طرح ترقی کر سکتے ہیں۔ اس مقابلہ نے بھی علمی ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔

۷۔ مفسر حقانی اور سرسید کا یہ مقابلہ اس قوم کے نظام تعلیم سے تھا جو اس وقت حکمران تھی اور ترقی یافتہ تھی۔ اس نئے نظام تعلیم میں اس ماحول کی ضرورت تھی جہاں اس کو حاصل کیا جائے تو اس مقصد کیلئے سرسید نے سکولوں اور کالجوں کا وہ طریقہ کار وضع کیا جو مغرب میں رائج تھا جبکہ حقانی نے علوم قدیمہ کے طریقے میں وسعت پیدا کی۔ ان کی کتابیں، ان کا نصاب اور نصاب سازی کے اصول مستعار لے کر اپنی ضرورتوں کے مطابق ان کو استعمال کیا اور وہ طرز فکر پیدا کی جو اس قوم کو ترقی کی طرف لے جائے۔ پھر ان کی زبان انگریزی بھی ذریعہ تعلیم کیلئے قبول کی تا کہ ابتدائی تیاری کے مراحل سے گزرنے کے بعد ان لوگوں کی انتہائی تعلیمی ضرورتوں کو پورا کرنے کیلئے فرد تیار ہو جائے تا کہ براہ راست وہ ان کے ذریعہ تعلیم سے ان کے اصل ماخذوں سے استفادہ کر سکے۔

سرسید کے تعلیمی نظام میں کنڈر گارٹن، ابتدائی، ثانوی اور اعلیٰ سارے مراحل شامل تھے۔ وہ تعلیمی نصاب سازی میں معاون آلات کا استعمال، طلبہ کی تعداد جو کسی ادارے میں ہو، امتحانی طریقہ کار جیسے ایک خاص مقصد کیلئے رولنمبر کا استعمال وغیرہ ٹیچر ٹریننگ کلاسز، میڈیکل کالجز ان سب چیزوں کو معاشرہ کی ضرورت سمجھتے تھے۔ اور بعد میں یہی ہوا کہ جو طرز فکر وہ متعین کر گئے آنے والوں نے اس کے خاکہ میں جا بجا رنگ بھرے اور وہ فکر زیادہ سے زیادہ مضبوط ہوتی چلی گئی۔ جو اس وقت حالات اور ضروریات کو دیکھتے ہوئے ایک شخص کی معذرت خواہانہ پالیسی نظر آتی تھی۔ بعد میں وہ ایک حقیقت ثابت ہوئی۔

سرسید اور حقانی کی اس تعلیمی فکر نے تعلیم کے مقاصد میں وسعت پیدا کی۔ اب ایک آدمی تعلیم صرف دین یا شاعری کیلئے نہیں بلکہ ایک اچھا ڈاکٹر، انجینئر، وکیل، تاجر، سیاست دان، قانون دان، زمیندار بننے کیلئے حاصل کرتا ہے۔ یہ مقصد کے اندر وسعت اور شعبہ کے اندر تنوع سرسید کے اس طرز فکر کا مرہون منت ہے۔

اب موجودہ زمانے میں سرسید کی تعلیمی تحریک کو ''عصری علوم کی تحریک'' کہنا زیادہ موزوں لگتا ہے۔

لیکن سرسید دینی علوم کو بھی آگے بڑھانے کی فکر میں تھے وہ چاہتے تھے کہ مولوی کو بھی تربیت دے کر اچھا بنایا جائے تا کہ اسلام کی شعوری تعلیم ہو سکے ان کے اس طرز فکر کی عکاسی اس قرارداد سے ہوتی ہے۔ جو تعلیمی باڈی نے ۱۹۱۵ء میں پاس کی۔

''ہندوستان کے ہر ڈویژن میں مولویوں کے ٹریننگ سکول قائم کیے جائیں تا کہ اسلامی مکاتب کیلئے استاد مہیا ہو سکیں اور مسلمانوں میں مولوی اور میانجی کا وہ طبقہ جن کے خاندان میں یہ پیشہ تعلیمی ہمیشہ سے ہے جو اب مٹتا جاتا ہے ان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کیلئے سامان معاش پیدا ہو کر ان کی بقا کا انتظام ہو سکے'' ۲۲

مولوی کی ٹریننگ کا یہ نظریہ اس وقت تو اچھا معلوم نہ ہوا لیکن آج ایسے ادارے بن گئے جنہوں نے یہ کام شروع کر دیا گرچہ ایک صدی بعد شروع ہوا لیکن وہ فکر جیت گئی جس نے اس کی ضرورت ایک صدی پہلے محسوس کی۔

سرسید نے اپنے تعلیمی سلسلہ میں اس فکر کو بنیاد بنایا کہ ٹکراؤ کی پالیسی چھوڑ کر معاونت کا طریقہ اختیار کیا جائے اور اس میں قوم کی ترقی کا طریقہ کار اختیار کیا جائے۔ حالات و واقعات اس بات پر شہادت دیتے ہیں کہ ان کا یہ طریقہ کامیاب رہا اور پھر یہ بات آج بھی ویسے ہی استعمال ہو رہی ہے جیسے ان کے دور میں تھی۔ وہ جہاد کو ترقی کی راہ میں رکاوٹ خیال کرتے تھے۔ میاں عبدالرشید سرسید کے اس طرز عمل کے بارے میں لکھتے ہیں۔

''سب سے پہلے انہوں نے مسلمانوں کے دلوں سے یہ بات نکالنے کی کوشش کی کہ انگریزی حکومت کے خلاف جہاد فرض ہے۔'' ۲۳

آج ایک صدی گزرنے کے بعد بھی جب حالات نے وہ رخ اختیار کیا تو سرسید کے نظام تعلیم سے پروردہ حضرات کے منہ سے وہی الفاظ نکلے جو ایک صدی پہلے سرسید کے تھے اس کی واضح مثال افغانستان کی جنگ میں مسلم ممالک کا طرز عمل ہے۔ یا عراق کی جنگ میں مسلم ممالک کا طرز عمل ہے۔ اس سب کچھ کی بنیاد میں سرسید کی فکر مضمر ہے۔ اس لیے آئندہ بھی ایسے طرز فکر کے لوگوں سے اس قسم کے نتائج نکلنا ایک فطری اور بدیہی امر ہے۔ چونکہ یہ اس طرز فکر کی تعلیم کے پروردہ ہیں۔

سرسید کی یہ فکر کہ عقلی بنیادوں پر ہر چیز کو پرکھا جائے اسلامی علوم پر بھی اثر انداز ہوئی۔ عقلی بنیادوں پر شبلی کی تاریخی روایات کا سلسلہ بھی سرسید کی حوصلہ افزائی کا نتیجہ ہے۔ شبلی اور سید سلیمان ندوی کی سیرت النبیؐ عقلی بنیادوں پر سیرت کی کتاب اس فکر کا ایک منہ بولتا ثبوت ہے اسوقت سے لے کر آج تک بہت سے لوگوں نے پھر اس طرز کو اچھا قرار دے کر اپنایا اور بہت سی تصانیف معرض وجود میں آئیں اس سے پہلے سیرت نگاری میں زیادہ تر واقعات کے نقل کرنے پر اکتفا کیا جاتا لیکن سرسید کے طرز فکر نے سیرت کی کتابوں کو نئے طرز پر لکھنے کی طرح ڈالی۔ اس سے عام انسان کو تفہیم اسلام میں کافی مدد ملی۔ ورنہ پہلے تفہیم اسلام کے لیے عربی یا فارسی کا جاننا اور اس پر عمل کرنا ضروری تھا لیکن بعد کے اس عمل نے پرانے طرز فکر کو بدل ڈالا۔

سرسید اپنی فکر میں اسلام کی تفہیم ایک خاص نقطہ نظر سے کرانا چاہتے تھے اور وہ نقطہ نظر کچھ یوں ہے

''ان کی تصنیفات کی تہہ میں ایک عظیم مقصد پوشیدہ تھا۔ وہ اس حقیقت کو اپنی ملت کے ذہن نشین کرانا چاہتے تھے کہ جدید سائنس حقیقی اسلام کی تخریب نہیں کرتی۔ فی الحقیقت ''خدا کے قول اور خدا کے عمل کے درمیان'' تضاد نہیں ہو سکتا اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ جو مذہب وحی کے ذریعے آتا ہے وہ حقیقتاً خدا کا قول ہوتا ہے اور اس لیے قوانین فطرت کی ، جو خدا کی تخلیق ہیں خلاف ورزی نہیں کر سکتا۔ یہی وہ اصول ہے جسے ان کی تصانیف متعلق بہ اسلام کا موضوع کہا جا سکتا ہے۔ چونکہ ان کی تحریروں میں لفظ نیچر بار بار آیا ہے۔ اس لیے ان کا اور ان کے لائحہ عمل اختیار کرنے والوں کا نام ''نیچری'' رکھ دیا گیا تھا۔ یعنی وہ لوگ جو وحی کے بجائے نیچر پر ایمان رکھتے ہیں۔ مگر اس الزام کا کوئی جواز نہیں ہے۔'' ۲۴

''ان کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو دوسری قوموں کی سطح تک پہنچا دیں اور اس وقت یہ مقصد اسی طرح حاصل ہو سکتا تھا کہ انگریزوں کی زبان کو قابلیت کی حد تک سیکھا جائے جو حاکموں اور محکوموں کے درمیانی فاصلے کو کسی قدر کم کر دے۔ اس کے علاوہ جب کسی مضمون کا مطالعہ کسی ایسی زبان میں کیا جاتا ہے جو اس مضمون کو سیکھنے کے لیے بطریق احسن

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

موزوں ہوتی ہے تو اس کے بعد ترجمے کی نوبت آتی ہے اگر کبھی مسلمانوں کو یہ قدرت حاصل ہو جاتی کہ وہ نئے مضامین کو اپنی زبان میں تراجم کے ذریعے سمجھ سکتے اور پھر خود اپنی تصنیفات کیلئے قلم اٹھاتے تو سید احمد خان ضرور ان کی کامیابی کے خواہاں ہوتے مگر فوری ضرورت یہ تھی کہ مغربی علوم اور وہ زبان جو ان کی کنجی پیش کرتی تھی دونوں پر بیک وقت عبور حاصل کیا جائے۔ ان کو خوف یہ تھا کہ مشرقی علوم کے مطالعے کی طرف رجعت گھڑی کی سوئیوں کو الٹا چلا دیگی۔'' ۲۵

سرسید اپنی اس تعلیمی فکر میں عقلی علوم پر پورا اعتماد نہیں کرتے تھے بلکہ وہ روحانیت کا بھی احساس رکھتے تھے اور کردار انسانی کی تعمیر میں جو مذہب کا کردار ہے اس کے وہ قائل تھے۔

''سید احمد خان نے مغرب کی ترقی کے اسباب پر غور و خوض کیا۔ انہوں نے عیسائی مبلغین کے اس نظریہ کو مسترد کر دیا کہ عیسائیت مغرب کی اس ترقی کا باعث ہوئی ہے۔ بہت سے دوسرے لوگوں کو طرح وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ یورپی ممالک کی قوت ان کی ذہنی ترقی، خصوصاً طبعی علوم میں ان کی قابلیت پر مبنی ہے۔ یہ خیال کرنا غلط ہے کہ انہوں نے مغرب کی ترقی کے روحانی عناصر پر غور نہیں کیا۔ کیوں کہ تمام مقاصد کے حصول کیلئے کردار کی قوت کو وہ ہمیشہ سب سے بڑی اہمیت دیتے تھے، مگر انہوں نے کردار کو مغرب یا عیسائیت کے لیے مخصوص کبھی نہیں سمجھا۔ اس تشخیص کے ساتھ وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ ان کی قوم کو پہلے مغرب کے علمی کارناموں سے واقفیت حاصل کرنی چاہیے۔'' ۲۶

سرسید اور مفسر حقانی کی تعلیمی فکر میں اگر چہ روحانیت کا عنصر رکھنے کیلئے اسلام کی عقلی توجیہہ کی کوشش کی گئی لیکن سرسید ایک فرد تھے۔ اور کسی قوم کا تعلیمی ڈھانچہ بنانا حقیقت میں ایک پارلیمنٹ کا کام تھا۔ اس کے اندر بہت سے مفکر اور تجربہ کار حصہ لے کر اس پر سالوں بحث کرتے اور پھر مغرب سے صالح عنصر کو مشرق کی روحانیت میں مدغم کر کے ایک انقلابی نظام پیدا کرتے لیکن حالات اور ضرورت نے ایسا موقع فراہم نہیں کیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جلدی میں جو نظام فکر وجود میں آیا اس خاکہ میں بہت سی خوبیوں کے ساتھ خامیاں بھی شامل ہو گئیں جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سرسید جس طرز فکر کے نتائج چاہتے تھے وہ برآمد نہ ہو سکے ان خامیوں کی طرف سید ابوالاعلیٰ مودودی کچھ یوں اشارہ کرتے ہیں۔

''سرسید احمد خان کی قیادت میں علی گڑھ سے تعلیمی تحریک اٹھی تھی اس کا وقتی مقصد یہ تھا کہ مسلمان اس نئے دور کی ضروریات کے لحاظ سے اپنی دنیا درست کرنے کے قابل ہو جائیں تعلیم جدید سے بہرہ مند ہو کر اپنی معاشی اور سیاسی حیثیت کو تباہی سے بچالیں۔ اور ملک کے جدید نظم و نسق سے استفادہ کرنے میں دوسری قوموں سے پیچھے نہ رہ جائیں۔ اسوقت اس سے زیادہ کچھ کرنے کا موقع نہ تھا۔ اگر چہ اس تحریک میں فوائد کے ساتھ نقصانات اور خطرات بھی تھے۔ مگر اس وقت اتنی مہلت نہ تھی کہ غور و فکر کے بعد کوئی ایسی محکم تعلیمی پالیسی متعین کی جاتی جو نقصانات سے پاک اور فوائد سے لبریز ہوتی۔ نہ اس وقت ایسے اسباب موجود تھے کہ اس نوع کی تعلیمی پالیسی کے مطابق عمل درآمد کیا جا سکتا۔ لہٰذا وقتی ضرورت کو پیش نظر رکھ کر مسلمانوں کو اس طرز تعلیم کی طرف دھکیل دیا گیا جو ملک میں رائج ہو چکا تھا۔ اور خطرات سے بچنے کیلئے کچھ تھوڑا سا عنصر اسلامی تعلیم و تربیت کا بھی رکھ دیا گیا جس کو جدید تعلیم اور جدید تربیت کے ساتھ قطعاً کوئی مناسبت نہ تھی۔'' ۲۷

''یہ صرف ایک وقتی تدبیر تھی جو ایک آفت ناگہانی کا مقابلہ کرنے کیلئے فوری طریق پر اختیار کر لی گئی تھی۔ اب وہ وقت گزر چکا ہے جس میں فوری تدبیر کی ضرورت تھی وہ فائدہ بھی حاصل ہو چکا جو اس تدبیر سے حاصل کرنا مقصود

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تھا۔اور وہ خطرات بھی واقعہ کی صورت میں نمایاں ہو چکے جو اسوقت صرف موہوم تھے۔اس تحریک نے ایک حد تک ہماری دنیا تو ضرور بنادی مگر جتنی دنیا بنائی اس سے زیادہ ہمارے دین کو بگاڑ دیا اس نے ہم میں کالے فرنگی پیدا کیے اس نے ہم میں ''اینگلو محمڈن'' اور ''اینگلو انڈین'' پیدا کیے۔جن کی نفسیات میں محمڈن اور انڈین کا تناسب برائے نام ہی ہے۔اس نے ہماری قوم کے طبقہ علیا اور طبقہ متوسط کو جو دراصل قوم کے اعضائے رئیسہ ہیں باطنی اور ظاہری دونوں حیثیتوں سے یورپ کی مادی تہذیب کے ہاتھ فروخت کر دیا۔صرف اتنے معاوضہ پر کہ چند عہدے، چند خطابات، چند کرسیاں ایسے لوگوں کو مل جائیں جن کے نام مسلمانوں سے ملتے جلتے ہوں''۔۲۸

سرسید کے تعلیمی نظام اور فکر کی کمزوریوں کا ذکر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی یوں کرتے ہیں۔

''سرسید کے تعلیمی اور اصلاحی منصوبہ کے دو پہلو ایسے تھے جن کی وجہ سے وہ عالم اسلام کیلئے کوئی ایسی انقلاب انگیز دعوت اور ایجابی اور تعمیری قدم ثابت نہ ہو سکا۔ جو عقیدہ ایمان اور رسالت محمدی پر قائم ہونے والی سوسائٹی کے حالات کے مطابق ہو اور عالم اسلام کے اس خلا کو پُر کر سکے جو مغربی تہذیب اور علوم طبیعیہ کی ترقی نے ذہنوں میں پیدا کر دیا۔پہلی بات یہ ہے کہ انہوں نے اس نظام تعلیم کو ہندوستان کے مسلم معاشرہ کے حالات اور تقاضوں کا پابند و ماتحت نہیں بنایا جہاں اس کو نافذ کرنا تھا انہوں نے اس کو نئے سرے سے ڈھالنے اور اسلامی شکل دینے پر غور نہیں کیا نہ اس کو مغربی تمدن اور اس کی اس مادی روح سے پاک کرنے کی طرف کوئی توجہ کی جس کی ایک مشرقی اسلامی ملک کو کوئی ضرورت نہ تھی۔انہوں نے اس نظام کو مغرب سے اس کی ساری تفصیلات، خصوصیات، اس کی روح و مزاج اور اس ماحول و روایات کے ساتھ جو اس سے وابستہ تھیں جوں کا توں درآمد کیا۔انہوں نے صرف مغرب کے تعلیمی نظام ہی پر اصرار نہیں کیا بلکہ مغربی تمدن اور روح کو قبول کرنے پر بھی شدید اصرار کیا۔کالج کے قواعد میں یہ اصول قرار دیا گیا کہ کم از کم ایک پرنسپل اور دو پروفیسر کالج میں اور ایک ہیڈ ماسٹر اسکول میں ہمیشہ یورپین ہونا چاہیے اور جہاں تک کالج کی آمدنی میں گنجائش ہو اس تعداد میں اور اضافہ کیا جائے''۔۲۹

دوسرا کمزور پہلو یہ تھا کہ ان کا سارا زور انگریزی زبان و ادب کے حصول اور اعلیٰ تعلیم پر تھا اور عملی علوم کی طرف انہوں نے خاطر خواہ توجہ نہیں کی حالانکہ مغرب سے لینے کی اور اس میں کمال حاصل کرنے کی اگر کوئی چیز تھی تو یہی تھی بلکہ انہوں نے صنعتی تعلیم کی تحریک و تجویز کی سخت مخالفت کی اور اس موضوع پر سخت اور تلخ مضامین لکھے۔اس سلسلہ کا آخری مضمون وہ تھا جو ۱۹ فروری ۱۸۹۸ء میں انہوں نے علی گڑھ گزٹ میں شائع کروایا جس کا مقصد یہ تھا کہ

''ہندوستان کی موجودہ حالت کے لحاظ سے سردست ٹیکنیکل ایجوکیشن کی چنداں ضرورت نہیں ہے بلکہ سب سے مقدم اعلیٰ درجے کی دماغی تعلیم کی ضرورت ہے جو اب تک بالکل پورے طور پر پوری نہیں ہوئی ہے''۔۳۰

اس تفصیل و تنقید کے باوجود اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سرسید احمد خان ایسی طاقتور شخصیت کے مالک تھے جس سے زیادہ طاقتور شخصیت اس دور کے قائدین میں کسی میں نظر نہیں آتی۔انہوں نے ایک بڑے وسیع محاذ پر جنگ جاری رکھی جس تحریک کی انہوں نے قیادت کی اس کو ایسی کامیابی نصیب ہوئی اور اس نے مسلمانوں کی نئی نسل کو اتنا متاثر کیا جتنا کسی دوسری تحریک نے نہیں کیا تھا۔سرسید احمد خان کی طاقتور شخصیت کے اثر کا ہندوستان کی اسلامی سوسائٹی میں دائرہ بہت وسیع ہے، انہوں نے ادب و زبان، طریق فکر و اسالیب بیان سب کو کم و بیش متاثر کیا۔اور ایک ایسے ادبی و فکری دبستان کی بنیاد ڈالی جس کے اندر بڑی بڑی شخصیتیں پیدا ہوئیں۔

سرسید کی تعلیمی تحریک کے نتائج و اثرات کے بارے میں سید ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''اس عظیم تعلیمی تحریک نے جس کی قیادت سرسید احمد خان نے کی پوری نصف صدی تک خلوص اور قابلیت کے ساتھ کی تھی بعض نا قابل انکار نتائج پیدا کئے اس نے ہندوستان کی اسلامی سوسائٹی میں اس تعلیمی اور اقتصادی خلا کو بڑی حد تک پر کیا جو انگریزی اقتدار اور انقلاب حکومت کے بعد پیدا ہو گیا تھا۔ ایک حد تک اس نے مسلمانوں سے مایوسی اور بددلی بھی کم کی، اس ادارہ میں بعض بڑے لائق نوجوان، صاحب فکر، صحافی، اہل قلم اور ایسے لیڈر پیدا ہوئے جنہوں نے بعد میں تحریک خلافت اور تحریک آزادی ہند کی پرزور رہنمائی کی، بعد میں جب پاکستان کی تحریک شروع ہوئی اور پھر پاکستان کی اسلامی ریاست وجود میں آئی تو اس کو اسی تعلیم گاہ کے فضلاء میں متعدد رہنما اور لائق منتظم دستیاب ہوئے۔ لیکن مسلمانوں کے جدید نازک ثقافتی و فکری تقاضوں کو پورا کرنے کیلئے اس ادارہ نے وہ کردار ادا نہیں کیا جس کی اس سے توقع تھی۔'' ۳۱

سید ابوالحسن ندوی مزید لکھتے ہیں

''یہ مغرب کے علمی و عملی تجربوں اور ذخیروں کو مسلم معاشرہ اور ملتِ اسلامیہ کے حالات و ضروریات کے مطابق ڈھالنے کا عظیم اور مجتہدانہ کام تھا، یہ ایک نئی اسلامی نسل کا پیدا کرنا تھا جو عقیدہ اور اصول میں مستحکم و مضبوط اور اس اہم کردار سے واقف ہو جو اس کو تہذیب عالم کی قیادت میں ادا کرنا ہے، اس کی نظر میں وسعت اور فکر میں لچک ہو، جدید علوم اور مغربی ثقافت سے اس نے اس کے اچھے پہلو اور اس کا مغز لے لیا ہو اور اس کی کمزوریوں اور غیر ضروری اجزاء سے احتراز کیا ہو، جس کے نتائج فکر و تحقیقات اپنے دماغ کا نتیجہ ہوں اور ان میں اسلامی ذہانت اور خود اعتمادی صاف جھلکتی ہو اور جن کے فکر و عمل میں ''لذتِ کردار'' اور ''جراتِ اندیشہ'' پہلو بہ پہلو ہوں، یہ وہ نئی نسل تھی جس کا عالم اسلام بڑی بے چینی اور اشتیاق کے ساتھ عرصہ سے منتظر اور اس کیلئے چشم براہ تھا یہ نسل اگر اللہ تعالیٰ کی مرضی ہوتی عالم اسلام کو اس تحیر و اضطراب سے نجات دے سکتی تھی جس میں وہ عرصہ سے مبتلا تھا، اور اس کو اقوام عالم کی قیادت اور تہذیب حاضر کی رہنمائی میں مرکزی مقام عطا کر سکتی تھی۔'' ۳۲

عصر حقانی اور سرسید کا تقاضا تھا کہ علوم اسلامیہ کی تشکیل جدید ہو، وقت کے بدلتے ہوئے حالات کے تحت ذریعہ تعلیم، تعلیم کے مدارج اور تعلیم کے نصاب میں تبدیلی کی جائے، ٹیکنیکل ایجوکیشن کم اور دماغی تعلیم زیادہ ہو، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ عبدالحق حقانی اور سرسید احمد خان نے بدلتے ہوئے حالات کو سمجھا اور اپنے افکار و خیالات اور کردار و عمل کے ذریعے علمی، ادبی اور تعلیمی انقلاب کی بنیاد رکھی۔

تصانیف کا سلسلہ عربی و فارسی میں کم اور اردو اور انگریزی میں زیادہ ہونے لگا مشکل مصطلحات کو روزمرہ حالات اور واقعات کے مطابق آسان بنانے کی کامیاب کوشش شروع ہوئی۔ مشکل نویسی اور مشکل گوئی کا دور ختم ہوا۔ شعر و ادب کا رخ مدح رخسار و کاکل سے بدل کر مقصدیت کی طرف موڑ دیا گیا۔ الغرض علمی و ادبی حوالے سے یہ دور اور اس دور میں متذکرہ بالا شخصیات کا کردار نقطہ انقلاب (Turning Point) ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فصل چہارم

فکری و مذہبی اثرات

جہاں تک سرسید کے مذہبی افکار کا تعلق ہے، تو ان کی زندگی کے دور اول (یعنی قبل از ۱۸۵۷ء) کی تصانیف روایتی عقائد یا صوفیانہ تعلیمات کی روشنی میں قلم بند کی گئیں اور ان میں کسی عقلی یا اجتہادی فکر کا عنصر ناپید ہے۔ اس کے باوجود اس دور کے مذہبی ماحول بالخصوص ان مذہبی تنازعات نے سرسید کی مذہبی فکر کو متشکل کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا، جو شمالی ہند کے بڑے شہروں میں مسلمان مبلغین اور عیسائی مشنریوں کے مابین زور شور سے جاری تھے۔ اس ضمن میں ان مذہبی مناظروں کا ذکر بکثرت ملتا ہے، جو مولانا رحمت اللہ کیرانوی (بشمول ڈاکٹر محمد وزیر خان، مولوی ابوالمنصور دہلوی) اور عیسائی مشنری کارل گوٹلیپ فاندر (۱۸۰۳۔۱۸۶۸ء) کے درمیان ہو رہے تھے، جس کے نتیجے میں مناظراتی ادب میں تیزی سے اضافہ ہو رہا تھا۔

سرسید نے ان مناظروں سے عملاً اجتناب کیا، جن کا اصل مقصد اپنے مذہبی عقائد کی حقانیت اور دوسرے کے معتقدات کی تکذیب تھا۔ ان نزاعی مباحث کی وجہ سے شمالی ہند کی مجموعی فضا خاصی مکدر ہو چکی تھی اور اسلام اور نصرانیت کے پیروکاروں میں اختلافات کی خلیج وسیع ہوتی جا رہی تھی۔ سرسید نے اس صورتحال کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے ایک ایسی راہ نکالی جس پر گامزن ہو کر اسلام اور مسیحیت میں موجود فاصلے کم ہوئے اور ایک دوسرے کے مذہبی تصورات کی تفہیم کے لیے بہتر دوستانہ ماحول پیدا کیا گیا۔

سرسید کو اپنے بعض نظریات کے حوالے سے شدید تنقید کا سامنا کرنا پڑا، لیکن وہ پامردی سے اس بادمخالف کا مقابلہ کرتے رہے۔ ان کی سب سے زیادہ مخالفت انکے مذہبی تصورات کی وجہ سے ہوئی، انجیل اور پھر قرآن کی تفسیر نے مخالفت کا ایک طوفان برپا کر دیا۔ ان کی بیشتر مذہبی تحریریں برصغیر کے انیسویں صدی کے نصف دوم میں پائے جانے والے مخصوص سیاسی حالات و واقعات کے پس منظر میں لکھی گئیں۔ مزید برآں سرسید کے عقلی رویوں نے بعض مذہبی عقائد کی جو مفسرانہ تاویلات کیں، ان کو من وعن تسلیم کر لینا امر محال تھا۔ بہرحال سرسید نے ایسی تحریروں کے ذریعے برصغیر میں بعض مذہبی عقائد میں اجتہادی نقطہ نظر اور روشن فکری کی روایت کو جہاں مستحکم کیا۔ وہاں فرقہ واریت اور اختلاف امت کا بھی نیا باب وا کیا۔ سرسید کے ایسے ہی مذہبی خیالات نے بعض اہل علم کو دعوت فکر دی اور اب تک اس موضوع پر مستقل تصانیف بھی اشاعت پذیر ہو چکی ہیں۔

سرسید احمد خان کی نشوونما دبستان شاہ ولی اللہ میں ہوئی۔ جہاں انھوں نے اپنی ابتدائی مذہبی تربیت حاصل کی تھی۔ انہوں نے شاہ ولی اللہ کے اس خاص فقرے کو کہ "اب وقت آ گیا ہے کہ اسلامی دینیات کو پوری طرح منطقی بحثوں اور دلیلوں سے مسلح کر کے میدان میں لایا جائے۔" اپنی لامحدود عقلیت پسندانہ تفکر کے نقطۂ آغاز کے طور پر استعمال کیا۔

لیکن اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ ایک غلام قوم کے اس رہنما کی عقلیت پسندی میں جرات مندانہ انداز فکر کے بجائے مرعوبانہ، معذرت خواہانہ اور مطابقت پذیرانہ رنگ غالب رہا۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے عیسائی مشنری اور آریہ سماجیوں کے اسلام پر حملے کے خلاف دفاعی طور پر ایسے کمزور پہلو اختیار کئے کہ وہ خود متنازع فیہ ہو گئے۔ سرسید احمد خان نے بعض ایسے مسلمات کا انکار کیا جن کے بارے میں مسلمانوں کو شبہات نہیں تھے۔ مثلاً اہل کتاب کے مارے ہوئے جانور کی حلت، جنوں کے وجود سے انکار، معجزات کی مادی تعبیر، حدیث کی صحت کا انکار، جہاد کی کمزور تاویل وغیرہ یہی معذرت خواہانہ رویہ دراصل مجددانہ فکر کی بنیاد بنا۔ جس نے آگے چل کر دو رخ اختیار کئے۔

(۱) ایک رخ پر وہ لوگ کھڑے تھے جنہوں نے دین اسلام کو اپنی نام نہاد مذہبی عقلیت کے نام پر بازیچہء اطفال بنا کر رکھ دیا۔ کبھی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مہدی موعود کی آمد کی پیشن گوئیاں کی گئیں اور کبھی نبی ہونے کے دعوے کیے گئے اور نئی شریعت میں جہاد کو امت کے لئے حرام قرار دیا گیا کبھی حدیث نبوی کی حجیت پر اعتراضات کر کے انہیں نا قابل اعتبار ماخذ دین گردانا گیا اور کبھی قرآن کی من مانی تاویلات کر کے قرآنی تعلیمات کو مذاق بنا کے رکھ دیا۔

(۲) دوسری جانب سرسید کے کام کو آگے بڑھانے والے وہ لوگ تھے جنہوں نے نہ تو دین کے خلاف بغاوت کی اور نہ ہی جدید علوم اور مادی ترقیاں انہیں مرعوب کر سکیں انہوں نے دین اسلام کے سچے عاشق ہونے کے ساتھ ساتھ دین کی از سر نو تشکیل جدید کی اہمیت کو محسوس کیا اور فلسفہ و سائنس کے ہتھیاروں سے لیس ہو کر دفاع دین کا فریضہ سرانجام دیا اس گروہ کی نمائندہ شخصیت علامہ اقبال کے روپ میں منصہ شہود پر ابھرتی نظر آئی۔

سرسید اور مفسر حقانی کے زمانے میں مسلمانوں کو تین خطرے درپیش تھے۔ پہلا خطرہ عیسائی مشنریوں کی طرف سے تھا دوسرا خطرہ یورپ اور ہندوستان میں ان خیالات کی ترویج تھی کہ اسلام عقل و اخلاق کا دشمن اور ترقی کا بیری ہے تیسرا خطرہ نئی تہذیب و تمدن کی وجہ سے خود مسلمان کے دلوں میں مذہب کے معاملے میں شکوک و شبہات کا پیدا ہونا تھا ان تینوں خطروں کے سدباب کے لئے سرسید نے جس جدید علم کلام کی بنیاد رکھی اس کا مرکزی خیال عقل کو ہر چیز پر مقدم رکھنا ہے اور دلائل و قیاسات کے ذریعے اسلام کی حقیقت واضح کرنا ہے اگرچہ اس طریق کار کی خاطر سرسید کو بہت سے مسائل میں ناروا تاویلات سے کام لینا پڑا اور یہ حقیقت نظر انداز کی جاتی رہی کہ مذہبی زندگی کی اساس روحانی تجربہ اور عقیدہ پر ہے نہ کہ عقل و قیاس پر، تاہم ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ایسی فروگذاشتوں کے باوجود سرسید ہی ہندی مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کے علمبردار ہیں۔

سرسید نے اپنی تعلیمات کے لئے علم الکلام کا سہارا لیا اور عقل و دلیل کو اپنا ہتھیار بنایا اور اس بات کو رد کر دیا جس کو وہ عقل اور دلیل کی کسوٹی پر پرکھنے میں کامیاب نہ ہو سکے اس کے لئے ان کو بعض آیات کی دور از قیاس تاویلیں بھی کرنا پڑیں اور ان ہی کوششوں کی وجہ سے ان کے حامیوں کے دل میں خلش پیدا ہوئی۔ کیونکہ صدیوں کے مروجہ مذہب اور اس کی تعلیمات کا ڈھانچہ، ان تاویلات کی زد میں آ گیا اور حقیقت یہ ہے کہ خود سرسید کے پیروکار اور انکی تعلیمات اس مروجہ مذہب جس کو گرانے کے لئے علم الکلام ایجاد کیا گیا کے ملبے تلے دب گئیں۔ چنانچہ سرسید کے اس علم الکلام کی ناکامی کے بارے میں شیخ محمد اکرام اپنی کتاب ''موج کوثر'' میں لکھتے ہیں۔

> ''جدید علم الکلام کی ناکامی کی ایک اصولی وجہ یہ ہے کہ متکلمین عقل کو ہر چیز پر مقدم رکھ کر دلائل اور قیاسات کے ذریعے سے اسلام کی حقیقت واضح کرتے ہیں بظاہر تو یہ طریق کار ٹھیک ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ عقائد اور ایمان کی بنیاد عقل پر اتنی نہیں ہوتی جتنی قلبی مشاہدے اور ذاتی تجربے پر۔ جب آدمی اپنے تجربے اور مشاہدے کی مدد سے یا بقول غزالیؒ باطن کی آنکھوں سے اللہ کی قدرت دیکھ لیتا ہے تو اسے خود بخود خدائے تعالیٰ کی ہستی پر یقین آ جاتا ہے اس تیقن سے اسے مصائب میں تسکین ملتی ہے اور زندگی کی جدوجہد میں تقویت پہنچتی ہے پھر اسے اس بات کی ضرورت نہیں رہتی کہ جزوی مسائل کو سائنس یا عقل کے ترازو میں تولے۔ مذہبی زندگی کی بنا روحانی تجربے اور مشاہدہ پر ہے عقل و قیاس پر نہیں۔ متکلمین خشت اول ہی ٹیڑھی رکھتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ ان کے دلائل خواہ کس قدر موثر ہوں ان سے متشککین کی روحانی تسکین نہیں ہوتی اور سرسید کی قابلیت، محنت اور مذہبی ہمدردی کے باوجود یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان کے علم کلام نے تعلیم یافتہ طبقے یا ارباب شک و الحاد کو ایمان کی دولت بہم پہنچائی ہے۔'' ۳۳

ان تینوں خطروں میں سے جہاں تک مشنریوں کے خطرے کا تعلق ہے ظاہر ہے کہ اس کا مقابلہ بنگلے کی چار دیواری میں بیٹھ کر کتابیں لکھنے سے نہ ہو سکتا تھا۔ یہ لوگ شاہراہوں اور چوکوں میں کھڑے ہو کر لیکچر دیتے۔ پمفلٹ تقسیم کرتے، مناظرے کی دعوتیں دیتے اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وہیں انہیں کوئی شکار مل جاتا۔ضروری تھا کہ جو ہتھیار یہ لوگ استعمال کرتے تھے۔انہیں سے ان کا مقابلہ کیا جائے۔چنانچہ مولانا رحمت اللہ کیرانوی، مولوی آل حسن، ڈاکٹر وزیر خان، مولوی سید ناصر الدین، مولانا محمد قاسم، مولانا عبدالحق حقانی اور دوسرے بزرگوں نے اسی طرح ان کا مقابلہ کیا۔ان سے بالمشافہ مناظرے کیے ان کے مقابلے میں کتابیں لکھیں۔پمفلٹ تقسیم کیے اور یہ انہیں بزرگوں کی کوششیں تھیں کہ عام مسلمانوں میں مشنری کامیاب نہ ہوئے۔

آج اس تفسیر (تفسیر القرآن) کو شائع ہوئے قریباً ساٹھ سال گزر چکے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعض مسلمانوں نے کئی اہم مسائل میں سرسید کی رائے اختیار کر لی ہے۔مولوی محمد علی امیر جماعت احمدیہ کی تفسیر قرآن بیشتر سرسید ہی کی ترجمانی ہے۔حضرت عیسیٰ کے متعلق سرسید کے جو عقائد تھے، وہ مرزا غلام احمد نے اختیار کر لیے۔اور جیسا کہ نظام المشائخ میں ڈاکٹر محمد اسمٰعیل کے مضامین سے ظاہر ہوتا ہے۔اور بھی کئی مسلمان ان سے متفق ہو گئے ہیں۔اسی طرح مسئلہ نسخ کے متعلق کئی علماء سرسید سے متفق ہیں۔کسی زمانے میں قرآن مجید کی پانسو آیات منسوخ سمجھی جاتی تھیں۔شاہ ولی اللہ نے انھیں گھٹا کر پانچ قرار دیا۔سرسید نے سرے سے نسخ کا انکار کیا۔اور آج ہم دیکھتے ہیں کہ مفتی محمد عبدہ نے بھی جو سید جمال الدین افغانی کے دست راست رہے ہیں۔اور مصر کے مفتی اعظم تھے۔اپنی تفسیر میں نسخ سے بالکل انکار کیا ہے۔ اسی طرح نواب صدیق حسن خان نے شاہ ولی اللہ کی بیان کردہ پانچ آیات کو غیر منسوخ قرار دیا ہے اور اگرچہ انہوں نے اپنی طرف سے چند آیات پیش کر دی ہیں جو ان کے نزدیک منسوخ ہیں۔لیکن نواب صاحب اور شاہ صاحب کے اختلاف ہی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس معاملے میں سرسید کی رائے اصولی طور پر کس قدر صحیح ہے۔اسی طرح قرآن میں پرانے انبیا کا جو کنایۃً ذکر ہے اس کے متعلق اسرائیلی روایات سے تفصیلات لے کر ''قصص الانبیا'' مرتب کرنے اور انھیں جزو اسلام سمجھ لینے کا جو مرض پرانے مفسرین میں تھا۔اور جس کے خلاف ابن خلدون، شاہ ولی اللہ اور سرسید نے صدائے احتجاج بلند کی، اس سے آج کئی سمجھ دار علما نالاں ہیں۔کلکتے میں اہل حدیث کی مسجد کے خطیب مولانا ابوسعید عبدالرحمٰن صاحب فرید کوٹی نے اخبار ہند میں تفسیر کے متعلق مضامین کا ایک سلسلہ شائع کرایا۔ان کے مطالعہ سے بھی معلوم ہوتا ہے۔کہ عام علماء اب سرسید کے خیالات سے کئی باتوں میں قریب آ رہے ہیں۔مولانا ابوسعید نے نہ صرف ناسخ و منسوخ کے مسئلے میں سرسید کی رائے سے اتفاق کیا ہے بلکہ نہایت مدلل مضامین میں تفسیر کبیر، تفسیر خازن، تفسیر فتح البیان وغیرہ سے مثالیں درج کی ہیں، جن میں مفسرین نے قرآن کے سادہ الفاظ کے معنی و مطلب بیان کرنے میں بڑا ''تصرف'' کیا ہے یا زیب داستان کی غرض سے ایسی اسرائیلی روایات تفسیر میں درج کر دی ہیں، جن کے بیان کرنے پر حضرت علیؓ نے درے لگانے کا حکم دیا تھا۔اسی طرح اگر ہندوستان اور پاکستان سے باہر کے علما کو دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ ان میں سے کئی سرسید کے ہم خیال ہیں۔سرسید نے اہل کتاب کا ذبیحہ جائز قرار دیا تو ہندوستان کے علماء نے اس کی بڑی مخالفت کی، لیکن اس کے تیس برس بعد مصر کے مفتی اعظم نے اس کے حق میں فتویٰ دیا۔سرسید نے کہا گورنمنٹ یا بنکوں کے قرضے پر سود لینا دینا جائز ہے اور علما نے نہ مانا، لیکن مصر میں مفتی اعظم نے اسے جائز قرار دیا۔

شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں۔

> ''مصر میں ''المنار'' غالباً عربی کا سب سے موقر اسلامی رسالہ ہے۔اس نے بہت حد تک مصر کو ترکی کی تقلید سے بچایا ہے اور اسلام کے مخالفوں کے مقابلے میں ڈھال کا کام دیا ہے۔اس کے ایڈیٹر علامہ رشید رضا کو حجۃ الاسلام کہتے تھے۔انھوں نے اپنے رسالے میں قرآن مجید کی ایک اہم تفسیر شائع کی ہے جس کا کچھ حصہ مفتی محمد عبدہ کے خطبات سے ماخوذ ہے اور کچھ حصہ سید رشید رضا کا اپنا لکھا ہوا ہے۔اس تفسیر کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ بالآخر اکثر مسائل میں جامعہ الازہر کے تعلیم یافتہ فقیہہ اور مصر کے سب سے بڑے عالم اسی رستے پر چل رہے ہیں، جو سرسید نے آج سے پچاس ساٹھ سال پہلے دکھایا تھا۔تعدد ازدواج کے مسئلے میں المنار نے وہی طرز عمل اختیار کیا جو سرسید نے شروع

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کیا تھا۔ اسلام کو سائنس کے مطابق ثابت کرنے کی کوشش اسی طرح جاری ہے جس طرح سرسید کی تفسیر القرآن میں تھی۔ سرسید نے اجنہ کو بھوت پریت کی قسم کی ہستیاں ماننے سے انکار کیا تھا۔ المنار بھی اس خیال سے متفق ہے۔ بلکہ اس کے مطابق جن، جراثیم کی قسم کی کوئی چیز ہیں جو نظر نہیں آتے لیکن بیماریاں پھیلاتے رہتے ہیں۔'' ۳۴

شیخ محمد اکرام مزید لکھتے ہیں۔

''مندرجہ بالا کئی مسائل ایسے ہیں، جنھیں دیکھ کر خیال ہوتا ہے کہ سرسید نے تفسیر قرآن میں جو طریقہ اختیار کیا تھا، اس کی کئی باتیں برصغیر پاک و ہند بلکہ دوسرے اسلامی ممالک کے علماء اختیار کر رہے ہیں۔ اور شاید اس کے سوا سرسید کا کوئی قصور نہ تھا کہ وہ دوسرے علما کی بہ نسبت زیادہ دور اندیش اور دور بین تھے۔ تفسیر کی اشاعت نے سرسید کے دوسرے کاموں کو بہت نقصان پہنچایا اور اس سے فائدہ بہت کم ہوا۔ ان کا اصل مقصد مسلمانوں میں تعلیم عام کرنا اور ان کی دنیوی ترقی کا انتظام کرنا تھا۔ اسلام اور تفسیر قرآن کے متعلق، بالخصوص ان مسائل کے متعلق جن کا نہ تعلیم سے خاص تعلق تھا نہ دنیوی ترقی سے۔ عام مسلمانوں سے گہرا اختلاف پیدا کر کے سرسید نے اپنی مخالفت کا سامان آپ پیدا کر لیا اور بعض لوگوں کو انگریزی تعلیم سے عقائد متزلزل ہو جانے کا جو ڈر تھا۔ اس کا بدیہی ثبوت خود بہم پہنچایا۔'' ۳۵

اس کے علاوہ سرسید نے اپنی رائے اور قیاس کے زور سے قرآنی آیات کو نیا مفہوم دے کر ایک ایسی مثال قائم کر دی جس کی پیروی بعضوں نے بری طرح کی ہے۔ اور ہر آیت یا حدیث کی تاویل کر کے حسب خواہش معنی مراد لیے ہیں۔ یورپ سے کوئی بھی آواز اٹھے، لوگ فوراً یہ کہنے کو تیار ہو جاتے ہیں کہ ہمارے ہاں بھی یہی ہے۔ اس طریقے سے ایک تو مخالفین کی نظروں میں جن کے اعتراضات رفع کرنے کے لئے علم کلام کی ضرورت بتائی جاتی ہے۔ اسلام کی کوئی وقعت اور عزت نہیں رہتی اور دوسرے قوم میں خود نیک و بد اور موزوں اور غیر موزوں کی تمیز اٹھ جاتی ہے اور ایمان و یقین سے عاری لوگوں کے ہاتھوں میں مذہب ایک کھلونا بن جاتا ہے۔

سرسید کے جدید علم کلام پر اس طرح کے کئی اعتراض ہو سکتے ہیں لیکن اس امر کا اعتراف ضروری ہے کہ سرسید نے جو کچھ کیا۔ قوم کی بہتری کے خیال سے کیا۔ ان تمام اسلامی ممالک کو جن کا واسطہ مغربی حکومتوں اور مغربی علوم سے پڑا ہے جدید علم الکلام کی ضرورت محسوس ہوئی ہے۔ ترکی اور مصر میں وہی عمل جاری ہوا ہے۔ جو ہندوستان میں اس سے پہلے ہوا تھا۔ آخر شکوک و شبہات ایک نہ ایک دن پیدا ہونے والے تھے۔ اور ایک طرح یہ اچھا ہوا جو منزل قوم کو آج یا کل ضرور طے کرنی تھی وہ سرسید ایسی ہستی کی رہنمائی میں پہلے ہی طے ہو گئی۔

سرسید کے افکار و خیالات نے جدید علم کلام کی بنیاد میں اہم کردار ادا کیا سرسید کا تعلق اگرچہ معروف طبقہ علماء سے نہیں تھا۔ مگر وہ عربی اور فارسی کے فاضل انسان تھے۔ ان کے افکار پر علماء نے نقد و جرح کی مگر آہستہ آہستہ علماء میں بھی کچھ لوگ ایسے پیدا ہو گئے جنھیں اس ضرورت کا احساس ہوا کہ اسلامی مدارس کا نصاب ضروریاتِ زمانہ کے مطابق بنایا جائے۔ اور قدیم علماء اور علی گڑھ پارٹی کے بین بین ایک تعلیمی اور مذہبی طریقہ کار قائم ہو۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے ۱۸۹۴ء میں لکھنو میں ندوۃ العلماء قائم ہوا اس کے مقاصد حسب ذیل تھے۔

(۱) نصاب تعلیم کی اصلاح، علوم دین کی ترقی، تہذیب اخلاق اور شائستگی اطوار

(۲) علماء کے باہمی نزاع کا رفع اور اختلافی مسائل کے رد و کد کا پورا انسداد

(۳) عام مسلمانوں کی اصلاح و فلاح اور اس کی تدابیر مگر سیاسی اور ملکی معاملات سے علیحدہ

(۴) ایک عظیم الشان اسلامی دار العلوم کا قیام جس میں علوم و فنون کے علاوہ عملی صنائع کی بھی تعلیم ہو۔

(۵) محکمہ افتاء کا قیام

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں۔

''سرسید احمد خان (خدا ان کو معاف کرے) کی قیادت میں علی گڑھ سے جو تعلیمی تحریک اٹھی تھی اس کا وقتی مقصد یہ تھا کہ مسلمان اس نئے دور کی ضروریات کے لحاظ سے اپنی دنیا درست کرنے کے قابل ہو جائیں۔ تعلیم جدید سے بہرہ مند ہو کر اپنی معاشی اور سیاسی حیثیت کو تباہی سے بچالیں اور ملک کے جدید نظم ونسق سے استفادہ کرنے میں دوسری قوتوں سے پیچھے نہ رہ جائیں اس وقت اس سے زیادہ کچھ کرنے کا شاید موقع نہ تھا اگرچہ اس تحریک میں فوائد کے ساتھ ساتھ نقصانات بھی اور خطرات بھی تھے۔ مگر اس وقت اتنی مہلت نہ تھی کہ غور وفکر کے بعد کوئی ایسی محکم پالیسی متعین کی جاتی جو نقصانات سے پاک اور فوائد سے لبریز ہوتی۔ نہ اس وقت ایسے اسباب موجود تھے کہ اس نوع کی تعلیمی پالیسی کے مطابق عمل درآمد کیا جا سکتا لہٰذا وقتی ضرورت کو پیش نظر رکھ کر مسلمانوں کو اسی طرز تعلیم کی طرف دھکیل دیا گیا اور خطرات سے بچنے کے لئے کچھ تھوڑا سا عنصر اسلامی تعلیم وتربیت کا بھی رکھ دیا گیا تھا جس کو جدید تعلیم اور جدید تربیت کے ساتھ قطعاً کوئی مناسبت نہ تھی۔'' ۳۶

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی مزید لکھتے ہیں۔

''اس تحریک نے ایک حد تک ہماری دنیا تو ضرور بنادی مگر جتنی دنیا بنائی اس سے زیادہ ہمارے دین کو بگاڑ دیا اس نے ہم میں کالے فرنگی پیدا کئے اس نے ہم میں ''اینگلو محمڈن'' اور ''اینگلو انڈین'' پیدا کئے اور وہ بھی ایسے جن کی نفسیات میں ''محمڈن'' اور ''انڈین'' کا تناسب برائے نام ہی ہے۔ اس نے ہماری قوم کے طبقہ علیا اور طبقہ متوسط کو جو دراصل قوم کے اعضائے رئیسہ ہیں باطنی وظاہری دونوں حیثیتوں سے یورپ کی مادی تہذیب کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ صرف اتنے معاوضہ پر کہ چند عہدے، چند خطابات، چند کرسیاں ایسے لوگوں کو مل جائیں جن کے نام مسلمانوں سے ملتے جلتے ہوں۔'' ۳۷

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا خیال یہ ہے کہ سرسید احمد خان نے ایسا نقطۂ نظر اپنایا جس سے دینی وعلمی حلقوں میں سخت برہمی پیدا ہوئی۔ وہ کہتے ہیں۔

''وہ اس تہذیب اور معاشرہ سے اس طرح متاثر ہوئے کہ ان کے دل ودماغ، اعصاب اور ساری فکری صلاحیتیں اس سے وابستہ ہو گئیں۔ ۱۲ اکتوبر ۱۸۷۰ء میں وہ اس تہذیب کے گرویدہ اور ہندوستان کی مسلم سوسائٹی میں ان اقدار اور اصولوں کی بنیاد پر اصلاح وتغیر کے پرجوش داعی اور مبلغ بن کر اپنے ملک واپس ہوئے اور پورے خلوص اور گرم جوشی کے ساتھ انہوں نے اس تحریک ودعوت کا علم بلند کیا اور اپنی ساری صلاحیتیں اور قوتیں اس کے لئے وقف کر دیں۔ ان کا نقطۂ نظر خالص مادی ہو گیا۔ وہ مادی طاقتوں اور کائناتی قوتوں کے سامنے بالکل سرنگوں نظر آنے لگے وہ اپنے عقیدہ اور قرآن مجید کی تفسیر بھی اس بنیاد پر کرنے لگے انہوں نے اس میں اس قدر غلو سے کام لیا کہ عربی زبان ولغت کے مسلمہ اصول وقواعد اور اجماع وتواتر کے خلاف کہنے میں بھی ان کو باک نہ رہا۔ چنانچہ ان کی تفسیر نے دینی وعلمی حلقوں میں سخت برہمی پیدا کر دی۔'' ۳۸

آگے چل کر مزید لکھتے ہیں۔

''یہ انتہا پسندانہ مادی رجحان، عقل انسانی کی تقدیس اور اس کے حدود اور دائرہ عمل کی ضرورت سے زائد توسیع خدا کی قدرت ومشیت کو قوانین فطرت اور اسباب ظاہری کا پابند سمجھنا، قرآن کی جسارت کے ساتھ تاویل وتشریح، وہ چیزیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تھیں جنہوں نے ایک نئے فکری انتشار اور بے راہ روی اور بے باکی کا دروازہ کھول دیا اور آگے چل کر لوگوں نے اس سے ایسا غلط فائدہ اٹھایا کہ دین کی تشریح اور قرآن کی تفسیر بازیچۂ اطفال بن گئی۔'' ۳۹

سرسید احمد خان نے مسلمانوں کے لئے تعلیم کا بندوبست کیا ان کے نظریات مبنی بر عقل تھے انہوں نے تمام ایسی حقیقتوں کا انکار کر دیا جو عقل کے معیار پر پوری نہیں اترتی تھیں۔ علی گڑھ مدرسہ کی بنیاد رکھ کر انہوں نے مغربیت کے اثرات کی عمارت کا سنگ بنیاد رکھ دیا۔ اور اس بنیاد پر اٹھائی جانے والی عمارت کی اکثر اینٹیں ٹیڑھی تھیں۔ جدید تہذیب کا فکر اور مذہب پر سب سے پہلا اثر یہ ہوا کہ لوگوں کا رویہ مذہب کی طرف سے تبدیل ہوا اور مادیت پرستی پر ان کا یقین بن گیا۔

برصغیر پاک و ہند میں تحریک تجدد کے بانی سرسید احمد خان ہیں ان کے مدرسے کا فارغ التحصیل طالبعلم اگرچہ بظاہر مشرقی معلوم ہوتا تھا۔ مگر اپنے افکار و نظریات کے لحاظ سے مغربی تھا۔

محترمہ مریم جمیلہ سرسید کے فکر اور عمل کے بارے میں یوں لکھتی ہیں۔

"In order to promote a modernized class of Muslims, Sir Sayyid Ahmad Khan founded a school at Aligarh in 1878. Convinced of inadequacies of Arabic, Persian, Urdu or any of the Indian vernaculars, he insisted on English as the sole medium of instruction. In 1920 Aligarh was promoted to the status of a university. Sayyid Ahmad Khan was the leading pioneer of modernist appologetics. "(40)

تحریک قادیانیت کی بنیاد بھی سرسید کے افکار پر تھی اس تحریک کے بانی مرزا غلام احمد قادیانی تھے۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے مریم جمیلہ لکھتی ہیں۔

"Mirza Ghulam Ahmad (1839-1908) followed faithfully in the footsteps of his master. In declaring it most desriable to shed one's blood in the cause of British imperialism but condemening Jihad as a crime, he was merely carrying Sayyid Ahmad Khan's idea to thier logical conclusions."(41)

سرسید حدیث کو اپنے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ سمجھتے تھے۔ اس لیے انہوں نے اس خیال کی اشاعت شروع کی کہ حدیث ہمارے لئے حجت نہیں ہے اپنے موقف کو مضبوط بنانے کے لئے کبھی کبھی تو یہ خود حدیث کا سہارا لیتے ہیں یعنی ان حدیثوں کا جو ضعیف ہیں۔ لیکن اگر کوئی اور شخص حدیث کو دلیل بنا کر پیش کرے تو ان کے نزدیک قابل قبول نہیں ہے۔ سرسید نے حدیث کی حجیت کو مشکوک بنانے کے لئے طرح طرح کی باتیں بنائی ہیں۔ ایک یہ کہ احادیث ہم تک پوری صحت کے ساتھ نہیں پہنچیں۔ جو ہم انہیں اپنے لیے حجت مانیں۔ پھر یہ کہ اگر فرض کر لیں کہ یہ اپنی اصلی حالت میں ہم تک پہنچ بھی گئی ہیں۔ تو بھی ہمارا ان کے مطابق عمل کرنا ضروری نہیں۔ کیونکہ وہ باتیں صرف آپؐ کے زمانے تک کے لئے تھیں۔ تیسری بات یہ کہ احادیث کو درمیان سے اس لئے ہٹانا چاہا تا کہ قرآن کی من مانی تاویل کر کے اپنی مرضی سے احکام منضبط کر سکیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سرسید کی دیکھا دیکھی مسلمانوں میں سے کافی لوگ ایسے پیدا ہو گئے جو حدیث کے حجیت سے انکار کرنے لگے۔ قرآن کو اپنے مطلب کے مطابق بنانے کے لئے انہوں نے درمیان سے حدیث کو ہٹا دیا کیونکہ حدیث کی موجودگی میں وہ قرآن سے عیسائیت، یہودیت، اشتراکیت، سرمایہ داری اور ڈارون کے نظریہ ارتقاء کو کس طرح درست ثابت کر سکتے تھے۔ انہوں نے قرآنی تفسیر کے لئے ہر ایک کو اس کی فہم و فراست کے مطابق اجازت دے دی۔ اس طرح تفسیر قرآنی کا ایک نیا رجحان پیدا ہوا۔ انہوں نے تفسیر قرآن کے سلسلے میں جس آزادی کا ثبوت دیا اس کا اندازہ مندرجہ ذیل آیت کی مختلف تفاسیر سے ہوتا ہے۔

" فقلنا اضرب بعصاک الحجر". (البقرہ: ۶۰)

سرسید احمد خان اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

''یعنی اپنی لاٹھی کے سہارے سے اس پہاڑی پر چڑھ چل، اس پہاڑی کے پرے ایک مقام ہے جس کو توریت میں ''ہلیم'' لکھا ہے وہاں بارہ چشمے پانی کے جاری تھے۔'' ۴۲

بعد میں اس کا اثر یہ ہوا کہ ہر کوئی اپنے آپ کو مفسر قرآن سمجھنے لگا اور اپنی فہم کے مطابق قرآن کا ترجمہ و تشریح ہونے لگی۔

تمام خرابیوں کی جڑ اس ایک خرابی میں ہے۔ جونہی لوگوں نے قرآن کو حدیث کی قید سے آزاد کیا وہیں اپنے ہر کام کے لئے جواز قرآن سے ڈھونڈ لیا۔ لیکن حقیقتاً یہ سب کچھ مغرب کی تقلید میں ہو رہا تھا۔ اب بھی تقلید مغرب کا رجحان ایک عام بات ہے۔ افکار سرسید کا جو سب سے مہلک اثر ہوا ہے۔ وہ یہی ہے کہ مسلمان بھی اپنی فلاح اور ترقی کو مغرب کے نقش قدم پر چلنے میں ہی مضمر پاتے ہیں۔ اور اندھا دھند مغرب کی تقلید میں لگے ہیں۔

مغرب کی تقلید میں افکار سرسید کے زیر اثر یہاں بھی مذہب کو سیاست سے الگ کر دیا گیا۔ اہل مغرب کے ہاں مذہب کے خلاف شدید رجحان پایا جاتا تھا کیونکہ مذہب کے نام لیواؤں نے ان پر مذہب کی آڑ میں ظلم و ستم کی انتہا کر دی تھی۔ چنانچہ انہوں نے مذہب کو اپنے تمام اجتماعی معاملات سے الگ کر دیا۔ چنانچہ مذہب سے بیزار یہی لوگ جب ہندوستان میں وارد ہوئے تو ان کی یہ سوچ بھی ان کے ساتھ ہی یہاں منتقل ہو گئی اور مذہب کو ہر شعبۂ زندگی سے الگ کر دیا گیا۔

پاکستان جو اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا۔ اس کے اندر بھی یہی رویہ اختیار کیا گیا ہے اور آج تک ہم اسلام کو اپنے نظام حکومت میں عملی طور پر شامل نہیں کر سکے اس لیے کہ ہم ذہنی طور پر مرعوب و مغلوب ہیں۔ لاشعوری طور پر انہی کی تقلید کر رہے ہیں۔ صرف سیاست ہی سے نہیں بلکہ زندگی کے ہر شعبے سے اسلام کو خارج کر دیا ہے۔ لوگوں کی اکثریت اب اس انداز میں سوچتی ہے کہ اسلامی اصول و قوانین ہماری زندگی کے تمام شعبوں کے لئے راہنمائی مہیا نہیں کرتے۔

لوگوں میں رجحان عام ہونے لگا کہ اس دنیا کی آسائشوں اور نعمتوں کو حاصل کیا جائے۔ خواہ کسی بھی قیمت پر۔ یہی وجہ ہے کہ معاشرے میں ہر طرح کی برائیاں عود آئی ہیں۔ سفارش، رشوت، بدعنوانی عام ہو گئی ہے۔ جرائم کی تعداد بڑھ گئی ہے۔ اس لیے کہ لوگوں کے سامنے کوئی بلند مقصد حیات نہیں ہے۔ خدا کا خوف مفقود ہو گیا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ لوگوں میں خدا بیزاری کا ایک عام رجحان ہے تو بے جا نہ ہو گا۔ لوگ اس بات کے روادار نہیں کہ اسلام ان کی زندگی کے ہر میدان میں مداخلت کرے۔ ان کو ہر جگہ اسلام کا نام پسند نہیں۔ اسلام صرف مسجدوں تک محدود ہو کر رہ گیا۔ خدا اور اسلام کا نام لینے والوں کو معاشرے میں سخت تنقید کا سامنا ہے۔

مغرب والوں نے اپنی بنکاری کا سارا نظام ''سود'' پر قائم کیا ہوا ہے۔ اور اس نظام کو نئی تہذیب کی نمایاں خصوصیات میں سے شمار کیا جاتا ہے۔ بس ان کو دیکھتے ہوئے ان کے نمائندے نے بھی اپنی تمام فکری توانائیاں اس بات پر صرف کر دیں۔ کہ کس طرح تجارتی سود کو حلال قرار دیا جائے۔ سرسید احمد خان نے رباء کی حرمت کا سارا الزام فقہاء پر عائد کر دیا ہے۔ اور کہا ہے کہ رباء ملکی ترقی کے لیے ناگزیر ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''حکم رباء کا جو قرآن مجید میں ہے وہ نہایت اخلاق و نیکی پر مبنی ہے اور کسی طرح تجارت و ترقی، ملک و دولت کا مانع نہیں ہے۔ فقہاء نے بلاشبہ اپنے اجتہاد اور قیاس سے ایسی قیدیں بڑھادی ہیں۔ جن سے رباء کا حکم تجارت کی ترقی کا مانع قوی ہوگیا ہے۔ مگر قرآن مجید سے ایسا نہیں پایا جاتا۔'' ۴۳

یہی وجہ ہے کہ تمام پاکستانی بنکوں میں آج تک سودی لین دین جاری ہے اور اس کو ختم کرنا ایک معمہ بن گیا ہے اس لیے کہ لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات سما گئی ہے کہ سود کے بغیر کاروبار نہیں چل سکتا۔ حالانکہ بینکنگ کے پورے نظام کو مضاربت کے اصولوں پر چلایا جاسکتا ہے۔ اس طرح ہمارے معاشرے میں انشورنس کو جوں کا توں قبول کرلیا گیا ہے کیونکہ یہ تہذیب کی علامت ہے (اہل مغرب کے لئے) ہمارے ہاں یہ کوشش تو کی گئی کہ کسی طرح قرآن سے سود اور انشورنس کا جواز تلاش کرلیا جائے لیکن کسی نے یہ کوشش نہیں کی کہ انشورنس کے مروجہ نظام میں معمولی تبدیلیاں لاکر اسے اسلام کے اصولوں کے مطابق بنایا جائے۔

مغربی ممالک میں تعدد ازدواج ممنوع ہے اور ان کی نظر میں ایک سے زائد شادیاں کرنا عیب ہے۔ چنانچہ یہاں پر ان کے نمائندے نے مرعوبیت کے زیر اثر انتہائی معذرت خواہانہ انداز میں یہ تسلیم کیا کہ ہمارے مذہب نے تعدد ازدواج کو صرف ایمرجنسی کی صورتوں میں جائز قرار دیا تھا۔ اب وہ جائز نہیں ہے۔ اگر اجازت ہے تو مشروط طور پر اور پھر یہ تعدد ازدواج کو مشروط قرار دینے کو خلاف شریعت بھی نہیں سمجھتے۔ قرآن کی ایک واضح آیت

'' فانکحو ا ماطاب لکم من النساء مثنی و ثلث و ربع'' (النساء:۳)

ترجمہ: پس نکاح کرو جو تم کو خوش آویں عورتیں دو دو، تین تین، چار چار۔''

سرسید کے نزدیک یہ اجازت صرف اس صورت میں ہے جب یتامیٰ کی خبر گیری کا سوال ہو ورنہ اس کی اجازت نہیں۔

انہوں نے مغرب کی تقلید میں یہ سوچا ہی نہیں کہ اہل مغرب کو دوسری باضابطہ شادی کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی۔ لیکن یہاں غور کرنے کے لئے وقت ہی کسی کے پاس نہیں۔ قرآن پر غور کرنے کی بجائے تعدد ازدواج کو قانوناً مشروط قرار دے دیا گیا۔

اہل مغرب کے زیر اثر ہمارے ہاں بھی پردے کو معیوب سمجھا جانے لگا۔ اس مقصد کے لئے قرآنی احکام میں ردو بدل کا کام ہونے لگا۔ پردے کو ملکی ترقی میں رکاوٹ گردانا جانے لگا۔ حالانکہ غور طلب بات ہے کہ قرون اولیٰ میں جب مسلم خواتین میں پردے کا رجحان بہت زیادہ تھا تو مسلمان کس میدان میں ترقی نہ کرسکے۔ اس کے برعکس پردے کو چھوڑ کر مغرب والے جس اخلاقی پستی میں گرتے چلے گئے وہ ان کے لیے یا ان کے ہمنوا مشرقیوں کے لیے تو ترقی ہوسکتی ہے لیکن انسانیت کی انتہائی پستی اور ذلت ہے۔

انہوں نے قرآن کی واضح آیات پردہ کے بعد بھی پردہ کو ترقی کی راہ میں رکاوٹ جان کر ختم کرنے کی کوشش کی۔ اس کوشش کا نتیجہ ہے کہ اب تقریباً ہر اسلامی ملک میں پردے کو حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔

مخلوط تعلیم کا تصور بھی ہمارے ہاں ان کے توسط سے مغرب سے درآمد شدہ ہے۔ ہمارے ہاں مخلوط تعلیمی ادارے ہیں۔ (اعلیٰ تعلیمی ادارے) عرصہ دراز سے خواتین کی علیحدہ یونیورسٹی کا مطالبہ کیا جارہا ہے۔ لیکن تا حال اس طرف کوئی پیش رفت نہیں ہوئی اور جواز یہ دیا جاتا ہے کہ فی الحال ہمارے اتنے وسائل نہیں کہ ہم ایک علیحدہ یونیورسٹی کے اخراجات پورے کرسکیں۔

ہمارے لوگوں میں معجزات کے انکار کا رجحان بھی زور پکڑ گیا۔ اس لیے کہ اہل مغرب معجزات کو توہم پرستی قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ ہمارے ہاں بھی معجزات کو بے اصل کہہ دیا گیا ہے۔

''سرسید کی تعلیمات کے نتائج جمہور اہل اسلام کے مذہبی اعتقادات کی روشنی میں دو طرح کے ہیں۔ ایک وہ جن کے مفید ہونے میں کسی شک و شبہ کو راہ نہیں ہے۔ دوسرے وہ جو کسی اور فرقہ کے لیے تو مفید ہیں مگر عام مسلمان انہیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اعتبار سے ساقط اور مضر قرار دیتے ہیں۔ مسلم علماء کرام کا ایک مقتدر طبقہ اپنے مضر اثرات کی بنا پر آج بھی سرسید کا ویسا ہی مخالف ہے۔ جیسا کہ ان کے زمانے میں مخالف تھا۔'' ۴۴

پہلی قسم کے اثرات یہ ہیں۔

(۱) فضول رسومات کو مٹانا

(۲) ترقی یافتہ اقوام کے علوم وفنون سے استفادہ

(۳) ادب کو عام زندگی کا ترجمان بنانا اور اس مقصد کے لئے زبان وبیان کی سادگی پر زور دینا۔

(۴) (ہندوستان میں) دوقومی نظریہ پر اعتماد۔۔۔۔۔اس نظریے کی اہمیت سب سے پہلے سرسید ہی نے بتائی ہے۔ مسلمانوں کی قومیت جن مبادیات پر استوار ہوتی ہے۔ ان کی واضح نشاندہی انہیں نے کی ہے۔ اگرچہ علامہ اقبال مرحوم نے اس نظریہ کے جملہ منطقی، مذہبی، حکیمانہ اور سیاسی عواقب ونتائج پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ اور اسے ایک زندہ حقیقت کی صورت میں پیش کر کے ہند کے دہرنشینوں کو حرم آشنا کیا ہے اور ان کی تعلیمات کے نتیجہ میں حصول پاکستان کی جدوجہد نے جنم لیا ہے۔ لیکن سرسید کو اس معاملے میں جو اولیت حاصل ہے وہ قابل صد ستائش ہے۔

اب دوسری قسم کے اثرات ملاحظہ ہوں:

(۱) جدید تعلیم کے نتیجے میں پرانی اور مسلمہ اخلاقی قدروں کی پامالی۔۔۔۔۔جدید تعلیم نے پرانی اخلاق اقدار کو جس طرح مٹانا شروع کیا تھا، اس کا احساس سرسید کو خود اپنی زندگی ہی میں ہو گیا تھا۔ لیکن نئی تعلیم کے گوناگوں مالی فائدے متوقع نقصان کے مقابلے میں زیادہ اہمیت رکھتے تھے۔ اور آج تک یہی کیفیت بدستور موجود ہے۔

(۲) اپنے زمانے کی سائنسی تحقیقات اور ان کے قیاسی نتائج کو یقینی اور قطعی قرار دینا۔۔۔۔۔یہ وہی غلطی تھی جس میں تیسری چوتھی صدی میں فلسفۂ یونان کا مقابلہ کرتے وقت معتزلہ مبتلا ہوئے تھے۔ سرسید چونکہ یورپ اور عیسائیت کے تاریک پہلوؤں سے بخوبی واقف نہیں تھے۔ اور سائنس کی قوت سے بہت زیادہ متاثر ہوئے تھے۔ لہٰذا وہ مذہبی مسائل پر اظہار خیال کرتے وقت عقل ومنطق پر ضرورت سے زیادہ زور دیتے تھے۔ اقبال کی تعلیمات نے اعتقاد اور ایمان کی بالادستی ثابت کر کے سرسید کے اس اثر کو بڑی حد تک مٹا دیا ہے۔

(۳) رائے اور قیاس کی رو سے قرآنی آیات کا مفہوم معین کرنا۔۔۔۔۔بعضوں نے اس معاملے میں سرسید کی پیروی بہت بری طرح کی ہے۔ اور ہر آیت یا حدیث کی تاویل کر کے حسب خواہش معنی مراد لئے ہیں۔ اگرچہ سرسید نے کئی مذہبی امور میں اس طرح تمام مسلمانوں سے اختلاف کیا ہے، لیکن انہوں نے کوئی نیا فرقہ نہیں پیدا کیا۔ وہ نہ مجددیت کے دعویدار تھے نہ امامت کے نہ نبوت کے۔ لہٰذا ان کی غلطیاں اجتہادی غلطیاں ہیں۔ مگر ان کے بعض پیرو، اس رعایت کے مستحق نہیں ہیں۔

(۴) احادیث پر تنقید کرتے وقت اعتدال سے انحراف۔۔۔۔۔سرسید نے سر ولیم میور وغیرہ کے اعتراضات کا جواب دیتے وقت وضعی احادیث سے ان معترضین کے استفادہ کرنے پر جو بحث کی ہے۔ اس میں ان سے تدوین حدیث کے باب میں بہت سی غلطیاں سرزد ہو گئی ہیں۔ ان کے انہی خیالات سے متاثر ہو کر ''اہل قرآن'' کا فرقہ وجود میں آیا ہے اس فرقے کے نقیبوں نے آج تک حدیث کو غیر یقینی سرمایہ علمی ثابت کرنے کے لیے جو کچھ لکھا ہے، اس کے بیج سرسید کی تحریروں میں موجود ہیں۔ مثلاً

''سب سے زیادہ مقدس حدیث کا علم ہے۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے وقت میں تو حدیث کی روایت کرنے کی ممانعت تھی۔ خود حضرت عمرؓ نے لوگوں کو حدیث کی روایت کرنے سے منع کر دیا تھا۔ جو لوگ حدیث کی روایت کرتے تھے۔ ان کی درہ سے خبر لیتے تھے اور ابن مسعود اور ابودرداء اور ابوسعد انصاری کو بجرم روایت احادیث قید کر دیا تھا۔ کہا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جاتا ہے کہ خود حضرت ابوبکرؓ نے جس قدر حدیثیں جمع کی تھیں وہ جلادی تھیں۔'' ۴۵

اہل نظر جانتے ہیں کہ سرسید کا یہ دعوی سراسر غلط اور بے بنیاد ہے۔لیکن سرسید کے ان خیالات کو کافی اشاعت نصیب ہو چکی ہے۔ ''رسالہ طلوع اسلام'' کے مدیر غلام احمد صاحب پرویز سرسید کی مہیا کردہ ان ہی بنیادوں پر حدیث کے خلاف قلعہ بندی کرنے میں مصروف ہیں۔اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔اور اس کی ابتدا سرسید کی تحریریں ہیں۔

الطاف حسین حالی کا شمار سرسید کے ''حواس خمسہ'' یعنی ان کے جگری دوستوں میں کیا جاتا ہے کسی انسان کی اصلیت اس کے دوست سے بڑھ کر کون جان سکتا ہے۔

حالی کہتے ہیں کہ سرسید کے تمام نظریات اور آیات قرآنیہ کی عقلی تاویلات نئی اور انوکھی نہ تھیں۔سوائے معدودے چند کے سرسید کی تمام باتیں ایسی تھیں کہ جن کو فقہاء، مفسرین، علمائے دینیات یا محققین اسلام وغیرہ نے پیش کیا تھا۔سرسید نے ان کو اپنے موافق مطلب پا کر استعمال کر لیا اگرچہ ان مسائل میں سرسید احمد خان جمہور کے مسلک سے ہٹے ہوئے ہیں۔لیکن اپنی رائے میں بالکل ہی منفرد نہ تھے۔لہذا ''حیات جاوید'' میں حالی نے سرسید کے ۵۲ عقائد کا ذکر کر کے ان میں سے صرف ۱۱ عقائد ایسے گنوائے ہیں جن میں سرسیدی مطابقت پسند عقلیت جمہور اور سلف صالحین سے منفرد نظر آتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ حالی کہتے ہیں کہ

> ''سرسید نے اگر غور سے دیکھا جائے تو شاید اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا جو صداقتیں اہل اسلام کی تصنیفات میں فرداً فرداً ضبط تحریر میں آئی تھیں اور اکابر علماء کے سوا ان سے کسی کو اطلاع نہ تھی۔سرسید نے ان سب کو ایک ہی بار خاص وعام پر علی الاعلان ظاہر کر دیا۔کیونکہ جو ضرورتیں اس وقت خاص کر ہندوستان کے مسلمانوں کو درپیش تھیں۔وہ کسی خاص خرابی کی اصلاح سے رفع نہیں ہو سکتی تھیں۔'' ۴۶

مقالات حالی کے حصہ اول میں بھی سرسید کے دینی عقائد اور اسلامی تحریرات مثلاً تفسیر القرآن اور تہذیب الاخلاق وغیرہ کو انشا کرنے کا سبب جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں کے ذہنوں کو دین اسلام سے منحرف ہونے سے بچانا قرار دیا گیا ہے۔حالی لکھتے ہیں کہ

> ''وہ ایسے متعدد نوجوانوں کو جانتے ہیں جنہوں نے بذریعہ تحریر یا پبلک لیکچروں یا اپنے دوستوں کے سامنے زبانی اس بات کا اعتراف کیا کہ اگر سید صاحب کی تحریریں ہماری نظر سے نہ گزرتیں تو ہم اسلام سے منحرف ہو جاتے۔'' ۴۷

سرسید کو یقین تھا کہ ان کا جمہور علماء اسلام سے منفرد مذہبی طرز فکر، مسلمانوں میں ایسا تعلیم یافتہ فرقہ پیدا کرنے کا باعث بنے گا۔جو مذہبی خیالات میں مسلمانوں کے موجودہ فرقوں سے کسی قدر مختلف ہوں گے لیکن وہ کہا کرتے تھے۔کہ ایسا نیا فرقہ بہ نسبت اس کے کہ وہ اسلام کو چھوڑ کر دوسرا مذہب اختیار کر لیں۔یا کسی مذہب کے پابند نہ رہیں ہزار درجے بہتر ہے۔

المختصر سرسید کی مطابقت پذیر عقلیت پسندی کے اسباب ومحرکات پر بحث سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ مذہب وسائنس میں سرسید کی شخصیت کے کمزور پہلو یا ان کے حالات کے تقاضوں کی پیداوار سمجھا جانا کوئی ایسی غلط بات نہیں ہے۔اس لئے کہ انسان خطا کا پتلا ہے اور سرسید ایک انسان تھے۔ان سے جو اجتہادی غلطیاں ہوئیں۔انہیں رد تو کیا جا سکتا ہے۔لیکن ان کو شخصیت کو لعن طعن کرنا کسی طرح بھی مناسب روش نہیں ہے۔

> ''سرسید احمد خان پر ان کے مذہبی نظریات کے خلاف نکتہ چینی کی گئی ہے کہ انہوں نے جو کچھ کہا ہے اس کا بہت سا حصہ آج بھی درست نہیں سمجھا جاتا ان کے نکتہ چین کہتے ہیں کہ انہوں نے جو ایک عالم دین کے فرائض اپنے ذمے لے لیے اسکی قابلیت ان میں نہیں تھی۔بعض لوگوں کا استدلال یہ ہے کہ انہیں مذہبی معاملات میں الجھنے کی ضرورت نہیں تھی۔۔۔۔۔۔انہوں نے مسلمانوں کے ذہن کو ان تفاسیر سے ہٹانے کے لئے جو یونانی فلسفے کے جواب میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مرتب کی گئی تھیں۔ سب سے پہلے رہنمائی کی اور فکر کی جگہ فطری علوم کے عینی مشاہدات کی مدد سے قرآن کی تعلیمات اور اس کے فکر کو سمجھنے کی کوشش کی اس بناء پر ان سے غلطیاں بھی سرزد ہوئیں۔ مگر ان کی تفسیر کے بنیادی تصورات نامعقول نہیں ہیں انہوں نے ایک ایسی راہ دکھائی جس پر چلنے سے برعظیم کے تعلیم یافتہ مسلمانوں کے مذہبی تفکر کو کافی ترقی ہوئی۔ اپنے عہد کی غیر مسلم دنیا کے سامنے تعلیمات اسلامی کو ایک معقول انداز سے پیش کرنے میں بھی انہیں اولیت کا فخر حاصل ہے۔ تعلیم یافتہ مسلمانوں میں اپنے مذہب کی صداقت کے متعلق جو اذعان و یقین اس وقت ہے۔ وہ انکی ابتدائی کوشش کے بغیر کمزور رہ جاتا۔ سید امیر علی جیسے لوگ ان ہی کے نقش قدم پر چلے اور دنیا میں اسلام کا فہم پیدا کرنے کے متعلق عظیم خدمت انجام دی۔'' ۴۸

اب تصویر کے دوسرے رخ کی طرف آتے ہیں عصر حاضر کے مشہور نقاد ضیاء الدین لاہوری سرسید کے مذہبی عقائد پر زبردست تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''جدید تعلیم کی اشاعت، زبان و ادب کی ترقی، صحافت کے ذوق کی تعمیر، تحقیق و تدوین اور تالیف و تراجم کی تحریک میں سرسید کی خدمات کا انکار ممکن نہیں۔ بلکہ ہم ان کا شاندار الفاظ میں اعتراف کرنے پر مجبور ہیں۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ مسلمانوں میں دینی بے راہروی کی اگر علمی بنیادیں تلاش کریں تو وہ سرسید کی تفسیر، تہذیب الاخلاق کے مقالات، مذہبی مسائل و معتقدات کے بارے میں ان کے اسلوب اور افکار میں تلاش کرنی چاہیں۔ سرسید نے بعض مذہبی معتقدات کے لیے صرف تاویل ہی کا طریقہ اختیار نہیں کیا۔ بلکہ انکار و تمسخر کی روش کو اپنایا ہے۔ انہوں نے اسلامی معتقدات کی سربفلک عمارت کو ڈھایا ہی نہیں، اس کی تباہی پر قہقہے بھی لگائے اور اس کی شان و رفعت کا مذاق بھی اڑایا۔ میں یہاں انکی تفسیر سے صرف ایک اقتباس پیش کروں گا۔ جنت کی حقیقت کے بارے میں لکھتے ہیں:

''یہ سمجھنا کہ جنت مثل ایک باغ کے پیدا ہوئی ہے، اس میں سنگ مرمر اور موتی کے جڑاؤ محل ہیں، باغ میں شاداب و سرسبز درخت ہیں، دودھ و شراب و شہد کی ندیاں بہ رہی ہیں، ہر قسم کا میوہ کھانے کو موجود ہے۔ ساقی و ساقنین نہایت خوبصورت چاندی کے کنگن پہنے ہوئے، جو ہمارے ہاں کی گھوسنیں پہنتی ہیں۔ شراب پلا رہی ہیں، ایک جنتی ایک حور کے گلے میں ہاتھ ڈالے پڑا ہے، ایک نے ران پر سر دھرا ہے، ایک چھاتی سے لپٹا رہا ہے، ایک نے لب جاں بخش کا بوسہ لیا ہے۔، کوئی کسی کونے میں کچھ کر رہا ہے کوئی کسی کونے میں کچھ، ایسا بے ہودہ پن ہے جس پر تعجب ہوتا ہے۔ اگر بہشت یہی ہو تو بے مبالغہ ہمارے خرابات اس سے ہزار درجہ بہتر ہیں۔''

اس عبارت کو ایک بار نہیں، بار بار پڑھیے اور غور کیجیے، کیا یہ ایک اسلامی اور مبنی بر نص قرآنی عقیدے کی حکیمانہ تفسیر اور محض تاویل ہے یا انکار و تمسخر؟ کیا اسے پڑھنے کے بعد سرسید کا کوئی معتقد اسلامی عقائد پر قائم و استوار رہ سکتا تھا اور رہا؟ حیرت ہوتی ہے کہ سرسید سا عقل پرست اور وہ شخص جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے علم کلام کے ایک نئے مکتبہ فکر کی بنیاد رکھی، فہم و بصیرت اور حکمت سے دور ایسی باتیں کرتا ہے جنت کا خود ہی ایک نقشہ کھینچتا ہے، پھر اس پر بے ہودہ پن کی پھبتی کستا ہے اور پھر اپنے خرابات سے اس کا موازنہ کر کے انہیں جنت سے ہزار درجہ اچھا بتاتا ہے۔ یا للعجب:'' ۴۹

یہ ہے اس دور کی بے دینی اور بدعقیدگی کا سرچشمہ جس کی تلاش میں ہمارے اہل علم اور اصحاب فکر زمین آسمان کے قلابے ملا رہے ہیں اور سر رشتہ فکر پھر بھی ہاتھ نہیں آتا۔ یہ بات دو اور دو چار کی طرح واضح ہے کہ اس صدی کی بے دینی، مذہبی بے راہ روی اور بدعقیدگی کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تمام ڈانڈے سرسید سے ملتے ہیں۔ دور جانے کی ضرورت نہیں، پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام اور اسلامی شعائر کے احیاء میں سب سے بڑی رکاوٹ وہ حضرات ہیں جو سرسید کے مکتبہ فکر سے تعلق رکھتے ہیں۔

آگے چل کر مزید لکھتے ہیں۔

''سرسید کے عقائد صحیح تھے یا غلط؟ دیوبند، بریلی، اہل حدیث وغیرہ کسی مسلک کے عالم دین کی بات نہ مانیے، اگرچہ دین کے معاملے میں بات ان ہی کی ماننی چاہیے۔ ان کے سب سے بڑے مخالف امداد العلی اور علی بخش خاں تھے۔ ان کی بات بھی نہ مانیے، ان کے معتقدین و مخلصین کے افکار پر نظر ڈال لیجیے۔ جنہیں نہ آج تک کسی نے قل اعوذ یے کہا ہے۔ نہ ان کے فکر و عمل پر ملائیت کی کبھی پھبتی کسی گئی۔ میرا اشارہ محسن الملک، حالی، اور ڈپٹی نذیر احمد کی طرف ہے، محسن الملک کو سرسید سے باہمہ اخلاص و عقیدت بہت سے مسائل میں اختلاف کرنا پڑا اور انہیں مسلمانوں میں ''چھپا پادری'' قرار دیا۔ حالی کو بھی سرسید سے تعلق و ارادت کے باوجود یہ اعتراف کرنا پڑا کہ سرسید نے تفسیر میں جا بجا ٹھوکریں کھائی ہیں۔ اور بعض مقامات پر ان سے نہایت رکیک لغزشیں ہوئی ہیں۔ اور نذیر احمد نے تو ان کی متعدد خدمات کے اعتراف کے باوجود یہاں تک لکھ دیا کہ ''جو معانی سید احمد خان نے منطوق آیات قرآنی سے اپنے پندار میں استنباط کیے اور میرے نزدیک زبردستی مڑے اور چپکائے، قرآن کے منزل من اللہ ہونے سے انکار کرنا سہل ہے اور ان معانی کا ماننا مشکل یہ وہ معنی ہیں جن کی طرف نہ خدا کا ذہن منتقل ہوا، نہ جبرائیل حامل وحی کا، نہ رسول خدا کا، نہ قرآن کے کاتب و مدون کا، نہ اصحاب کا، نہ تابعین کا، نہ تبع تابعین کا، نہ جمہور مسلمین کا!'' سرسید کی تفسیر کے بارے میں ان کا مجموعی تاثر یہ تھا کہ سرسید کی تفسیر دیوان حافظ کی ان شروح سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی جن کے مصنفین نے چوتڑوں سے کان گانٹھ کر سارے دیوان کو کتاب تصوف بنا دیا ہے۔'' ۵۰

''حیات جاوید'' میں مولانا حالی لکھتے ہیں۔

''سرسید اپنے وقت کے بہت بڑے لبرل تھے۔ فکر میں لبرل، تصور میں لبرل، رجحان میں لبرل، عمل میں لبرل، روزمرہ کی زندگی میں لبرل، تعلیم میں لبرل، مذہب میں لبرل، سیاست میں لبرل اور زندگی کے معاملات میں لبرل۔'' ۵۱

عبیداللہ فہد فلاحی لکھتے ہیں۔

''سرسید کی ان تمام خوبیوں اور جملہ کارناموں کے باوجود یہ کہنے دیجیے کہ تجدد کی بنیاد آپ نے ہی رکھی ہے۔ قرآن و حدیث کی معذرت خواہانہ اور مرعوبانہ ذہن کے ساتھ تعبیر و تشریح کا فتنہ آپ ہی کے تفسیری مباحث سے شروع ہوا رسالہ طعام اہل کتاب اٹھا کر دیکھیے اس پورے رسالے میں اہل کتاب کے ذبیحہ کو مسلمانوں کے لیے حلال کر کے انگریزی طرز معاشرت کو اختیار کرنے کی تلقین کی ہے۔'' ۵۲

حقیقت یہ ہے کہ آج کی تمام نام نہاد مذہبی عقلیت پسندی خواہ وہ پرویزیت کی صورت میں ظاہر ہوئی ہو خواہ فضل الرحمانیت کی شکل میں، درحقیقت فکر سرسید ہی کی خوشہ چینی اور نہایت کورانہ تقلید ہے۔ سرسید بے چارے تو پھر بھی معذور تھے۔ اس لئے کہ ان کا واسطہ ایک ابھرتی ہوئی فکر کے ساتھ تھا جسکی پشت پر ایک عظیم سیاسی و عسکری قوت بھی بڑی شان و شوکت اور آب و تاب کے ساتھ ابھر رہی تھی۔ رحم تو آتا ہے۔ ان کے جدید متبعین پر جو آج ان نظریات کو بڑے فخر کے ساتھ پیش فرما رہے ہیں۔ درآں حالیکہ مغربی تہذیب کبھی کی ''خود اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی'' کر چکی ہے، سائنس کی مادہ پرستی کب کی فضا میں تحلیل ہو چکی اور مغرب کی سیاسی و عسکری بالادستی کی بساط کب کی تہہ ہو چکی!

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست!''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سرسید نے اپنی تحریروں میں امام غزالیؒ اور شاہ ولی اللہؒ کے علاوہ معتزلہ کا بار بار حوالہ دیا ہے اسلام کے مروجہ خیالات سے نپٹنے کے بعد انہیں اپنے جدید خیالات سے جو بات عقائد کے موافق ملتی ہے وہ اسے قابل قبول گردانتے ہیں یہی وجہ ہے کہ انہوں نے دور عباسیہ کے مسلمان مفکرین سے بخوبی استفادہ کیا ہے۔ان مفکرین نے یونانی فلسفہ کے ساتھ مذہبی مسائل کو تطبیق دیتے وقت جو روش اختیار کی تھی وہ قرون وسطی کے مزاج اور ان کے زمانے کے موافق تھی۔سرسید نے یورپین خیالات کے ساتھ موجود الوقت مذہبی مسائل کی تطبیق کرتے وقت جو طریق کار اختیار کیا وہ اپنے مزاج اور رنگ و آہنگ میں معتزلہ جیسا ہی ہے۔لہذا سرسید اور ان کے رفقاء کار کو نومعتزلہ قرار دینا قرین انصاف معلوم ہوتا ہے۔

سرسید نے جس روشن فکری، آزاد خیالی اور جدت پسندی کی داغ بیل ڈالی تھی۔اگر علوم اسلامیہ کے ماہرین اور عاقبت اندیش علماء اس کی بروقت خبر نہ لیتے تو عین ممکن ہے کہ یہ روش اسلامی معاشرے کو مادر پدر آزاد معاشرے میں بدل ڈالتی۔آج بھی امت اسلامیہ کا ایک محدود اور مخصوص طبقہ مغربیت کی چکا چوند ترقی کے پیش نظر قرآن و حدیث کو من مانے معانی پہناتا ہے۔اور تقلید مغرب کو روشن فکری کا نام دیتا ہے مگر اہل اسلام کی غالب اکثریت آج بھی جدید تعلیم کے باوجود قدیم مسلمہ اسلامی قدروں کو مدنظر رکھتی ہے، رائے اور قیاس سے قرآن و حدیث کو خود ساختہ معانی نہیں پہناتی۔قرآن کریم کے بعد حدیث نبوی کو شریعت اسلامیہ کا دوسرا بڑا مرکز و مصدر تصور کرتی ہے۔مغربی تہذیب کی مادی ترقی کے باوجود سادگی اسلام میں اپنی روحانی پناہ سمجھتی ہے، عقل و قیاس کو نہیں بلکہ وحی خداوندی کو قطعی اور قابل یقین گردانتی ہے۔ پردے کو اسلامی شعائر میں شمار کرتی ہے۔مخلوط تعلیم کو ناجائز سمجھتے ہوئے شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھتی ہے، تعدد ازواج کو مشروط قرار نہیں دیتی۔ سود کو حرام سمجھتی ہے۔دین و سیاست کی علیحدگی کو چنگیزی سے تعبیر کرتی ہے اور معجزات و کرامات کا اقرار کرتی ہے۔یہ سب مفسر حقانی ایسے علماء کی تنقید کا ثمرہ ہے۔اگر حقانی ایسے علماء سرسید کی آزاد روی کو سخت تنقید کا نشانہ نہ بناتے تو آج اسلامی معاشرے کی حالت چنداں مختلف ہوتی۔ سرسید کے معذرت خواہانہ انداز کے جواب میں مفسر حقانی نے جو بات کہی ہے۔وہ نہایت جرات سے کہی ہے۔اس کے ہاں نہ تو معذرت ہے اور نہ فکری مرعوبیت۔یہی وہ خصوصیات ہے جو نقد حقانی کو وزن عطا کرتی ہے۔اور اثرات و برکات سے مالا مال کرتی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حوالہ جات

۱	قدسیہ خاتون، ڈاکٹر	،	سرسید کی ادبی خدمات اور ہندوستانی نشاۃ ثانیہ	، ص:۲۹۰
۲	قدسیہ خاتون، ڈاکٹر	،	سرسید کی ادبی خدمات اور ہندوستانی نشاۃ ثانیہ	، ص:۲۹۱
۳	پانی پتی، محمد اسماعیل	،	مقالات سرسید	، ص:۱۰۰
۴	سرسید، احمد خان	،	تہذیب الاخلاق	، ص:۲/۷۹
۵	اشتیاق حسین، قریشی	،	برعظیم پاک وہند کی ملت اسلامیہ	، ص:۲۲۵
۶	محمد علی، چراغ	،	اکابرین تحریک پاکستان	، ص:۱۶۵
۷	عزیز احمد، پروفیسر	،	برصغیر میں اسلامی جدیدیت	، ص:۶۶
۸	عزیز احمد، پروفیسر	،	برصغیر میں اسلامی جدیدیت	، ص:۱۱۲
۹	محمد صدیق، قریشی	،	اہم سیاسی مفکرین	، ص:۱۰۳
۱۰	فوق کریمی، ڈاکٹر	،	سرسید کے سیاسی افکار	، ص:۷۹
۱۱	اشتیاق حسین، قریشی	،	برعظیم پاک وہند کی ملت اسلامیہ	، ص:۳۲۰
۱۲	''فکر ونظر'' (مضمون: سرسید کا مغربی تعلیم کا تصور اور اس کا نفاذ علی گڑھ میں از رشید احمد صدیقی)			، ص۷۹،۷۸
۱۳	نہرو، جواہر لال	،	تلاش ہند	، ص:۲۸۷
۱۴	ضیاء الدین لاہوری	،	سرسید کی کہانی ان کی اپنی زبانی	، ص:۲۸۷
۱۵	ضیاء الدین، لاہوری	،	سرسید کی کہانی ان کی اپنی زبانی	، ص:۲۷
۱۶	شان محمد، ڈاکٹر	،	سرسید تاریخی وسیاسی آئینے میں	، ص۹۲،۹۳
۱۷	محمد اکرام، شیخ	،	موج کوثر	، ص:۱۰۰
۱۸	محمد اکرام، شیخ	،	موج کوثر	، ص:۱۳۸
۱۹	زبیری، محمد امین	،	سیاست ملیہ	، ص:۵۷
۲۰	فوق کریمی، ڈاکٹر	،	سرسید کے سیاسی افکار	، ص:۲۵۶
۲۱	معین الدین عقیل، ڈاکٹر،		مسلمانوں کی جدوجہد آزادی	، ص:۶۰
۲۲	اختر الواسع	،	سرسید کی تعلیمی تحریک	، ص:۶۴
۲۳	عبدالرشید، میاں	،	پاکستان کا پس منظر وپیش منظر	، ص:۱۰۰
۲۴	اشتیاق حسین، قریشی	،	برعظیم پاک وہند کی ملت اسلامیہ	، ص:۳۱۲
۲۵	اشتیاق حسین، قریشی	،	برعظیم پاک وہند کی ملت اسلامیہ	، ص:۳۱۶
۲۶	اشتیاق حسین، قریشی	،	برعظیم پاک وہند کی ملت اسلامیہ	، ص:۳۱۰

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۲۷	مودودی، ابوالاعلیٰ، سید	،	تنقیحات	ص:۱۱۲
۲۸	مودودی، ابوالاعلیٰ، سید	،	تنقیحات	ص:۱۱۳
۲۹	ندوی، ابوالحسن علی	،	مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کش مکش،	ص:۱۰۰، ۱۰۱
۳۰	حالی، الطاف حسین	،	حیات جاوید	ص:۱۰۶
۳۱	ندوی، ابوالحسن علی	،	مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کش مکش،	ص:۱۰۵
۳۲	ندوی، ابوالحسن علی	،	مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کش مکش،	ص:۱۰۵
۳۳	محمد اکرام، شیخ	،	موج کوثر	ص:۱۶۳
۳۴	محمد اکرام، شیخ	،	موج کوثر	ص:۱۶۲
۳۵	محمد اکرام، شیخ	،	موج کوثر	ص:۱۶۳
۳۶	مودودی، ابوالاعلیٰ، سید	،	تنقیحات	ص:۱۱۲
۳۷	مودودی، ابوالاعلیٰ، سید	،	تنقیحات	ص:۱۱۳
۳۸	ندوی، ابوالحسن علی	،	مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کش مکش،	ص:۹۹
۳۹	ندوی، ابوالحسن علی	،	مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کش مکش،	ص:۱۰۰
۴۰	مریم جمیلہ	،	Islam & modernism	ص:۶۵
۴۱	مریم جمیلہ	،	Islam & modernism	ص:۶۷
۴۲	سرسید، احمد خان	،	تفسیر القرآن	ص:۱/۱۱۷
۴۳	سرسید، احمد خان	،	تفسیر القرآن	ص:۱/۳۱۷
۴۴	فیاض محمود، سید	،	تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند	ص:۹/۱۰۲
۴۵	زبیری، محمد امین	،	مقالات سرسید	ص:۲۶۶
۴۶	حالی، الطاف حسین	،	حیات جاوید	ص:۵۹۲
۴۷	حالی، الطاف حسین	،	مقالات حالی	ص:۲۲۶
۴۸	اشتیاق حسین، قریشی	،	برعظیم پاک و ہند کی ملت اسلامیہ	ص:۳۱۸، ۳۱۷
۴۹	ضیاء الدین، لاہوری	،	سرسید کی کہانی، ان کی اپنی زبانی	ص:۱۶، ۱۵
۵۰	ضیاء الدین، لاہوری	،	سرسید کی کہانی، ان کی اپنی زبانی	ص:۲۳، ۲۲
۵۱	حالی، الطاف حسین	،	حیات جاوید	ص:۴۹
۵۲	عبیداللہ فہد، فلاحی	،	تاریخ دعوت و جہاد	ص:۲۱۴

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خلاصۃ البحث

جس دور میں سرسید احمد خان نے برصغیر کے مسلمانوں کی رہنمائی کے لئے اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کے لئے تعلیمی تحریک برپا کی وہ دور برصغیر میں انگریزوں سے نجات حاصل کرنے کے لئے جنگ آزادی کے معا بعد کا ہے۔ جس میں مسلمان بری طرح انگریزوں اور ہندوؤں کے عتاب کا شکار ہو گئے اور عملاً انگریزوں نے برصغیر میں صرف مسلمانوں ہی کو اپنا حریف اور دشمن قرار دے دیا۔ یہ دور مسلمانوں کے لئے انتہائی کسمپرسی کا دور تھا۔ جس میں سرسید احمد خان نے اپنے طور پر مسلمانوں کو ان حالات سے نکالنے کی کوشش کی اور ان کے پیش نظر انگریزوں کو یہ باور کرانا تھا کہ دراصل مسلمان انگریزوں کے دشمن نہیں بلکہ یہ اپنی ثقافتی، مذہبی اور سیاسی روایات کو آزادانہ طور پر اپنی عملی زندگی میں بروئے کار لانا چاہتے ہیں جو کہ ہندوؤں کی ثقافتی، مذہبی اور سیاسی روایات کے بالکل مخالف ہیں۔ چنانچہ اس مقصد کے حصول کے لئے انہوں نے مسلمانوں کو دنیاوی تعلیم کی طرف راغب کرنے کی کوشش کی۔ انگریزی تعلیم کے حصول کو بنیادی مقصد قرار دیا۔ اور ۲۵ مئی ۱۸۵۷ء میں علی گڑھ میں ایک ہائی سکول قائم کیا جو ۱۸۷۷ء میں کالج بنا اور ۱۹۲۱ء میں مسلم یونیورسٹی کی حیثیت اختیار کر گیا۔ چند سالوں میں علی گڑھ کا یہ تعلیمی ادارہ مسلمانوں کی عظیم تعلیمی اور سیاسی سرگرمیوں کا مرکز بن گیا۔

سرسید احمد خان نے اپنی اس تعلیمی تحریک کے ذریعے مسلمانوں کو دو محاذوں پر کام کرنے کے لئے ابھارنے کی کوشش کی۔ اولاً انگریزوں کے ساتھ معاندانہ جذبات کو کم کر کے انگریزی تعلیم حاصل کرنے کی ترغیب دی۔ ثانیاً دنیاوی تعلیم حاصل کر کے سرکاری و نیم سرکاری اداروں میں ملازمتوں کا حصول مقصد قرار پایا۔ اس تعلیمی تحریک کے حاصلات درج ذیل ہیں۔

۱۔ علی گڑھ انگریزوں کے نظام تعلیم اور اس کی حیثیت کو قبول کر کے اس کے اندر مسلمانوں کو تعلیم دینے کی گنجائش پیدا کرنے کی کوشش ہے۔ اس میں مغربی تعلیم کو من وعن قبول کر لیا گیا گو وہاں مرکزی تعلیم تو انگریزی تھی لیکن اسلام کی پیوندکاری کرنے کے لئے دینیات کا پیریڈ بھی رکھ دیا گیا۔

۲۔ یہ ادارہ رہائشی بنیادوں پر قائم کیا گیا یہی وجہ ہے کہ یہ ادارہ اپنے طلباء کا ایک مخصوص مزاج بنا سکا۔ یہ تعلیمی ادارہ مسلمانوں میں عام تعلیم پھیلانے کے لئے نہیں بلکہ متمول طبقہ کے بچوں کی تعلیم کے لئے قائم کیا گیا تھا۔ تعلیم کے لئے فیسیں وصول کی جاتی تھیں اس حیثیت سے یہ مسلمانوں کے اب تک کے نظام سے دوسرا اہم انحراف تھا۔

۳۔ اس ادارہ میں اس بات کی بھی کوشش کی گئی کہ انگریز پرنسپل اور انگریز اساتذہ رکھے جائیں۔ جس کا مقصد شاید انگریزوں کو اپنی وفاداری کا یقین دلانا تھا لیکن عملاً اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مغربیت کی روطلبہ میں تیزی سے سرایت کرتی چلی گئی۔

۴۔ اس ادارہ کا بنیادی مقصد یہ بھی تھا کہ انگریزی تعلیم حاصل کر کے مسلمان بھی ملازمتیں حاصل کر سکیں۔ علی گڑھ کا مجموعی طور پر کردار یہ رہا ہے کہ اس کی بدولت لوگوں نے اعلیٰ تعلیم تو حاصل کر لی اور کئی کئی ڈگریاں بھی وصول کر لیں، اعلیٰ درجے کی ملازمتوں پر بھی فائز ہوئے لیکن یہ لوگ دین اور ملت کی اقدار سے دور ہوتے چلے گئے۔

سرسید احمد خان نے تعلیمی تحریک کے ساتھ ساتھ مذہبی میدان میں بھی مسلمانوں کی رہنمائی کا بیڑہ اٹھایا لیکن اس میں انہوں نے اس وقت کے معروضی حالات کے پیش نظر زبردست ٹھوکریں کھائیں۔ سرسید نے اسلامی تعلیمات کی تشریح کرتے ہوئے مکمل طور پر آزاد عقل کا سہارا لیا اور عیسائی مشنریوں کی مذہبی سرگرمیوں سے مرعوب ہو کر انہی کی ڈگر پر چل نکلے جس میں اسلام کے مسلمہ بنیادی اصولوں کا انحراف تک کر گئے معجزات کا انکار کیا۔ فرشتوں، جنت و دوزخ، وجود آدمؑ، نبوت، رفع عیسیٰؑ، حقیقت وحی، تصور جنات، طوفان نوح، حشر اجساد، حرمت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سود، حقیقت حج اور ذبیحہ وطعام اہل کتاب کے معاملات تک مسلمہ اسلامی اصولوں کو نظر انداز کیا اور ہر ایک کی من مانی تاویل کی۔ جس کے نتیجے میں فتنہء انکار حدیث ابھرا اور سب سے بڑا ظلم یہ ہوا کہ مسلمانوں میں افتراق وانتشار پیدا کرنے کے لئے انگریزوں نے قادیانیت کا جو پودا برصغیر میں لگایا کافی حد تک سرسید اس کے ہمنوا بن گئے۔

ثناء اللہ امرتسری کہتے ہیں کہ رفع عیسیٰؑ کے متعلق قرآن مجید کی آیت انی متوفیک و رافعک الی (آل عمران:۵۵) اس آیت میں اللہ تعالیٰ اس بزرگ حضرت مسیحؑ کے متعلق جن کی تمام زندگی کے حالات کے علاوہ مرنے جینے میں بھی لوگ مختلف ہیں ان کی وفات کا ذکر فرماتا ہے۔ اس آیت کے معنی میں علماء کا قریب قریب اتفاق ہے کہ یہاں موت مراد نہیں۔ بلکہ دنیا سے اٹھانا مراد ہے مگر ہم نے سید احمد صاحب جو کہ اس مسئلہ (وفات مسیح) کے موجد ہیں اور مرزا غلام احمد قادیانی کے لحاظ سے (جو سید صاحب کے اس مسئلہ اور دیگر استحالہ سپرنیچرل میں پیرو ہیں) اس آیت کے معنی میں انہیں کا ترجمہ منظور کیا ہے اور متوفی کے معنی موت دینے والا ہی لکھا ہے۔ اس مسئلہ وفات مسیح کے متعلق سید صاحب کا فرمانا کہ (حضرت عیسیٰؑ تین چار گھنٹے کے بعد صلیب پر سے اتار لئے گئے تھے اور ہر طرح پر یقین ہو سکتا ہے کہ وہ زندہ تھے رات کو وہ لحد میں سے نکال لئے گئے اور وہ مخفی اپنے مریدوں کی حفاظت میں رہے۔ حواریوں نے ان کو دیکھا اور ملے اور پھر کسی وقت اپنی موت سے مر گئے بلاشبہ ان کو یہودیوں کے خوف سے نہایت مخفی طور پر کسی نامعلوم مقام میں دفن کر دیا ہوگا۔ جواب تک نامعلوم ہے اور یہ مشہور کیا ہوگا کہ وہ آسمان پر چلے گئے) تار عنکبوت سے بھی ضعیف ہے یہ کبھی ممکن نہیں کہ سچے نبی کے تابعدار جن کی قرآن میں بھی تعریف آئی ہے (قرآن شریف میں بے شک عیسائیوں کے پہلے طبقہ کے لوگوں کی تعریف ہے مگر وہ موجود عیسائیوں کی طرح مسیح کو خدا نہ مانتے تھے) ایسے صریح کذب کے مرتکب ہوں اور بے فائدہ اپنے نبی اور خدا پر افتراء کریں کہ وہ آسمان پر چلا گیا حالانکہ نہ گیا ہو۔ علاوہ اس کے اگر مسیحی حواریوں کو ملے اور اپنی موت سے مرے تو کیا اتنی دیر میں یہودیوں کو خبر نہ ہوئی کہ وہ اپنی ناکامی پر افسوس کرتے اور دوبارہ سعی بلیغ کر کے کامیابی حاصل کرتے پس سید صاحب کے احتمال کو نہ صرف واقعات جھٹلاتے ہیں بلکہ روایت ودرایت دونوں اس کی تکذیب کرتی ہیں۔

ان حالات میں مولانا عبدالحق حقانی نے سرسید احمد خان کے مذہبی نظریات کا تعاقب کیا اور تحریر وتقریر کے ساتھ ساتھ مناظرے اور مباحثوں میں بھی سرسید کے مذہبی نظریات کا رد پیش کیا اور جہاں جہاں قرآن وسنت کی من مانی تاویلات کے سہارے سے سرسید نے اسلامی ضابطوں کو توڑا وہاں وہاں مولانا عبدالحق حقانی نے ان کو آڑے ہاتھوں لیا اور اپنی مشہور تفسیر ''تفسیر حقانی'' میں اس کا علمی وعقلی رد پیش کیا۔

مختصراً یہ کہ بحیثیت مسلمان اور ایک محقق کے کسی کی نیت پر شک تو نہیں کیا جا سکتا لیکن سرسید احمد خان کی مذہبی نگارشات کے نتیجے میں جن فتنوں نے جنم لیا ان کے اثرات نہ صرف آج تک باقی ہیں بلکہ روز بروز ان میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ دین حقہ کی ترویج کے لئے کوشاں علماء حق ہر دور میں نہ صرف ان نظریات کا توڑ پیش کرتے چلے آ رہے ہیں بلکہ سائنسی بنیادوں پر معروضی انداز میں اسلام کے مسلمہ اصولوں، عقائد وافکار اور نظریات کی صحیح صورت لوگوں کے سامنے پیش کرتے چلے آ رہے ہیں۔

مقالہ کے آخر میں افکار سرسید اور تنقید حقانی کے اثرات وثمرات کا ایک تحقیقی جائزہ پیش کیا گیا ہے تاکہ معلوم ہو سکے کہ ان دو شخصیات کی فکر سے معاشرے کے مختلف طبقات پر کیا اثرات مرتب ہوئے۔ فکر سرسید سے پیدا ہونے والے مذہبی وفکری انتشار کی طرف تنقید حقانی کی روشنی میں مناسب رہنمائی کی طرح ڈالی گئی ہے تاکہ ان نقائص کو کم سے کم کیا جا سکے اور ان کے ثمرات کو سمیٹا جا سکے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نتائج

اس تحقیق کے دوران جو نتائج امکانی حد تک منطقی انداز میں برآمد ہوئے۔ وہ درج ذیل ہیں۔

(۱)۔ آزاد عقل پرستی کا رجحان پیدا ہوا اور ہر چیز کو آزاد عقل کی روشنی میں پرکھا جانے لگا۔

(۲)۔ دنیاوی ترقی کے شوق اور اقوام عالم کی صورتحال کو مدنظر رکھتے ہوئے ترقی کو صرف دنیاوی علوم پر منحصر خیال کیا گیا اور اس کے حصول کو لازمی بنانے کا رجحان پیدا ہوا۔

(۳)۔ حصول آسائش کے لیے مغربیت کو معیار مان کر اس کی اندھا دھند تقلید کی گئی۔

(۴)۔ مذہب اور سیاست کو دو الگ میدان عمل خیال کیا جانے لگا اس لئے مذہبی اور مقتدر لوگوں کے تعاون سے جو معاشرہ ترقی اور خوشحالی کی جانب رواں دواں تھا ان کی علیحدگی سے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو گیا۔

(۵)۔ اسلام کو نظام زندگی کی بجائے صرف عبادات کا مذہب بنا لیا گیا اور مساجد تک محدود کر دیا گیا۔

(۶)۔ اسلام کے وہ سرمدی اصول جو معاشرہ کے اندر رواداری، مساوات، محبت و یگانگت پیدا کرتے ہیں ان کے مقابلہ میں سودی نظام معیشت لایا گیا جو استحصالی معاشرے کا لازمی جزو ہے۔

(۷)۔ معاشرے میں توکل علی اللہ کا نظریہ کمزور پڑنے سے ہر چیز میں انشورنس کا رجحان زور پکڑنے لگا۔

(۸)۔ اخلاقی اقدار جو خاندان اور معاشرہ کو محبت عطا کرتی اور والدین کو معاشرہ میں اعلیٰ مقام دیتی تھیں۔ ان کو پامال کیا جانے لگا اور مغربی طرز کا مادر پدر آزاد رجحان پیدا ہوا۔

(۹)۔ ازدواجی زندگی اسلامی معاشرت کے بنیادی ستون میں شامل ہے اور یہ نص قطعی سے ثابت ہے تعدد ازدواج کی بلا جواز پابندی سے اس سے انحراف کا نقطۂ نظر سامنے آیا۔

(۱۰)۔ عورت جس کو اسلام نے حیا کے پردوں میں مستور کر دیا اور انسان کی فطری غیرت اور حمیت کا سامان پیدا کیا۔ اس کو بازار کی جنس بنا دیا گیا اور ان کاموں میں اس کو حصہ دار بنایا گیا جو اس کے فطری رجحان کے خلاف ہیں۔ جہاں عورت خاندان کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری ادا کرتی تھی اس کی توجہ دنیا کے دیگر کاموں کی طرف مبذول کی گئی اور انسان تربیت کا یہ بنیادی سکول اپنی افادیت کھو بیٹھا یہی چیز آگے چل کر بے حیائی کو رواج دینے کا باعث بنی۔

(۱۱)۔ مخلوط تعلیم کا رواج ہوا اس سے معاشرہ کا نظام عدم توازن کا شکار ہو گیا اور بہت سی معاشرتی و اخلاقی برائیوں نے جنم لیا۔

(۱۲)۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی بہتر رہنمائی کے لئے پیغمبروں کو جہاں وحی کی تعلیم عطا کی تھی وہاں اپنی قدرت کاملہ کے ذریعے ان کے ہاتھوں سے ایسے مافوق الفطرت کام کروائے جو انسانی اذہان کے انتشار کو اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی دعوت دیتے۔ سرسید نے ان معجزات کی عقلی توجیہہ کر کے اللہ تعالیٰ کی قدرت کو انسانی عقل کے زاویوں پر پرکھا جو انسانی عقل کی حدود سے ماوراء ہے۔ اس چیز نے انسانی ذہن کے اندر عقائد کے خلاف انتشار کا رجحان پیدا کیا۔

(۱۳)۔ اسلام نے ملت اسلامیہ کی حفاظت اور سربلندی کے لیے اللہ تعالیٰ کی راہ میں تن من دھن قربان کر کے اپنے رب کو خوش کرنے کا ایک عظیم تصور پیش کیا۔ جسے جہاد کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ سرسید نے اس کی کمزور تاویل کر کے مسلمانوں کے اس زبردست حفاظتی حصار کو توڑ کر رکھ دیا۔ جس سے اجتماعی فکر، انفرادی مفاد کی طرف لوٹ گئی اور ملت کا شیرازہ بکھر گیا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(۱۴)۔سرسید کے معذرت خواہانہ انداز سے جو خطبات احمدیہ میں اپنایا گیا۔انکار حدیث کے نظریہ نے جنم لیا۔اور یہ وہ فتنہ ہے جس سے تفسیر بالرائے المذموم کا دروازہ کھلا اور اہل قرآن فرقہ معرض وجود میں آیا۔

(۱۵)۔انکار حدیث کے رجحان کی وجہ سے سیرت نبویؐ اور اعمال نبویؐ کو مشکوک کر دیا گیا اور مسلمان عمل سے عاری ہو گئے۔قرآن اور علوم القرآن کو ذہنی عیاشی کے طور پر استعمال کیا جانے لگا۔اب ذہنی عیاش اور بے عمل مناظرین تو بکثرت ملیں گے لیکن عمل معدوم ہو گیا ہے۔

(۱۶)۔عبدالحق حقانی نے قدیم و جدید تفاسیر کے مجموعہ کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے مخصوص علم الکلام کے ذریعے عصری انتشار کا حل ڈھونڈنے کی کوشش کی۔ان تمام کمزوریوں کو درست کرنا چاہا۔جو سرسید کے طرز تکلم سے معاشرے میں در آئیں۔چونکہ یہ اسلامیت اور مغربیت کی کش مکش تھی۔اس لیے بعد میں آنے والوں نے سرسید اور عبدالحق حقانی کی طرز پر اپنی فکر کو بڑھایا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سفارشات

راقم کی نظر میں اس تحقیقی مقالہ کی تفصیلات بیان کرنے کے بعد درج ذیل سفارشات مرتب کی جاتی ہیں۔

(۱)۔سرسید احمد خان کے تعلیمی نظریات کو نئی نسل کے قلوب واذہان میں اس حد تک تو ضرور منتقل کیا جائے کہ وہ بدلتی ہوئی دنیا کا ساتھ دے سکیں اور جدید علوم پر مکمل گرفت حاصل کر سکیں لیکن ہر معاملہ میں مغرب کی تقلیدی روش کو نہ اپنایا جائے۔

(۲)۔سرسید احمد خان اپنے زمانے کی سائنسی تحقیقات اور ان کے قیاسی نتائج سے اس قدر مرعوب ہوئے کہ یورپ اور عیسائیت کے تاریک پہلوؤں کا ادراک نہ کر سکے اور عقل و منطق کی ضرورت پر مذہبی معاملات میں حد سے زیادہ زور دینے لگے جو کہ قرآنی تعلیمات سے متصادم روش ہے لہذا ہر حال میں نئی نسل کو یہ باور کرایا جائے کہ تمام علوم پر وحی الٰہی کو بالادستی حاصل ہے۔

(۳)۔سرسید احمد خان نے رائے اور قیاس کی رو سے قرآنی آیات کا مفہوم متعین کرنے کی اکثر مقامات پر کوشش کی ہے۔اور اس معاملے میں لوگوں نے بری طرح سرسید کی پیروی کی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہر کہہ ومہ نے قرآن وحدیث کی ایسی من مانی تاویلات کی ہیں جس سے حسب خواہش معنی مراد لیے اور اس طرح امت مسلمہ میں جہاں انکار حدیث کے فتنہ نے جنم لیا وہاں اکثر لوگوں کے اذہان فکری انتشار کا شکار ہو گئے لہذا امت مسلمہ کے متفق علیہ مسلمہ اصولوں کے مطابق قرآن وسنت کو اپنی خواہشات کے مطابق من مانی تشریحات کرنے کو قابل تعزیر جرم قرار دیا جائے۔

(۴)۔احادیث پر تنقید کرتے وقت سرسید احمد خان نے بعض معترضین کے اعتراضات کا جواب دیتے وقت وضعی احادیث سے ان معترضین کے استفادہ کرنے پر جو بحث کی ہے اس میں ان سے تدوین حدیث کے باب میں بہت سی غلطیاں سرزد ہوئیں جن سے متاثر ہو کر اہل قرآن کا فرقہ وجود میں آیا اور اس فرقہ کے نقیب آج تک حدیث کو شریعت کا دوسرا بڑا ماخذ ماننے سے انکار کرتے چلے آرہے ہیں۔لہذا متقدمین نے حدیث کے معاملہ میں فن جرح وتعدیل کے ذریعے سے جن احادیث کو صحیح اور مستند قرار دیا ہے اس پر کسی کو من مانی تاویلات کرنے سے روکنے کے قوانین بنائے جائیں۔

(۵)۔مذہب کے معاملہ میں سرسید احمد خان کے مادر پدر آزاد رویہ نے بقول ڈاکٹر محمود احمد غازی ''مستغربین'' کی ایک کھیپ تیار کی جو مغرب کی نقالی کو اپنے لئے سرمایہ افتخار سمجھتے ہیں۔لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ مغرب کی کھوکھلی تہذیب پر تحقیق کرتے ہوئے ان کی بے خدا معاشرت کو بے نقاب کیا جائے اور حقائق کی بنیاد پر اسلامی تہذیب اور مغربی تہذیب کا موازنہ کرتے ہوے اسلامی تہذیب کو برتر ثابت کیا جائے کیوں کہ اس تہذیب کے عوامل اور ارکان انسانوں کے نہیں بلکہ خدا کے متعین کردہ ہیں۔

(۶)۔سائنسی ایجادات کے نتیجے میں پوری دنیا اس وقت ایک گلوبل ولج کی صورت اختیار کر چکی ہے عدل وانصاف کے بین الاقوامی اصولوں کو مادی تفوق رکھنے والی مغربی اقوام نے جس بنیاد پر ستی اور بربریت کا عراق اور افغانستان میں عملی ثبوت دیا ہے اس پر بے لاگ منصفانہ تجزیے کو عام کیا جائے اور اس بات کو ثابت کیا جائے کہ مغربی رویے قابل نفرت ہیں اور اسلامی رویے مستحسن ہیں۔

(۷)۔موجودہ دور سائنسی دور ہے سائنسی زبان کو بنظر استحسان دیکھا جاتا ہے لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ علم الکلام کے اس نہج کو رواج دیا جائے جس کی بنیاد پر مولانا عبدالحق حقانی اور دیگر علمائے اسلام نے اسلام کی درست تشریحات کر کے لوگوں کو قرآن وسنت کی تعلیمات سے آشنا کیا ہے۔

(۸)۔مولانا عبدالحق حقانی نے اپنے متکلمانہ انداز بیان اور مناظرانہ مباحث سے جو دینی خدمات سرانجام دی ہیں ان تعلیمات کو ملک کے اعلیٰ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تعلیمی اداروں میں عام کیا جائے۔

(۹)۔اسلام نے تجارت کو حصول رزق کا بہترین ذریعہ قرار دیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس طریقے کی جائز اور ناجائز صورتوں کو بھی واضح کیا ہے۔جن میں سود تجارت کی بدترین ناجائز شکل ہے۔جس کی بدقسمتی سے سرسید احمد خان نے تائید کی ہے۔جبکہ تجارت کا طریقہ مضاربت ایک جائز اسلامی طریقہ ہے۔لہذا موجودہ دور کے تقاضوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے تجارت کے ان طریقوں کو عملی شکل میں عام کرنے کی ضرورت ہے۔جنہیں قرآن وسنت نے سند جواز عطا کیا۔

(۱۰)۔مولانا عبدالحق حقانی نے اپنی خداداد ذہنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے جن شہہ پاروں کو قلم کے ذریعے حوالۂ قرطاس کیا ہے۔انہیں نئی نسل کو منتقل کرنے کے لئے خاطر خواہ بندوبست کیا جائے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فہرست آیات قرآنیہ

نام سورۃ مع نمبر	آیات	آیت نمبر	صفحات
البقرۃ:۲	وقلنایآدم اسکن انت و زوجک.....	۳۵	۱۰۱
	ثم عرضهم علی الملٰئکة.....	۳۱	۵۵
	و علم آدم الاسمآء کلها.....	۳۱	۱۰۱
	واذقال ربک للملٰئکة انی جاعل.....	۳۰	۱۰۲
	اذا قضی امرافانما یقول.....	۱۱۷	۱۰۳
	من کان عدو الله و ملٰئکته.....	۹۸	۱۱۱
	انبؤ نی باسماء هٰؤلآ ء.....	۳۱	۱۰۱
	ذلک تخفیف من ربک ورحمة.....	۱۷۸	۱۳۸
	الم اقل لکم انی اعلم.....	۳۳	۱۰۲
	نحن نسبح بحمدک و نقدس لک.....	۳۰	۱۰۲
	من ذالذی یشفع عنده الا.....	۲۵۵	۱۳۱
	کتب علیکم الصیام کما کتب.....	۱۸۳	۱۳۲
	وایدناه بروح القدس.....	۸۷	۶۴
	ولا تقولو المن یقتل.....	۱۵۴	۷۱
	ماننسخ من أ یة اوننسها.....	۱۰۶	۷۲
	ورفعنا فوقکم الطور.....	۶۳	۷۷
	فقلنا اضرب بعصاک الحجر.....	۶۰	۷۸
	فان لم تفعلوا ولن تفعلوا.....	۲۴	۸۱
	و علی الذین یطیقونه فدیة.....	۱۸۴	۸۴
	یا یهاالذین امنوا کتب علیکم القصاص.....	۱۷۸	۸۹
	فقلنا لهم کونو ا قردة.....	۶۵	۷۵
	انها بقرة لاذلول تثیر الارض.....	۷۱	۷۶
	قل من کان عدو لله.....	۹۲	۶۹
آل عمران:۳	ویکلم الناس فی المهد و کهلا.....	۴۶	۶۱
	وابری الاکمه والابرص و احی الموتٰی.....	۴۹	۶۳
	انی اخلق لکم من الطین	۴۹	۶۴
	بل احیاء عندربهم.....	۱۶۹	۷۲

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

	و لقد نصركم الله ببدر.....	۱۲۳	۷۲
	واتقوا النار التی اعدت للکافرین.....	۱۳۱	۸۱
	ان مثل عیسیٰ عندالله کمثل آدم.....	۵۹	۵۷
	وماجعله الله الابشریٰ لکم.....	۱۲۵	۱۲۲
النساء:۴	واخذ هم الربوٰ و قد نهوا عنه.....	۱۶۱	۶۳
	ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار.....	۱۴۵	۷۱
	فانکحوا ماطاب لکم من النساء.....	۳	۱۷۲
	و بکفرهم و قولهم علی مریم بهتانا.....	۱۵۶	۱۰۴
	و اقتلوهم حیث و جدتموهم.....	۸۹	۱۳۲
المائدہ:۵	تکلم الناس فی المهد وکهلا.....	۱۱۰	۶۱
	ربنا انزل علینا مائدة.....	۱۱۴	۶۲
	و تبرئ الاکمه و الابرص باذنی.....	۱۱۰	۶۳
	اذ ایدتک بروح القدس.....	۱۱۰	۶۴
	و طعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم.....	۵	۸۷
	فاقطعو ا ایدیهما.....	۳۷	۱۳۵
	ینفو امن الارض.....	۳۳	۱۳۵
الانعام:۶	اومن کان میتا فاحییناه.....	۱۲۲	۷۲
	ولاتا کلو ا مما لم یذکراسم الله علیه.....	۱۲۱	۱۳۶
الاعراف:۷	قال لن ترانی ولکن انظر الی الجبل.....	۱۴۳	۵۳
	ولقد خلقنا کم ثم صورنا کم.....	۱۱	۵۵
	واذ نتقنا الجبل فوقهم کانه.....	۱۷۱	۷۷
	سحروا اعین الناس.....	۱۱۶	۷۸
	قال انظرنی الی یوم یبعثون.....	۱۴	۱۱۸
	قال فبما اغویتنی لا قعدن لهم.....	۱۶	۱۱۸
	لاملئن جهنم منکم اجمعین.....	۸	۱۱۸
	واسئلهم عن القریة التی.....	۱۶۳	۱۲۶
	والوزن یومئذن الحق.....	۷	۱۳۱
	قال فاهبط منها فما یکون.....	۱۳	۱۱۸
الانفال:۸	و مارمیت اذرمیت ولکن.....	۱۷	۷۲
التوبۃ:۹	یاایهاالذین امنوا ان کثیرا من.....	۳۴	۶۳

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ھود:۱۱	واصنع الفلک باعیننا ووحینا.....	۳۷	۱۴۳
یوسف:۱۲	ان ھذا الاملک.....	۳۱	۱۱۴
الحجر:۱۵	ان عبادی لیس لک علیھم.....	۴۲	۱۱۸
بنی اسرائیل:۱۷	وما نرسل بالآیات الا.....	۵۹	۱۱۲
مریم:۱۹	فاشارت الیہ قالو اکیف نکلم.....	۲۹	۶۱
	ماکان اللہ ان یتخذ من.....	۳۵	۱۰۳
المومنون:۲۳	فمن ثقلت موازینہ.....	۱۰۲	۱۳۱
الشعراء:۲۶	نزل بہ الروح الامین.....	۱۹۳	۱۱۱
النمل:۲۷	وادخل یدک فی جیبک.....	۱۲	۱۲۷
الروم:۳۰	فاقم وجھک لدین حنیفا.....	۳۰	۹۷
	فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا.....	۳۰	۵۳
لقمان:۳۱	ان الذین امنوا وعملوا.....	۸	۷۱
السجدہ:۳۲	بدء خلق الانسان من.....	۷	۱۰۱
الاحزاب:۳۳	ولن تجد لسنۃ اللہ	۶۲	۷۰
	قدعلمنا ما فرضناعلیھم.....	۵۰	۱۳۳
یٰس:۳۶	انما امرہ اذا اراد شیئاً ان یقول.....	۸۲	۵۷
الزمر:۳۹	اللہ یتوفی الانفس.....	۴۲	۵۷
الشوریٰ:۴۲	لیس کمثلہ شئ	۱۱	۵۳
الزخرف:۴۳	وجعلوا الملئکۃ الذین ھم.....	۱۹	۱۱۴
محمد:۴۷	فاذا لقیتم الذین کفروا فضرب.....	۴	۸۵
النجم:۵۳	علمہ شدید القویٰ	۵	۱۱۱
القمر:۵۴	وان یروا اٰیۃ یعرضوا و یقولوا.....	۲	۱۰۷
	وانشق القمر.....	۱	۱۰۷
الرحمٰن:۵۵	کل من علیھا.....	۲۶	۱۳۰
	وخلق الجان من مارج.....	۱۵	۱۱۹
	یا معشر الجن والانس.....	۳۳	۱۱۹
الواقعہ:۵۶	نحن قدرنا بینکم الموت.....	۶۰	۸۳
الحدید:۵۷	اعدت للذین امنوا باللہ ورسلہ.....	۲۱	۸۱
التحریم:۶۶	لایعصون اللہ ماامرھم.....	۶	۱۰۰
النازعات:۷۹	فالمدبرات امراً.....	۵	۶۸

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

الانفطار:۸۲	ان الابرار لفی.....	۱۳	۷۱
الم نشرح:۹۴	الم نشرح لک.....	۱	۱۰۹
الناس:۱۱۴	من الجنة والناس	۶	۱۱۹

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فہرست احادیث النبوی

نام کتاب	احادیث	حوالہ
السنن، الترمذی	مامن احدیدعو بدعاء.....	نمبر۳۳۸۱
السنن، الترمذی	لا یرد القضاء الا الدعاء	نمبر۲۱۳۹
السنن، الترمذی	ان الدعاء ینفع مما نزل	نمبر۳۵۳۷

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کتابیات

۱	احمد میاں اختر، جوناگڑھی،	سرسید کا علمی کارنامہ	اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ لاہور،	۱۹۶۴ء
۲	اختر الواسع	سرسید کی تعلیمی تحریک	مکتبہ عالیہ ایبک روڈ لاہور،	۱۹۹۱ء
۳	اشتیاق حسین، قریشی	برعظیم پاک وہند کی ملت اسلامیہ (مترجم: ہلال احمد زبیری)		
		شعبہ تصنیف وتالیف وترجمہ کراچی یونیورسٹی کراچی		۱۹۸۷ء
۴	پانی پتی، محمد اسمٰعیل	مقالات سرسید	مجلس ترقی ادب لاہور	۱۹۶۲ء
۵	پانی پتی، محمد اسمٰعیل	خطبات سرسید	مجلس ترقی ادب لاہور	۱۹۷۳ء
۶	ثناء اللہ، امرتسری	تفسیر ثنائی	ثنائی اکادمی ۲۶ میکلوڈ روڈ لاہور،	۱۹۷۸ء
۷	ترمذی، محمد بن عیسیٰ	السنن الترمذی	دار احیاء التراث العربی بیروت، لبنان،	۲۰۰۰م
۸	حالی، الطاف حسین	حیات جاوید	اکادمی پنجاب (ٹرسٹ) لاہور،	۱۹۵۷ء
۹	حالی، الطاف حسین	مقالات حالی	سرفراز قومی پریس لکھنؤ	۱۹۵۷ء
۱۰	حقانی، عبدالحق	تفسیر حقانی	مکتبہ الحسن لاہور	س۔ن
۱۱	حقانی، عبدالحق	تفسیر حقانی	المکتبہ العزیزیہ اردو بازار لاہور،	س۔ن
۱۲	حمید رضا، صدیقی	نظریہ پاکستان	کاروان ادب، اردو بازار لاہور،	۱۹۸۹ء
۱۳	خورشید مصطفیٰ، رضوی	جنگ آزادی ۱۸۵۷ء	الفیصل ناشران وتاجران کتب لاہور،	۱۹۹۰ء
۱۴	رفیع الدین ڈاکٹر،	اسلامی تحقیق کا مفہوم، مدعا اور طریق کار،	دارالاشاعت الاسلامیہ لاہور،	۱۹۶۹ء
۱۵	زاہد الحسینی، قاضی محمد	تذکرہ المفسرین	دارالارشاد اٹک شہر،	۱۴۰۱ھ
۱۶	زبیری، محمد امین	سیاست ملیہ	آتش فشاں پبلی کیشنز لاہور،	۱۹۹۱ء
۱۷	سرسید احمد خان	تفسیر القرآن،	دوست ایسوسی ایٹس الکریم مارکیٹ لاہور،	۱۹۹۴ء
۱۸	سراج الیقین، شاہ محمد	شمس العارفین	مکتبہ مدینہ لاہور	س۔ن
۱۹	سردار محمد خان، عزیز	سرگزشت پاکستان	سنگ میل پبلی کیشنز لاہور،	۱۹۹۰ء
۲۰	سرسید، احمد خان	سیرت محمدی	مقبول اکیڈمی، لاہور	۱۹۸۸ء
۲۱	سید عبداللہ، ڈاکٹر	سرسید احمد خان اور انکے نامور رفقاء کی نثر کا فکری وفنی جائزہ		
		مکتبۂ کاروان لاہور		۱۹۶۵ء
۲۲	شان محمد، ڈاکٹر	سرسید تاریخی وسیاسی آئینے میں،	انوار بک ڈپو علی گڑھ	۱۹۶۹ء
۲۳	صادق حسین، ڈاکٹر،	(مترجم) ہمارے ہندوستانی مسلمان،	مکی دارالکتب اردو بازار لاہور،	۱۹۹۷ء
۲۴	ضیاء الدین، لاہوری	سرسید کی کہانی ان کی اپنی زبانی،	ادارہ تصنیف وتحقیق کراچی،	۱۹۸۲ء
۲۵	طارق محمود، راجہ	سرسید احمد خان	بک کارنر مین بازار جہلم،	۱۹۸۸ء
۲۶	عبدالحق	سرسید احمد خان، حالات وافکار،	انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی،	۱۹۵۹ء

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۲۷ عبدالحق ، مطالعہ سرسید احمد خان ، الرائیں ٹریڈرز ملتان روڈ لاہور، س۔ن

۲۸ عبدالحئی، سید ، نزھۃ الخواطر، دار ابن حزم للطباعۃ والنشر والتوزیع بیروت لبنان، ۱۴۲۰ھ

۲۹ عبیداللہ، سندھی ، القاسم المحمود ، مکتبہ رشیدیہ شاہ عالم مارکیٹ لاہور، ۱۹۸۳ء

۳۰ عبیداللہ فہد، فلاحی ، تاریخ دعوت وجہاد ، فضل سنز لمیٹڈ اردو بازار کراچی، ۱۹۸۶ء

۳۱ عبدالرشید، میاں، پاکستان کا پس منظر و پیش منظر، ادارہ تحقیقات پاکستان، دانش گاہ پنجاب لاہور، ۱۹۸۲ء

۳۲ عزیز احمد، پروفیسر، برصغیر میں اسلامی جدیدیت (مترجم: ڈاکٹر جمیل عالی) ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۸۹ء

۳۳ فاروق ملک، تخلیق پاکستان ، مجید بک ڈپو لاہور ، ۱۹۹۵ء

۳۴ فوق کریمی، ڈاکٹر، سرسید کے سیاسی افکار ، ایشیا بک سنٹر ٹمپل روڈ لاہور، ۱۹۹۰ء

۳۵ فیاض محمود، سید، تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند، پنجاب یونیورسٹی لاہور، ۱۹۷۲ء

۳۶ فیوض الرحمٰن، قاری ، مشاہیر علمائے دیوبند ، المکتبہ العزیزیہ اردو بازار لاہور، ۱۹۷۶ء

۳۷ قاسم محمود، سید ، انسائیکلوپیڈیا پاکستانیکا ، الفیصل ناشران وتاجران کتب لاہور، ۲۰۰۰ء

۳۸ قدسیہ خاتون، ڈاکٹر ، سرسید کی ادبی خدمات اور ہندوستانی نشاۃ ثانیہ، کتابستان ۳۰ چک الٰہ آباد، ۱۹۸۱ء

۳۹ کیلانی، عبدالرحمٰن ، عقل پرستی اور انکار معجزات، مکتبۃ السلام وسن پورہ لاہور، ۱۹۸۵ء

۴۰ گارسان دتاسی ، خطبات گارسان دتاسی، ترجمہ وشائع کردہ انجمن ترقی اردو اورنگ آباد، ۱۹۳۵ء

۴۱ محمد اسحاق، حکیم ، عقائد الاسلام مع حیات حقانی، ادارہ علوم شرعیہ کراچی، س۔ن

۴۲ محمد اکرام، شیخ ، موج کوثر ، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، ۱۹۹۰ء

۴۳ محمد صدیق، قریشی ، اہم سیاسی مفکرین ، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، ۱۹۸۷ء

۴۴ محمد علی، چراغ ، اکابرین تحریک پاکستان، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۹۷ء

۴۵ محمد عمر الدین ، سرسید احمد خان کا نیا مذہبی طرز فکر، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، ۱۹۹۵ء

۴۶ معین الدین عقیل، ڈاکٹر، مسلمانوں کی جدوجہد آزادی، مکتبہ تعمیر انسانیت اردو بازار لاہور، ۱۹۸۲ء

۴۷ محمد نسیم عثمانی، ڈاکٹر ، اردو میں تفسیری ادب ، عثمانیہ اکیڈمک ٹرسٹ گلشن اقبال کراچی، ۱۹۹۴ء

۴۸ مودودی، ابوالاعلیٰ، سید ، تنقیحات ، مکتبہ جماعت اسلامی لاہور، ۱۹۳۹ء

۴۹ ندوی، ابوالحسن علی، سید ، مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کش مکش
مجلس نشریات اسلام کراچی، ۱۹۸۱ء

۵۰ نہرو، جواہر لال ، تلاش ہند ، تخلیقات اکرم آرکیڈ، ٹمپل روڈ لاہور، ۱۹۹۲ء

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

رسائل

۱ تہذیب الاخلاق، سرسید، احمد خان مرتبہ: ملک فضل الدین اللہ والے کی قومی دکان قومی بازار کشمیری لاہور، ۱۳۱۳ھ

۲ سیارہ ڈائجسٹ، قرآن نمبر ج:۲

۳ سہ ماہی ''فکر ونظر''، شمارہ جولائی ۱۹۶۵ء، ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد

لغات وانسائیکلوپیڈیا

۱ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب لاہور، ۱۹۶۲ء

English Books

1. Maryam Jameelah, Islam and Modernism , Mohammad Yusuf Khan, Sant Nagar, Lahore, 1977

2. W.W. Hunter, Our Indian Musalmans , The Comrade Publishers, London, 1945